

راہِ حق کے تقاضے

تلخیص

"إقتضاء الصّراط المستقیم"

شیخ الاسلام احمد بن عبدالحلیم ابن تیمیہ علیہ الرحمۃ

(۶۶۱ھ ــــــ ۷۲۸ھ)

اختصار

ڈاکٹر عبدالرحمن بن عبدالجبار الفریوائی

استاذِ حدیث، امام محمد بن سعود اسلامک یونیورسٹی، ریاض، سعودی عرب

ترجمہ

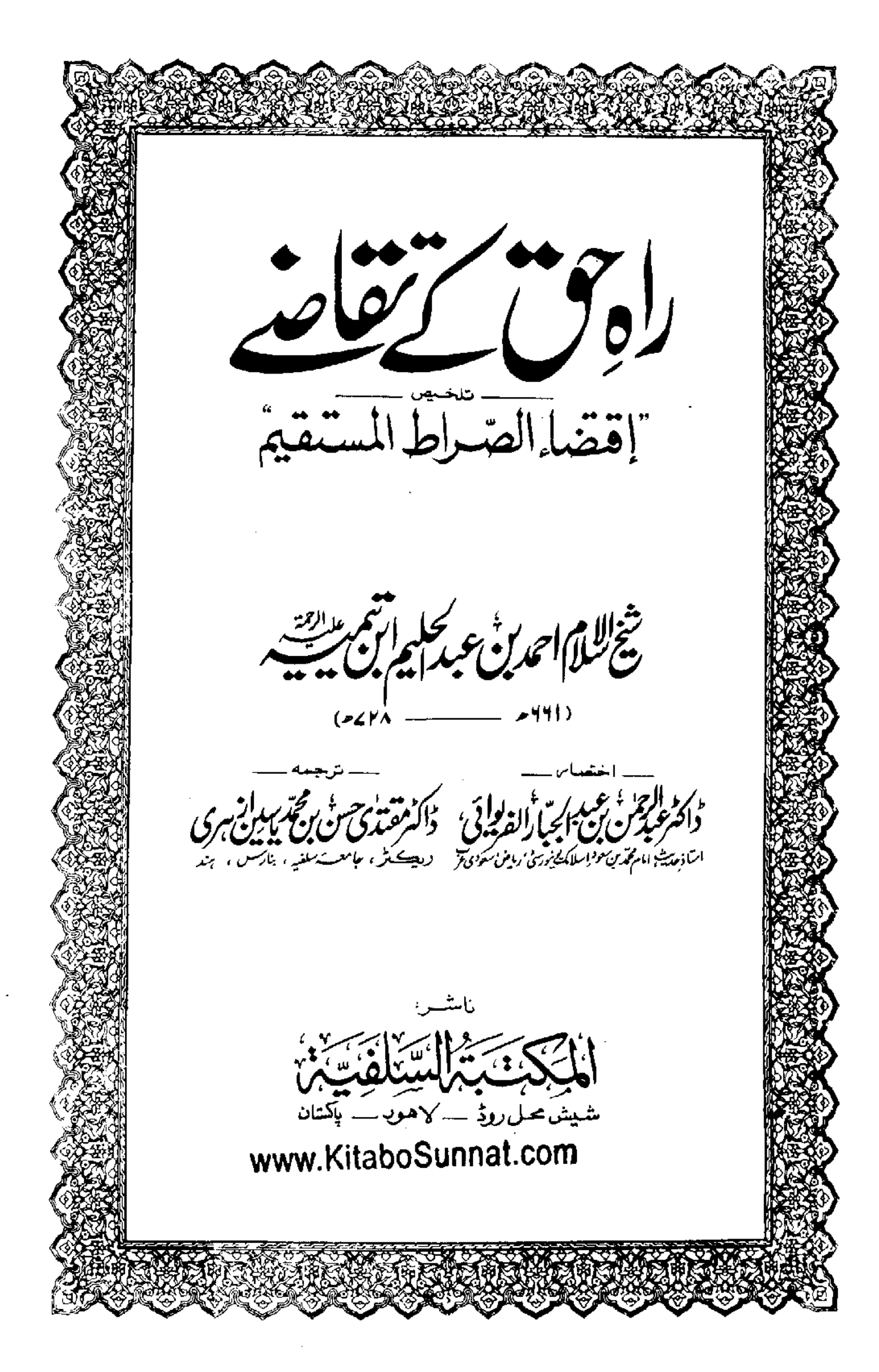
ڈاکٹر مقتدیٰ حسن بن محمد یاسین ازہری

ریکٹر، جامعہ سلفیہ، بنارس، ہند

ناشر:

المكتبة السلفية

شیش محل روڈ ــ لاہور ــ پاکستان



راہِ حق کے تقاضے

تلخیص

"إقتضاء الصراط المستقیم"

شیخ الاسلام احمد بن عبدالحلیم ابن تیمیہ علیہ الرحمۃ

(۶۶۱ھ ——— ۷۲۸ھ)

اختصار

ڈاکٹر عبدالرحمٰن بن عبدالجبار الفریوائی

استاذ حدیث، امام محمد بن سعود اسلامک یونیورسٹی، ریاض، سعودی عرب

ترجمہ

ڈاکٹر مقتدیٰ حسن بن محمد یاسین ازہری

ریکٹر، جامعہ سلفیہ، بنارس، ہند

ناشر:

المکتبۃ السلفیۃ

شیش محل روڈ ـــ لاہور ـــ پاکستان

نام کتاب	------------	راہ حق کے تقاضے
مصنف	------------	شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ
اختصار	------------	ڈاکٹر عبدالرحمٰن الفریوائی
ترجمہ	------------	ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری
ناشر	------------	المکتبۃ السلفیۃ لاہور
باہتمام	------------	احمد شاکر
طبع اول	------------	اکتوبر 1996ء جمادی الاولیٰ 1417ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض ناشر

المکتبۃ السلفیۃ کے بانی مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ' شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی ذات گرامی سے بے پناہ عقیدت اور ان کی تصنیفات سے شیفتگی کی حد تک تعلق رکھتے تھے اسی بنا پر انہوں نے حیات شیخ الاسلام امام بن تیمیہ رحمہ اللہ طبع کی اور اس کے حواشی و تعلیقات میں عقیدت و محبت کا حق ادا کر دیا۔ بفضلہ تعالیٰ یہ کتاب حضرت امام کی تمام زبانوں کی سوانح عمریوں میں اس وقت بھی منفرد تھی اور ہمارے علم کی حد تک اب بھی منفرد ہے۔

علوم و معارف ابن تیمیہ کی نشر و اشاعت المکتبۃ السلفیۃ کے اہداف میں شامل تھی اپنی بساط کی حد تک بحمد للہ المکتبۃ السلفیۃ بفضلہ تعالیٰ اس سے عہدہ برآ ہوتا رہا۔

"اقتضاء الصراط المستقیم فی مخالفۃ اصحاب الجحیم شیخ الاسلام رحمہ اللہ کی کتابوں میں ایک ممتاز مقام کی حامل ہے جس میں شیخ الاسلام نے غیر مسلموں سے مشابہت اور ان کے خاص دن' رسوم اور رواج اپنانے یا ان میں شرکت کرنے پر بحث فرمائی ہے۔ اصل کتاب میں بہت سے عمیق علمی مباحث تھے۔ عام مسلمانوں کی ان علوم میں عدم دلچسپی یا وقت کی کمی کا احساس کرتے ہوئے ہمارے فاضل دوست ڈاکٹر عبد الرحمٰن عبد الجبار فریوائی حفظہ اللہ (پروفیسر جامعۃ الامام محمد بن سعود الریاض) نے اس کی عربی تخلیص فرمائی اور مدینہ منورہ کی ایک فاضل شخصیت شیخ صالح الحصین حفظہ اللہ نے اس پر نظر ثانی فرمائی تھی اور اس تلخیص کو اردو قالب دینے کی ذمہ داری ہندو پاک میں عربی واردو کے معروف و ممتاز مصنف اور آل انڈیا ریڈیو میں عربی زبان کے سابق اناؤنسر ہمارے محترم فاضل دوست ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری حفظہ اللہ وکیل الجامعۃ السلفیہ بنارس نے نبھائی۔

اقتضاء الصراط کی دو اور اردو تلخیصات بازار میں میسر ہیں ان میں اور اس تلخیص میں جو فرق ہے وہ فاضل مترجم حفظہ اللہ کے مقدمہ میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

ڈاکٹر ازھری موصوف نے جامعہ سلفیہ بنارس کا اپنا اشاعتی شعبہ ہونے کے باوجود المکتبۃ السلفیۃ کو اس سعادت سے سرفراز کیا اس میں ہم ان کے شکر گزار ہیں جزاہ اللہ تعالیٰ فی الدارین۔

یہ گرانمایہ کتاب بہت دنوں قبل طباعت کے لیے آئی تھی لیکن طباعت میں تاخیر ناروا حد تک ہو گئی جس کے لیے ہم معذورت خواہ ہیں۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ کتاب کے مصنف کے ساتھ ساتھ اس کی تلخیص اور ترجمہ کرنے والے حضرات اور اس کے ناشر' اور ان سب کے اساتذہ اور والدین کو بھی اجر و ثواب میں شریک فرمائے۔ اور ان کے لیے ذریعہ آخرت بنائے۔ آمین۔

الراجی الی رحمۃ ربہ الغافر

بندۂ اثیم احمد شاکر غفرلہ ولوالدیہ

فہرست


بسم اللہ الرحمن الرحیم


راہِ حق کے تقاضے

مقدمہ

ابن تیمیہ کا مقام

تذکرہ نگاروں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا نام و نسب یوں لکھا ہے :

"ابو العباس احمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام بن عبد اللّٰہ بن محمد بن الخضر بن محمد بن الخضر بن علی بن عبداللّٰہ' الحرانی الد مشقی"

" تیمیہ" شیخ الاسلام کی ایک دور کی دادی۔ الخضر بن محمد کی دادی۔ کا نام ہے انہیں کی طرف منسوب ہو کر "ابن تیمیہ" کی شہرت ہے ان کے دادا "عبدالسلام" بھی "ابن تیمیہ" کی نسبت سے معروف ہیں جنہیں "جد" یعنی "دادا" کہہ کر ممتاز کیا جاتا ہے' امام شوکانی نے ان ہی کی کتاب **"منتقی الاخبار من احادیث سید الاخیار"** کی شرح **"نیل الاوطار"** کے نام سے لکھی ہے جو تمام مسلمانوں میں بے حد مقبول ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا سال ولادت ۶۶۱ ھ' اور سال وفات ۷۲۸ ھ ہے اس طرح انہوں نے کل ۶۷ سال کی عمر پائی۔

یہ بہت طویل عمر نہیں ہے' لیکن شیخ الاسلام' اس مدت میں جو علمی و اصلاحی کارنامے انجام دیئے اور جس طرح ان کا ذکر خیر اور عمدہ تاثیر باقی بلکہ روز افزوں ہے اس کے پیش نظر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان کے کارناموں نے ان کو عمر جاوداں عطا کر دی ہے' جب تک دنیا باقی رہے گی' جب تک خیر و شر کی کشمکش رہے گی' اور جب تک علم و فضل اور حسن پرستی کی قدر باقی رہے گی اس وقت تک ابن تیمیہ کو یاد کیا جاتا رہے گا' اور لوگ ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت و رحمت کی دعاء کرتے رہیں گے۔

جو لوگ ابن تیمیہ کو پڑھے بغیر ان کی شخصیت اور کارناموں پر حکم لگاتے ہیں ہم ان کی بات نہیں کہہ سکتے' لیکن جن لوگوں نے ان کو کسی نہ کسی حد تک پڑھا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ ان کا شمار "عباقرہ" میں تھا' یعنی ایسی شخصیتیں جن کی مثال کم ملتی ہے' اور جن کی علمی

دفنی تخلیقات سب کے لئے نمونہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔

ابن تیمیہ نے علم و فضل' دین و سیاست' سماج و اقتصاد اور شعر و ادب جس جانب بھی رخ کیا اپنی دھاک بٹھا دی' اور اپنا لوہا منوا لیا' انہوں نے حجرۂ درس میں بیٹھ کر صرف زبان و قلم ہی سے اسلام کی خدمت نہیں کی بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو موقع فراہم کیا تو انہوں نے سیف و سنان سے بھی اسلام کی خدمت کی اور تاتاریوں کے حملوں کو روکنے میں برابر آگے رہے۔

موصوف کو اللہ تعالیٰ نے ساتویں و آٹھویں صدی ہجری کے پر آشوب دور میں شاید اس لئے پیدا کیا کہ وہ دلائل کی قوت سے تنہا اہل باطل کو زیر کریں تاکہ حق کی سربلندی کا منظر سامنے آئے' اور یقیناً یہی ہوا' ابن تیمیہ نے فلاسفہ' مناطقہ' باطنیہ' صوفیاء' اسماعیلیہ' روافض اور ملاحدہ ہر ایک کا بہترین رد کیا' اور آج تک ان کی تحریروں کی قوت و شادابی باقی ہے۔

ابن تیمیہ کی شخصیت ابن تیمیہ۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔ کا شمار اسلام کی ان عظیم و نادر شخصیات میں ہوتا ہے جن کی عظیم علمی خدمات اور فکری و عملی کمالات کی وجہ سے آج تک لوگ انہیں خراج عقیدت پیش کرتے آئے ہیں۔

ابن تیمیہ نے اسلام کے پیغام اور دعوت کو سمجھا' اور اس کی اشاعت و دفاع کے لئے ہر طرح کی قربانی پیش کی' اور یہ ثابت کر دیا کہ مومن کی عزیمت و اخلاص کے سامنے بڑی سے بڑی رکاوٹ بھی بے اثر ہے۔

ابن تیمیہ اپنے عہد کے مجدد تھے' اور اسلام میں مجدد کا ظہور اس وقت ہوتا ہے جب معاشرہ میں فواحش و منکرات کا زور ہو جاتا ہے' ابن تیمیہ کے وقت میں خرابیاں متنوع تھیں' ایک بڑی خرابی کا ذکر کرتے ہوئے شیخ حامد فقی لکھتے ہیں کہ اس عہد میں مسلمان اللہ کے ذکر سے غافل اور دنیا پرستی میں غرق تھے' ظاہری شان و شوکت اور مال و متاع کی کثرت ان کا مطمع نظر تھا' اسی لئے وہ تگ و دو کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ مال و دولت اور خدم و حشم کی کثرت ہو تاکہ ظاہری طور پر دوسروں کو مرعوب کر سکیں' لیکن اسلام کی تعلیمات پر عمل کا ان میں کوئی جذبہ نہ تھا۔

ایک مقام پر شیخ فقی نے لکھا ہے کہ ابن تیمیہ کے عہد میں یونانی' ہندی اور ایرانی

فلسفہ کے بادل چھائے ہوئے تھے' تقلید و ہوا پرستی کا یہ حال تھا کہ علماء و مشائخ کو ربوبیت کا مقام حاصل تھا' حکام ظلم و جور کے عادی تھے اوھام و خرافات اور شرک و بدعات کا ہر طرف غلبہ تھا اور صوفیاء کے غیر شرعی طور طریقوں سے لوگ مانوس تھے اور ان تمام خرابیوں کی اصل وجہ یہ تھی کہ کتاب و سنت سے مسلمان بیگانہ تھے۔ علماء کو ضرور یہ معلوم تھا کہ اسلام کا تقاضہ کیا ہے' لیکن مفاد پرستی اور لذت کوشی کا ایسا غلبہ تھا کہ وہ اسلام کی صحیح تعلیمات کی ترجمانی سے قاصر تھے' قرآن و حدیث کو تبرک و تلاوت تک محدود کر دیا گیا تھا' اس کی آیات میں لوگ کوئی پیغام عمل دیکھ نہیں پاتے تھے۔ اسی طرح کائنات میں اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت اور جلال و جبروت کے مظاہر بھی ان کی آنکھوں سے اوجھل تھے' ابن تیمیہ نے توحید ربوبیت و توحید الوہیت میں پختگی کے لئے ان کے سامنے غور و فکر کی دعوت پیش کی' یعنی کتاب و سنت میں غور و فکر کے ساتھ ساتھ کائنات پر بھی غور کریں' اور دیکھیں کہ شرک کی تردید کے عقلی و نقلی دلائل کتنی کثرت سے موجود ہیں۔

کتاب "الاقتضاء" کے موضوعات ابن تیمیہ نے اس اہم کتاب میں بنیادی طور پر ایک اہم اسلامی قاعدہ کی وضاحت کی ہے' جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلام نے کفار کی مشابہت سے منع کیا ہے' اور عام طور پر زندگی کے ہر گوشے میں' اور بالخصوص تہوار وغیرہ کے معاملات میں ان کی مخالفت کا حکم دیا ہے' مصنف نے اس قاعدہ کو کتاب و سنت کے نصوص سے مبرھن کیا ہے' اور عقلی و نقلی دونوں طرح کے دلائل پیش کئے ہیں' اس سلسلہ میں ابن تیمیہ نے وضاحت کی ہے کہ مذکورہ قاعدہ سلف صالح کی نظر میں بیحد اہم ہے لیکن اسلامی تاریخ کی ابتدائی تین بہترین صدیوں کے بعد مسلمانوں نے اس قاعدہ کو نظر انداز کر دیا جس کی وجہ سے ان کے اندر گذشتہ اقوام کی بیماریاں پیدا ہو گئیں۔

کتاب کے بنیادی موضوع پر موجودہ حالات کی روشنی میں غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ کتاب "الاقتضاء" کی تصنیف کا زمانہ ہمارے زمانہ سے بڑی حد تک مشابہ ہے۔ شرک و بدعت کا غلبہ' مسلمانوں کی کمزوری و پسماندگی' عقائد و افکار' اخلاق و عادات اور لباس و وضع قطع میں کافروں کی تقلید وغیرہ مسائل جس طرح ابن تیمیہ کے عہد میں تھے اسی طرح آج بھی ہیں' ماضی میں مسلمانوں کے لئے انگریز اور تاتاری ایک چیلنج تھے اور آج

بھی انگریز ہی سیاسی و فکری میدان میں مسلمانوں کے لئے خطرہ بنے ہوئے ہیں' اگر کہیں سے ان کا سیاسی تسلط ختم بھی ہو گیا ہے تو فکری و اقتصادی طور پر ان کی برتری قائم ہے۔

مذکورہ بنیادی موضوع کے علاوہ ابن تیمیہ نے درج ذیل موضوعات پر بھی روشنی ڈالی ہے:

شروع کتاب میں مصنف نے دو قاعدے ذکر کئے ہیں: ایک یہ کہ نبی کریم ﷺ نے بڑے قطعی انداز میں فرمایا ہے کہ آپؐ کی امت بھی یہود و نصاریٰ وغیرہ اقوام کی طرح مختلف فرقوں میں بٹ جائے گی--- دوسرا قاعدہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے دین کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے' امت میں ہمیشہ ایک جماعت اہل حق کی ہو گی جو صحیح طور پر اسلام کو سمجھے گی اور اسلام کا دفاع کرے گی۔

اسی طرح ابن تیمیہ نے شرک و بدعت کے ان کاموں کی بھی نشاندہی کی ہے جن میں امت مبتلا ہے۔ اور جن کی وجہ سے اس کے عقائد و اعمال پر برا اثر پڑتا ہے۔

امت پر تشبہ کے اثر کو بھی' مصنف نے واضح کیا ہے اور بتایا ہے کہ ظاہری اعمال و عادات میں مشابہت کی وجہ سے دل میں قربت اور محبت پیدا ہو جاتی ہے' اور پھر ایک مومن اور کافر میں تفریق مشکل ہو جاتی ہے۔

کتاب "الاقتضاء" کا ایک موضوع تشبہ کے بنیادی قواعد سے متعلق ہے' اس کے ضمن میں ابن تیمیہ نے اس حدیث نبوی کی تشریح پیش کی ہے جس میں مسلمانوں کو کفار کی مشابہت سے روکا گیا ہے اور اس ممانعت کے نتائج کی جانب بھی اشارہ کیا ہے۔

ایک موضوع ان جماعتوں کی تعین و تحدید کا بھی ہے جن کی مشابہت سے روکا گیا ہے۔ اس میں یہود و نصاریٰ' رومی' ایرانی اور مجوسی سب داخل ہیں' اسی طرح بہت سے شیطانی افعال کی پیروی سے اور متبعین شیطان کی پیروی سے بھی روکا گیا ہے۔ ابن تیمیہ نے ثابت کیا ہے کہ قدیم و جدید دور میں کفار کی جتنی علامات و اوصاف کا پتہ چلتا ہے وہ سب ممانعت میں داخل ہیں۔

ابن تیمیہ نے تشبہ کی ممانعت پر بحث کرتے ہوئے یہ وضاحت بھی کی ہے کہ اس قاعدہ میں شریعت نے استثناء بھی کیا ہے' یعنی اگر کوئی مسلمان مجبوری کی حالت میں کفار کی مشابہت اختیار کرتا ہے تو وہ حدیث کی وعید میں داخل نہیں ہو گا۔

کتاب کا ایک موضوع غیر مشروع میلے اور تہوار ہیں جن کو مسلمانوں نے اختیار کر رکھا ہے۔ ابن تیمیہ نے اس مسئلہ کی اہمیت کی وجہ سے اس پر مفصل بحث کی ہے' اور شریعت کے مقصد کو واضح کیا ہے۔

ایک موضوع غیر عربی زبان کو استعمال کرنے کا ہے' یعنی ضرورت کے مطابق دوسری زبان سیکھنے کی اجازت ہے لیکن عربی زبان کی توسیع و ترقی کی کوشش ترک کرنا ممنوع ہے' کیونکہ اس طرح عربی کی واقفیت محدود ہو جائیگی' اور کتاب و سنت کو سمجھنے میں دشواری پیش آئیگی' عربی زبان پر مسلمانوں کی توجہ مرکوز رہے گی تو اس کے ذریعہ مسلمانوں کی صفوں میں اتحاد بھی برقرار رہے گا۔

ابن تیمیہ نے کتاب میں بدعت کے موضوع پر بھی مفصل روشنی ڈالی ہے۔ اس مبحث میں انہوں نے ان بدعتوں کی نشاندہی کی ہے جو قبروں' مزاروں' مشاہد اور آثار قدیمہ پر ہوتی رہتی ہیں--- قبروں اور مزاروں پر بدعات و خرافات کی ایسی ایسی شکلیں نظر آتی ہیں کہ عقل حیران ہو جاتی ہے۔ آپ برصغیر میں جائیں یا عرب ملکوں میں ہر جگہ آپ کو بدعات کی گرم بازاری کا منظر نظر آئے گا' یہ تو اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہے کہ اس نے حرمین شریفین کو سعودی حکومت کے زیر اقتداء لا کر یہاں سے بدعات کا صفایا کرا دیا' ورنہ ضلالت پرست انسان بیت اللہ ہی کو اوثان و اصنام کا مرکز بنا دیتا۔ جیسا کہ ظہور اسلام کے وقت ہوا تھا۔

کتاب "الاقتضاء" عرب دنیا میں ابن تیمیہ کی دوسری کتابوں کی طرح ان کی کتاب "اقتضاء الصراط المستقیم" کو بھی اہل علم و تحقیق کے یہاں قبولیت حاصل ہوئی ہے' عرب دنیا میں اس کی مقبولیت کا ایک ثبوت یہ ہے کہ اس کے متعدد مخطوطے اس وقت مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں' ڈاکٹر ناصر عبدالکریم العقل' استاذ جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ بالریاض۔ نے اس کے کل سات نسخوں کا ذکر کیا ہے۔ جن میں سے دو مخطوطے نسبۃً قدیم ہیں' ایک ۷۱۵ ھ میں لکھا گیا ہے اور دوسرا ۷۸۱ ھ میں لکھا گیا ہے۔ تیسرا مخطوط ۱۲۲۳ھ میں لکھا گیا ہے' جبکہ چوتھے اور پانچویں مخطوطوں پر تاریخ کتابت درج نہیں ہے۔ چھٹا مخطوط غالباً ۸۰۰ ھ میں اور ساتواں ۱۳۰۴ھ میں لکھا گیا ہے۔

الفقی ایڈیشن عرب ملکوں میں کتاب "الاقتضاء" کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں، لیکن ان میں سب سے زیادہ شہرت و مقبولیت مصر کے مشہور سلفی عالم شیخ محمد حامد الفقی کی اشاعت کو حاصل ہوئی، اس کو ناشرین نے کسب زر کے لئے فوٹو کر کے پوری دنیا میں پھیلا دیا ہے۔

جو نسخہ یہاں جامعہ سلفیہ کی لائبریری میں ہے اس پر اشاعت دوم، اور ۱۳۶۹ھ درج ہے، شیخ فقی نے اس اشاعت میں ۲۴ فصلوں کے ضمن میں ۳۹۳ ذیلی عناوین قائم کئے ہیں جن سے مباحث کی تلاش میں آسانی ہو جاتی ہے، اس اشاعت میں کتاب ایک جلد میں بڑے سائز کے ۴۸۰ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ کتاب کے شروع میں فقی صاحب نے چودہ صفحات کا مقدمہ تحریر کیا ہے۔ جس میں ابن تیمیہ کے حالات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ان میں سے چار صفحات ابن تیمیہ کے شاگرد ابن عبدالهادی کی معروف کتاب "العقود الدرية من مناقب شيخ الاسلام ابن تيمية" سے منقول ہیں، اور بقیہ دس صفحات میں شیخ فقی نے ابن تیمیہ کے عہد، ان کی شخصیت اور علمی و اصلاحی کارناموں کی جانب مختصر اشارات کئے ہیں۔

محقق ایڈیشن ۱۴۰۴ھ میں سعودی عالم ڈاکٹر ناصر عبدالکریم العقل نے کتاب "الاقتضاء" کا محقق ایڈیشن ریاض سے شائع کیا جو اصل میں ان کا پی۔ ایچ۔ ڈی کا مقالہ ہے، اس اشاعت میں متن کی تصحیح و ضبط کے ساتھ ساتھ مفید حواشی بھی موجود ہیں۔

ڈاکٹر ناصر کی اشاعت میں فصلوں کی تعداد شیخ فقی کی طرح ۲۴ ہی ہے، لیکن عناوین کی تعداد ۵۱۰ تک اور صفحات کی تعداد ۹۷۷ تک پہنچ گئی ہے، اس اشاعت کے شروع میں محقق کے قلم سے تقریباً پچاس صفحات پر مشتمل ایک مقدمہ ہے جس میں ڈاکٹر ناصر نے ابن تیمیہ کی مختصر سوانح، کتاب "الاقتضاء" کے مختلف مخطوطات، اپنے منہج تحقیق و تعلیق، اور کتاب کے بعض موضوعات کا مختصر تجزیاتی مطالعہ پیش کیا ہے، یہ ایڈیشن ضخیم ضرور ہو گیا ہے لیکن ابن تیمیہ کے قدردانوں کے لئے یہ ایک عمدہ تحفہ ہے، کیونکہ اس میں متن کی تصحیح کے ساتھ ساتھ اس کی شرح بھی ہو گئی ہے، اعلام پر مختصر نوٹ درج ہو گئے ہیں، اور بعض مقامات پر عبارت کا مفہوم بھی متعین کر دیا ہے، کتاب کے اختتام پر محقق نے احادیث، آثار، اعلام، غریب الفاظ و اصطلاحات، اقوام، فرق، اماکن اور ماخذ کی فہرستیں بھی شامل کر دی

ہیں' ان سے اہل علم کے لئے آسانی ہو گئی ہے۔

ڈاکٹر ناصر العقل کی مذکورہ اشاعت کا ایک مہذب و مختصر ایڈیشن جامعہ سلفیہ کے ایک فاضل اور جامعة الامام محمد بن سعود الاسلامیة ریاض کے استاذ ڈاکٹر عبدالرحمٰن ابن عبدالجبار الفریوائی نے چند برس قبل ریاض سے شائع کیا ہے اور اس کا مراجعہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے استاذ شیخ عبداللہ الغنیمان نے کیا ہے' اس اختصار میں ڈاکٹر عبدالرحمٰن نے درج ذیل امور کا لحاظ کیا ہے :

(۱) کتاب "الاقتضاء" کی اصل عبارت محفوظ ہے' بوقت ضرورت ایک یا دو لفظ کی معمولی تبدیلی کی گئی ہے۔

(۲) ضعیف احادیث کو حذف کر دیا گیا ہے۔

(۳) عام طور پر مکرر عبارتوں کو حذف کر دیا گیا ہے۔

(۴) فقہی و لغوی اختلاف کے ذکر میں اختصار ملحوظ رکھا گیا ہے۔

(۵) دیہاتی عربوں اور عجمیوں (اعراب و اعاجم) کے ساتھ شبہ کو حذف کر دیا گیا ہے کیونکہ اس کا تعلق اختلافی مسائل سے ہے۔

اس اختصار میں ص ۳۱ تک مقدمہ کا اختصار ہے اور پہلا باب ص ۱۳۹ پر' اور دوسرا باب ص ۳۴۹ پر ختم ہوا ہے' عناوین کی مجموعی تعداد ۷۳ ہے' اس اختصار میں باب کی جو تقسیم کی گئی ہے اس کو ڈاکٹر ناصر العقل نے جلد سے ممتاز کیا ہے' یعنی کتاب کو دو جلدوں میں تقسیم کر دیا ہے۔

کتاب "الاقتضاء" کے تراجم شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی دوسری کتابوں کی طرح "اقتضاء الصراط المستقیم" کو بھی اسلامی حلقوں میں بیحد مقبولیت حاصل ہوئی' موضوع کی اہمیت کے پیش نظر اس کتاب کے دو ملخص ترجمے شائع ہو چکے ہیں' پہلا ترجمہ مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی کا ہے اور دوسرا ترجمہ مولانا شمس تبریز خان کا۔

۱۔ مولانا ملیح آبادی نے اپنے ترجمے میں صرف دوسری جلد یا دوسرے حصہ کے بعض اہم مباحث کا خلاصہ پیش کیا ہے' اور پہلے حصے کے مباحث سے کوئی تعرض نہیں کیا ہے۔ اس ترجمہ کی دو اشاعتیں جامعہ سلفیہ کے کتب خانہ میں موجود ہیں' پہلی اشاعت کلکتہ کی

ھند بک ایجنسی نے بنام "صراط مستقیم" شائع کی ہے' اس پر سن اشاعت درج نہیں ہے مقدمہ صفحات کی تعداد ۲۳۲ اور عناوین کی تعداد ۱۹۷ ہے' سائز ۱۶/ ۲۰ x ۳۰ سولہ ہے' دیباچہ کے عنوان سے گیارہ صفحات پر پھیلا ہوا مولانا ملیح آبادی کا مقدمہ ہے' جس میں انہوں نے مغربی الحاد' علماء سوء' تصوف' ابن تیمیہ' جماعت اہلحدیث وغیرہ پر روشنی ڈالنے کے بعد "اقتضاء الصراط المستقیم" کے ترجمہ کے محرک کی جانب اشارہ کیا ہے' پھر مذہبی و قومی تہواروں کے مابین فرق واضح کیا ہے' ضرورت کے مطابق مترجم نے کہیں کہیں حواشی کا اضافہ کیا ہے۔

اسی ترجمہ کی دوسری اشاعت ادارہ "ترجمان السنہ" لاہور سے مارچ ۱۹۷۶ء میں بنام "جادۂ حق" شائع ہوئی ہے' صفحات کی تعداد مع مقدمہ ۲۵۱ ہے' نام کی تبدیلی کے علاوہ بقیہ امور میں یہ اشاعت مثل سابق ہے' البتہ اس کی کتابت و طباعت سابقہ اشاعت سے کمتر ہے۔

موصوف کی تلخیص جہاں سے شروع ہوتی ہے وہ مقام فقی اشاعت میں صفحہ ۲۲۵ پر اور مہذب الاقتضاء میں صفحہ ۱۷۹ پر واقع ہے۔

ملیح آبادی صاحب کا ترجمہ الحاقی عبارات اور عنوانات سے خالی ہے' لیکن اس کی خوبی یہ ہے کہ یہ کتاب کے مدعا کو بخوبی واضح کرتا ہے' اور ابن تیمیہ کی عبارت کا ایسا مفہوم پیش کرتا ہے جس سے خلاف مقصود کسی بات کا شبہ قاری کو نہیں ہوتا' اگر عبارت کی سلاست کے لئے مفہوم متاثر ہو جائے تو یہ ترجمہ کا نقص ہوتا ہے خوبی نہیں' مولانا نے سلاست کے ساتھ ہی عبارت کی روح کو باقی رکھا ہے۔

۲۔ مولانا شمس تبریز خاں نے اپنے ترجمہ کا عنوان "اسلام اور غیراسلامی تہذیب" رکھا ہے' پھر ذیل کی عبارت سے اس کی توضیح کی ہے "رواداری' مدارات اور بقاء باہم کے اصول و حدود کتاب و سنت اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں"

ہمارے سامنے اس کتاب کا تیسرا ایڈیشن ہے جو ۱۹۷۹ء میں مجلس تحقیقات و نشریات اسلام' ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع ہوا ہے' صفحات کی تعداد ۱۸۸ اور سائز ۲۲ x ۳۶ ہے' فہرست مضامین میں تین باب قائم کئے ہیں جس کے ضمن میں مندرج عناوین کی تعداد ۴۸ ہے' لیکن تلخیص کے متن میں صرف باب اول درج ہے' دوم سوم کے صرف عناوین ثبت

ہیں۔

اس تلخیص کا پیش لفظ محترم مولانا سید ابو الحسن علی ندوی صاحب نے تحریر فرمایا ہے جو چار صفحات پر پھیلا ہوا ہے اس پیش لفظ میں مولانا نے اختصار و انتخاب کی تحریک اور اپنی مصروفیات سے اس میں رکاوٹ کا ذکر فرمانے کے بعد مولانا شمس تبریز خاں کے ترجمہ پر اطمینان و خوشی کا اظہار فرمایا ہے۔ انہوں نے جو اضافے کئے ہیں ان کی تحسین کی ہے اور ابن تیمیہ کے دریائے بے کراں اور سیل رواں کو کوزہ میں بند کرنے کا ذکر کیا ہے اور اس ترجمہ کو اردو میں اس موضوع پر قول فیصل اور مختصر دائرۃ المعارف قرار دیا ہے۔ تقریباً نصف صفحہ کے اس توثیقی بیان کے بعد اطمینان ہو جاتا ہے کہ مترجم نے یقیناً ابن تیمیہ کی کتاب کو ''زیادہ مفید'' عصر حاضر کے مطابق اور ہندوستان کے حالات سے قریب کیا ہو گا اور ترتیب و تنظیم کے بعد نشیب و فراز' اعادہ و تکرار اور طوالت و اطناب ختم کر دیا ہو گا' لیکن اس ترجمہ کا جو نسخہ عزیز مکرم مولوی احسن جمیل سلمہ فاضل جامعہ اسلامیہ مدینہ نے مجھے دکھایا اس میں کہیں کہیں عبارتوں پر قلم سے خط کھینچے گئے تھے یا سوالیہ نشانات بنائے گئے تھے۔ عزیز موصوف نے بتایا کہ ان مقامات پر ترجمہ صحیح نہیں ہے' یا اضافہ بے موقع ہے' میں نے اطمینان کیلئے اصل کتاب سے تقابل کیا اور جس نتیجہ پر پہنچا اس کو پیش کرنے سے پہلے یہ عرض کرنا مناسب سمجھتا ہوں کہ :

○ کسی کتاب کی تلخیص یا ترجمہ میں جو بات سب سے اہم ہوتی ہے وہ یہ کہ اصل کتاب کا بنیادی مقصد کسی طرح متاثر نہ ہو۔ مصنف کے نقطہ نظر میں کسی طرح کی تبدیلی نہ ہو' اور اس کی نظر میں جو نقاط اہم ہیں ان کی اہمیت میں کمی نہ ہو۔

○ ہر مصنف کا اپنا انداز و رجحان ہوتا ہے' افکار و نظریات کی دنیا میں جایئے تو یہ تمایز اور بڑھ جاتا ہے' ایسی صورت میں کسی ایک کتاب میں دوسری کتاب کے۔۔۔ اقتباسات یا پیوند کاری کا کوئی خاص فائدہ نہیں' خصوصاً جبکہ اضافہ کی عبارتوں سے مصنف کے مفہوم کی مخالفت کا تاثر ملتا ہو۔

○ تلخیص و ترجمہ سے عام طور پر یہی سمجھا جاتا ہے کہ کتاب کے طول کو کم کر کے معانی کو دوسری زبان میں منتقل کر دیا جائے' تاکہ اس زبان کے جاننے والے اور کم پڑھے لکھے لوگ بھی اس تحریر سے مستفید ہو سکیں۔ اس دائرہ سے آگے شرح و توضیح کا مرحلہ

ہے' اس میں شارح اپنی طرف سے کچھ کہہ سکتا ہے لیکن اس طرح کہ متن کا اعتبار برقرار رہے۔

اب مولانا تبریز کے ترجمہ کے بعض مقامات پر اپنی گزارشات پیش کرتا ہوں:

○ تلخیص کے صفحہ ۸۹ پر مولانا نے "غیر اسلامی زبانوں کا مسئلہ" کے زیر عنوان جو ترجمہ پیش کیا ہے اس میں بعض تسامحات ایسے ہیں جن کی وجہ سے ابن تیمیہ کے کلام کا مدعا متاثر ہوتا ہے' ابن تیمیہ نے زبان کے مسئلہ کو "اللغات من اعظم شعائر الامم" کہہ کر اس مبحث کے مقصد کی طرف اشارہ کیا ہے' لیکن مولانا موصوف نے مذکورہ سرخی پر جو ایک صفحہ سے زیادہ کا حاشیہ لکھا ہے اس میں ابن تیمیہ ہی کی اکثر باتوں کو دہرانے اور اسلام سے زبانوں کے سلسلہ میں تنگ نظری کے شبہ کا دفعیہ کرنے کے بعد "امام اعظم" اور فقہاء احناف کے حوالہ سے عجمی زبان میں نماز ادا کرنے کی جو بات لکھی ہے اس سے ابن تیمیہ کے مدعا کو بہرصورت تقویت نہیں ملتی۔ نیز یہ کہ ابن تیمیہ اس موقع پر فقہی احکام کی تفصیل نہیں بتانا چاہتے کہ ہر فریق کے قول کا تذکرہ کریں' بلکہ افکار و اعمال کی تشکیل میں زبان کا جو کردار اور تاثیر ہے اس کے پس منظر میں وہ عربی زبان کے غلبہ و برتری کی بات کر رہے ہیں۔

○ حاشیہ کے اختتام پر مولانا نے لکھا ہے کہ "بعد میں جب یہ صورت نہ رہی اور دوسری زبانوں میں بھی اسلامیات کا ذخیرہ ہو گیا تو دوسری زبانوں کو بھی رعایتیں ملیں' حتیٰ کہ امام اعظم نے عجمی زبان میں دعا اور تحریمہ تک کی اجازت دیدی"

امام اعظم کے حوالہ سے جس اجازت کا ذکر مولانا فرما رہے ہیں ظاہر ہے کہ وہ دوسری زبانوں میں اسلامیات کا ذخیرہ وجود میں آنے سے پہلے کی بات ہے۔

اذکار صلاۃ کی غیر عربی زبان میں ادائیگی کی جو بحث ابن تیمیہ نے کی ہے اس میں انہوں نے امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا موقف یوں بیان کیا ہے "**واختلف ابو حنيفة واصحابه فى القادر على العربية**" لیکن مولانا نے اس تصریح سے صرف نظر کرتے ہوئے امام ابو حنیفہ کے مسلک کو اپنے حاشیہ میں ذکر کیا ہے۔

○ اس مقام پر ایک دوسرا تسامح یہ ہے کہ ابن تیمیہ اذکار صلاۃ کی غیر عربی زبان میں ادائیگی کی بات کر رہے ہیں لیکن مولانا تبریز نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے "فقہاء کے

یہاں نماز کو غیر عربی زبان میں پڑھنے میں اختلاف ہے۔"

مولانا تبریز نے امام ابوحنیفہ کے مسلک کا ذکر اپنے حاشیہ میں فرمایا' لیکن ابن تیمیہ کے متن کی ایسی عبارتیں نظر انداز کر دیں جن سے مسئلہ کے دوسرے رخ کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔

مثلاً فقی اشاعت کے صفحہ ۲۰۳ کی عبارت جس کا آغاز یوں ہے **"ولهذا كان كثير من الفقهاء او اكثرهم يكرهون فى الادعية التى فى الصلاة والذكر ان يدعى الله اويذكر بغير العربية"**

اور صفحہ ۲۰۴ کی یہ عبارت : **"ولهذا نقول : ينبغى لكل احد يقدر على تعلم العربية ان يتعلمها' لانها اللسان الاولى بان يكون مرغوبا فيه من غير ان يحرم على احد ان ينطق بالعجمية"**

ترجمہ میں اضافہ فقی اشاعت کے صفحہ ۳۳۸ پر ایک عبارت یوں ہے : **"ثم بعد ذلک بسنين متعددة بنيت القبة على السقف وانكرها من انكرها"**

تبریز صاحب نے صفحہ ۱۰۵ پر اس کے ترجمہ میں قبہ کے ساتھ "مبارکۃ" کے لفظ کا اضافہ کر دیا ہے' ہماری نظر میں اس سے اردو قارئین کے ایک طبقہ کی رعایت تو ہو گئی' لیکن ابن تیمیہ کی رعایت شاید نہ ہو سکی۔

ابن تیمیہ کی احتیاط امت میں قبر پرستی کے رواج و شیوع کی وجہ سے ابن تیمیہ قبور و مزارات کے سلسلہ میں کافی محتاط ہیں ایک مقام پر لکھتے ہیں :

"ولم يثبت عن النبى صلى الله عليه وسلم حديث واحد فى زيارة قبر مخصوص' ولاروى احد فى ذلک شيئا' لا اهل الصحيح ولا السنن ولا الائمة المصنفون فى المسند كالامام احمد وغيره" و انما روى ذلک من جمع الموضوع وغيره" (فقی اشاعت صفحہ ۴۰۰)

یعنی نبی کریم ﷺ سے کسی مخصوص قبر کی زیارت کے بارے میں کوئی ایک حدیث بھی ثابت نہیں' اس سلسلہ میں صحیح' سنن اور مسانید کے مصنفین نے کوئی چیز روایت نہیں کی ہے' البتہ موضوعات وغیرہ جمع کرنے والے مصنفین نے ایسی حدیثیں روایت کی ہیں۔

فقی اشاعت میں صفحہ ۳۲۸ پر ایک عبارت یوں ہے : "وهذا النهی یعم السفر الی المساجد والمشاهد' و کل مکان یقصد السفر الی عینه للتقرب والعبادة"

مولانا تبریز صاحب نے صفحہ ۱۴۶ و ۱۴۷ پر اس کا ترجمہ یوں کیا ہے :

"حدیث لاتشد الرحال" کے پیش نظر مقابر و مزارات اور مساجد ثلاثہ کے علاوہ کے لئے سفر ممنوع ہے"

اس ترجمہ سے اول وہلہ میں یہ شبہ ہوتا ہے کہ مساجد ثلاثہ کے لئے جس طرح سفر کی اجازت ہے اسی طرح مقابر و مزارات کے لئے بھی ہے' حالانکہ یہ شریعت کے خلاف ہے۔ اور ابن تیمیہ کی عبارت میں بھی اس کی کوئی گنجائش نہیں' میری نظر میں ابن تیمیہ کی مذکورہ عبارت کا ترجمہ یوں صحیح ہے :

"اس ممانعت میں تمام مساجد و مزارات کا سفر اور تقرب و عبادت کے لئے کسی بھی متعین مقام کا سفر داخل ہے۔"

کچھ اس ترجمہ کے بارے میں اس مقدمہ کی سابقہ سطور میں میں نے "اقتضاء الصراط المستقیم" کے اس اختصار کا تذکرہ کیا ہے جسے ڈاکٹر عبدالرحمٰن فریوائی نے تیار کیا ہے' یہ ترجمہ اسی مختصر اشاعت کا ہے' ترجمہ میں کہیں کہیں اختصار بھی کیا گیا ہے۔ اس کا حجم مقدمہ میں مذکور دونوں اردو ترجموں سے زیادہ ہے' اس ترجمہ کیلئے "راہ حق کے تقاضے" کا عنوان منتخب کیا گیا ہے اور اس کی توضیح کے لئے "اسلامی تہذیب کے بنیادی خطوط" کی ترکیب بین القوسین رکھی گئی ہے۔

ڈاکٹر عبدالرحمٰن فریوائی کے اختصار میں عنوانات کی تعداد تقریباً چالیس ہے' اور اس ترجمہ میں کل ۲۱۸ عناوین ہیں اردو قارئین کی سہولت کے پیش نظر بہت سے عناوین کا اضافہ کیا گیا ہے۔

اس ترجمہ میں دانستہ طور پر ترجمانی کا رنگ نہیں لایا گیا ہے' بلکہ یہ کوشش کی گئی ہے کہ جملوں کی ساخت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ترجمہ کو سلیس بنایا جائے' سلاست کے لئے جملوں کی ساخت میں تبدیلی یا عبارت میں حذف و اختصار نہیں کیا گیا ہے' مسائل کے تذکرہ میں ابن تیمیہ کی عبارت اتنی سلیس و واضح ہوتی ہے کہ ترجمہ کے بعد کوئی غموض پیدا نہیں

ہوتا' اس لئے ان کی تعبیرات کے اسلوب و انداز کو برقرار رکھنا زیادہ مناسب معلوم ہوا۔

اس ترجمہ کی تحریک ڈاکٹر عبدالرحمٰن فریوائی نے کی تھی' اور اس کے مراجعہ و طباعت کی ذمہ داری بھی انہوں نے اپنے ہی سر لی ہے' ابن تیمیہ کی شخصیت و علمی خدمات کا تعارف وہ اپنے پی' ایچ' ڈی' کے مقالہ میں بھی کرا چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ انہیں بہترین اجر عطا فرمائے' اور اس ترجمہ سے قارئین کو مستفید ہونے کی توفیق بخشے۔

کتاب کی اہمیت کے پیش نظر اس کی طباعت پاکستان میں ہو رہی ہے۔ **المکتبۃ السلفیہ** لاہور کے مالک حافظ احمد شاکر صاحب نے بڑے شوق و حوصلہ سے طباعت کی ذمہ داری قبول فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ موصوف کو بہترین اجر مرحمت فرمائے۔

اہل علم سے گزارش ہے کہ اس ترجمہ کا مطالعہ فرمائیں اور کسی مقام پر کوئی سقم نظر آئے تو خاکسار کو مطلع فرمائیں نیز مصنف رحمہ اللہ کے ساتھ ہم سب لوگوں کے لئے بھی دعاء خیر فرمائیں۔ **وما توفیقی الا باللہ**

(مقتدیٰ حسن بن محمد یاسین ازہری)

جامعہ سلفیہ' بنارس

۱۹ر ذی القعدہ ۱۴۱۴ھ

یکم مئی ۱۹۹۴ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ الذی اکمل لنا دیننا' و اتم علینا نعمتہ' ورضی لنا الاسلام دینا' و امرنا ان نستہدیہ صراط المستقیم
واشہد ان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ' واشہد ان محمد اعبدہ ورسولہ' ارسلہ بالدین القیم والملۃ الحنیفیہ' صلی اللّٰہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم تسلیما۔

سبب تالیف

میں نے از خود یا کسی سوال کے جواب میں اس بات سے روکا تھا کہ میلوں اور تہواروں میں کفار سے مشابہت اختیار کی جائے' اس کی دلیل میں نے احادیث سے پیش کی تھی اور شریعت کا مدعا ذکر کرتے ہوئے ان حکمتوں کو بیان کیا تھا جنہیں اسلام نے اہل کتاب' مشرکین اور اہل عجم کی مخالفت میں ملحوظ رکھا ہے۔
کفار کی مخالفت سے متعلق شریعت کے اس عظیم قاعدے کی تفصیلات بہت زیادہ تھیں لیکن میں نے اپنے جواب میں انہیں باختصار ذکر کیا تھا۔
پھر مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ کچھ لوگوں کو میرے جواب سے تعجب ہوا' ان کے سامنے قدیم رسم و رواج اور بعض عمومی دلائل تھے جن کا وہ اس مسئلہ میں سہارا لینا چاہتے تھے۔
بعض احباب نے مجھ سے تقاضا کیا کہ اس مسئلہ کی اصل حیثیت کو واضح کرنا ضروری ہے' تا کہ عام طور پر لوگ مستفیض ہو سکیں۔ مسلمانوں میں چونکہ **تشبہ** کا مرض عام ہے اور لوگ ایک طرح کی جاہلیت کا شکار ہیں اس لئے میں نے بقدر استطاعت اس مسئلہ پر روشنی

ڈالی۔

مجھے خیال نہ تھا کہ شریعت کے مقاصد اور فقہاء کی توجیہات پر نظر رکھنے والا کوئی شخص **تشبہ** کی خرابیوں میں شک کر سکتا ہے۔ بلکہ میں تو یہ سوچ رہا تھا کہ جس کے دل میں بھی ایماں ہو گا اور اسے اللہ کے دین اسلام کی حقیقت معلوم ہو گی وہ اس مسئلہ میں ادنیٰ تنبیہہ پر متنبہ ہو جائے گا اور اپنی اصلاح کر لے گا۔ لیکن اللہ کی پناہ! دلوں کی کجی اور نفسانی خواہشات نے حق کی معرفت و اتباع سے ہمیں روک رکھا ہے۔

فصل (۱)

بعثت نبوی ﷺ سے پہلے کا انسان

اللہ تعالٰی نے رسولوں کی آمد میں وقفہ کے بعد محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ بعثت سے قبل اہل کتاب کے تھوڑے سے لوگوں کو چھوڑ کر تمام عرب و عجم اللہ تعالٰی کی نظر میں ناپسندیدہ تھے۔

اس دور میں دو طرح کے لوگ تھے' ایک وہ جن کے پاس تبدیل شدہ یا منسوخ کتاب اور مٹا ہوا مذہب تھا۔ جس سے لوگ ناواقف یا بے نیاز تھے' یا پھر عرب و عجم کے ان پڑھ تھے جنہوں نے اپنی صوابدید سے کسی ستارے' قبر' بت یا مجسمہ وغیرہ کی پرستش اختیار کر لی تھی۔

عام طور پر جاہلیت کا زور تھا' جہالت کو علم اور فساد کو اصلاح سمجھا جا رہا تھا۔ علم و عمل میں فوقیت رکھنے والوں کا حال یہ تھا کہ سابقہ انبیاء کی طرف منسوب جو تھوڑا بہت علم انہیں حاصل تھا اس میں بھی وہ حق و باطل کی تمیز نہیں کر سکتے تھے۔ مشروع امور کی کمی اور بدعت کی زیادتی کے باعث اصلاح مفقود تھی۔ کچھ لوگ فلسفہ کی وادیوں میں بھٹک رہے تھے۔ طبعیات و ریاضیات و اخلاقیات میں سر کھپانے کے بعد الٰہیات کا جو حصہ ان کے ہاتھ آتا تھا اس میں حق سے زیادہ باطل کا حصہ ہوتا تھا اور اس لئے دلوں کو اس سے سکون و منفعت نہیں ملتی تھی۔ فلاسفہ کے مابین اختلاف اور دعوؤں کے لئے دلیل کا فقدان مزید حیرت کا سبب تھا۔

بعثت نبوی سے بعد کا انسان

نبوت محمدی کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی لائی ہوئی ہدایت کے ذریعہ انسانی دنیا کو راستہ دکھایا' اللہ تعالیٰ کی یہ ہدایت امکان تعریف سے بالاتر ہے' اس کے ذریعہ عام مسلمانوں اور بالخصوص علماء امت کو علم و عمل اور اخلاق و کردار کی وہ دولت ملی ہے جس کی برابری دیگر تمام قوموں کی علمی و عملی میراث نہیں کر سکتی۔ اس کے دلائل کی توضیح کا یہ موقع نہیں۔

راہ حق کے مخالف

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اسلام دے کر مبعوث فرمایا' یہی اسلام صراط مستقیم ہے' بندوں پر ہر نماز میں اسی کی طلب فرض ہے۔ یہی انبیاء' صدیقین' شہداء اور صالحین کی راہ ہے' جو لوگ اللہ تعالیٰ کے غضب اور گمراہی کا شکار ہوئے ان کی راہ اس سے الگ ہے۔

امام ترمذی نے حضرت عدی بن حاتم کی ایک طویل حدیث ذکر کی ہے' جس میں نبی ﷺ نے عدی سے پوچھا کہ کیا اللہ کے علاوہ کوئی معبود ہے؟ عدی نے جواب دیا کہ نہیں' آپ ﷺ نے پھر پوچھا کہ کیا اللہ سے بڑا کوئی اور ہے؟ عدی نے جواب دیا کہ نہیں' پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہود پر اللہ کا غضب نازل ہوا اور نصاریٰ گمراہی کا شکار ہو گئے' عدی نے یہ سن کر کہا کہ میں مخلص مسلمان ہوں۔ یہ سن کر نبی ﷺ کا روئے مبارک خوشی سے کھل اٹھا۔ حدیث کے مذکورہ مفہوم کی دلیل درج ذیل آیتوں میں موجود ہے:

یہود کے مغضوب ہونے کا ثبوت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(قل هل انبئكم بشر من ذالك مثوبة عند الله' من لعنه الله و غضب عليه و جعل منهم القردة و الخنازير و عبد الطاغوت)۔ المائدۃ ٦٠

تو ان سے کہہ: میں تم کو اس سے بھی بڑے عیب والے بتاؤں؟ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی تھی اور ان پر غضب اتارا اور ان میں بعض کو بندر اور بعض کو سور بنایا تھا

اور جنہوں نے ماسوائے اللہ کی عبادت کی۔
اس آیت میں یہود کی جانب اشارہ ہے جیسا کہ سیاق کلام سے معلوم ہوتا ہے۔
ایک جگہ ارشاد ہے:

(الم تر الی الذین تولوا قوما غضب اللّٰہ علیہم ماھم منکم ولا منہم) المجادلۃ ۱۴

کیا تم نے ان لوگوں کو دیکھا جنہوں نے اس قوم سے تعلق پیدا کر رکھا ہے جن پر اللہ نے غضب کیا ہے' نہ وہ تم میں سے ہیں نہ ان میں سے۔
اس میں منافقین کی یہود سے دوستی کا ذکر ہے' اس پر مفسرین کا اتفاق ہے۔
ایک آیت میں ارشاد ہے:

(ضربت علیہم الذلۃ اینما ثقفوا الا بحبل من اللّٰہ و حبل من الناس و باء و بغضب من اللّٰہ) آل عمران ۱۱۲

ذلت ان پر غالب کی گئی ہے جہاں پائے جائیں گے' مگر اللہ کی پناہ میں یا لوگوں کی پناہ میں' اللہ کے غضب میں آئے ہوئے ہیں۔
اس آیت میں وضاحت ہے کہ مغضوب یہود ہی ہیں۔

نصاریٰ کی گمراہی

اللہ کا ارشاد ہے:

(لقد کفر الذین قالوا ان اللّٰہ ثالث ثلاثۃ) المائدہ ۷۳

جو لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تین معبودوں میں کا ایک ہے وہ کافر ہیں۔
آگے فرمایا:

(قل یا اھل الکتاب لا تغلوا فی دینکم غیر الحق' ولا تتبعوا اھواء قوم قد ضلوا من قبل و اضلوا کثیرا وضلوا عن سواء السبیل) المائدہ ۷۷

تو کہہ اے کتاب والو دین میں ناحق زیادتی نہ کرو اور اپنے سے پہلے لوگوں کی جو خود بھی گمراہ ہوئے اور بہتوں کو سیدھی راہ سے گمراہ کر گئے' خواہشات پر نہ چلو۔
اس آیت میں نصاریٰ مخاطب ہیں' انہیں حد سے تجاوز کرنے سے روکا گیا ہے۔ سورہ نساء کی آیت (۱۷۱) میں بھی انہیں کو غلو سے روکا گیا ہے اور حق گوئی کا حکم دیا گیا ہے۔

یہود کو مغضوب اور نصاریٰ کو گمراہ قرار دینے کے متعدد ظاہری و باطن اسباب ہیں' یہاں ان کے ذکر کا موقع نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہود کے کفر کی جڑ یہ ہے کہ وہ علم کے بعد بھی عمل نہیں کرتے اور نصاریٰ کی خرابی یہ ہے کہ وہ بغیر علم عمل کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر عبادات گھڑتے ہیں اور لا علمی کی باتیں اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

اسی وجہ سے سلف میں سفیان بن عیینہ وغیرہ کا قول ہے کہ:

ہمارے علماء میں جو بگڑا وہ یہود کے مشابہ ہوا اور عابدوں میں جو بگڑا وہ نصاریٰ کے مشابہ ہوا۔

مسلمانوں میں انحراف کا مصدر

اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہود و نصاریٰ کی پیروی سے روکا ہے لیکن اپنے رسول ﷺ کے ذریعہ اس صورت حال سے آگاہ بھی کیا ہے جو امت میں واقع ہو گی' بخاری و مسلم میں ابو سعید خدری کی حدیث میں مذکور ہے کہ: تم اگلے لوگوں کی پیروی کرو گے' اگر وہ گوہ کے سوراخ میں داخل ہوئے ہوں گے تو تم بھی داخل ہو گے' صحابہ نے پوچھا کہ: یا رسول اللہ آپ کا اشارہ یہود و نصاریٰ کی جانب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: دوسرے کون مراد ہو سکتے ہیں؟

بخاری میں ابوہریرہ کی ایک حدیث میں بھی یہ وضاحت ہے کہ امت محمدیہ میں ایسے لوگ ہوں گے جو یہود' نصاریٰ' ایرانیوں اور رومیوں کی مشابہت اختیار کریں گے۔

نبی ﷺ نے مذکورہ تمام قوموں کی مشابہت سے روکا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ امت کے تمام افراد ان قوموں کی پیروی نہیں کریں گے بلکہ قیامت تک ایک ایسی جماعت کا وجود رہے گا جو حق کی پابند ہو گی۔ پوری امت گمراہی پر متفق نہیں ہو گی' اللہ تعالیٰ ہمیشہ اس دین پر عمل کرنے والوں کو تیار فرماتا رہے گا۔

اس طرح یہ بات واضح ہو گئی کہ امت محمدیہ میں ایک طبقہ دین اسلام کا پابند رہے گا' جبکہ کچھ لوگ یہود کے اور کچھ لوگ نصاریٰ کے پیرو بن جائیں گے۔

مذکورہ انحراف بشریت کے تقاضوں اور شیطان کی گمراہی کے باعث وقوع پذیر ہو گا' اسی لئے اللہ تعالیٰ نے بندوں کو حکم دیا ہے کہ ہمیشہ راہ حق پر استقامت کی دعا کریں جس میں

یہود و نصاریٰ کی گمراہیاں نہ ہوں۔

انحراف کے مظاہر

اہل کتاب اور عجمیوں کی جن خرابیوں میں یہ امت مبتلا ہوئی ہے ان میں سے بعض کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے تاکہ مخلص مسلمانوں کو ان سے اجتناب میں سہولت ہو۔

۱۔ حسد۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(ود کثیر من اہل الکتاب لو یرد ونکم من بعد ایمانکم کفاراحسد ا من عند انفسہم من بعد ماتبین لہم الحق) البقرۃ ۱۰۹

اکثر اہل کتاب حق بات ظاہر ہونے کے بعد محض اپنے حسد سے یہی چاہتے ہیں کہ مسلمان ہونے کے بعد بھی تم کو کافر بنا دیں۔

اس آیت میں مسلمانوں کی ہدایت و علم پر یہود کے حسد کی مذمت ہے۔

بعض مدعیان علم ان علماء پر حسد میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نفع بخش علم اور نیک عمل سے نوازا جاتا ہے۔ یہ ایک بری عادت ہے' اس مقام پر اسے ان لوگوں کے اخلاق میں شمار کیا گیا ہے جن پر اللہ کا غضب نازل ہوا ہے۔

۲۔ کتمان علم۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(ان اللہ لا یحب من کان مختالا فخورا' الذ ین یبخلون و یامرون الناس بالبخل ویکتمون ما اتاھم اللہ من فضلہ) النساء ۳۶' ۳۷

بے شک اللہ متکبروں اور اترانے والوں سے محبت نہیں کرتا' جو لوگ بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخل کرنا بتاتے ہیں اور اللہ کے دیئے ہوئے فضل کو چھپاتے ہیں۔

یہاں پر علم اور مال دونوں کے بخل کا ذکر ہے لیکن علم کا بخل ہی اصل مقصود ہے' یہود کو دوسری آیتوں میں بھی کتمان علم کا مرتکب بتایا گیا ہے۔

ایک جگہ ارشاد ہے

(ان الذ ین یکتمون ما انزل اللہ من الکتاب ویشترون بہ ثمنا قلیلا' اولئک ما یاکلون فی بطونہم الا النار) البقرۃ ۱۷۴

بیشک جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی کتاب چھپاتے ہیں اور اس کے عوض میں کسی قدر مال لیتے ہیں وہ آگ ہی اپنے پیٹ میں ڈال رہے ہیں۔

سورۃ بقرہ ہی کی آیت (۷۶) میں فرمایا : اور جب مسلمانوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لا چکے ہیں اور جب ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ کیا ان مسلمانوں کو وہ راز بتلاتے ہو جو اللہ نے تم ہی کو بتلائے ہیں؟ تاکہ وہ تم سے اللہ کے سامنے جھگڑا کریں' کیا تم سمجھتے نہیں ہو۔

یہاں پر مغضوبین کو کتمان علم کا مرتکب بتایا ہے اور اس کا سبب بھی واضح کیا ہے' یعنی بخل' طلب دنیا اور اپنے خلاف دلیل کی فراہمی۔

مدعیان علم جب اس مرض میں مبتلا ہوتے ہیں تو ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان کا علم دوسروں کو نہ ملے' اپنے علم سے وہ جاہ و منصب حاصل کریں اور مخالفین کو ان کے مفید مطلب دلائل سے بے خبر رکھیں۔

امام عبدالرحمٰن بن سدی وغیرہ کا قول ہے کہ : اہل علم اپنے موافق و مخالف ہر چیز کو لکھتے ہیں لیکن اہل ھویٰ صرف اپنے موافق باتیں لکھتے ہیں۔

۳۔ تعصب۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

(واذا قیل لھم امنو ابما انزل اللّٰہ قالو نومن بما انزل علینا' ویکفرون بما وراہ وھوالحق مصد قا لما معھم) البقرۃ ۹۱

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی اتاری ہوئی کتاب پر ایمان لاؤ تو کہتے ہیں کہ ہم تو اسی کو مانیں گے جو ہماری طرف اتری ہے اور جو اس کے سوا ہے اس کا انکار کرتے ہیں حالانکہ وہ بالکل حق ہے اور ان کی کتاب کی تصدیق کرتی ہے۔

اس آیت میں یہود کی یہ صفت بتائی گئی ہے کہ داعی حق کے ظہور سے پہلے سے انہیں حق کا علم ہے' لیکن داعی کا تعلق ان کی ناپسندیدہ جماعت سے ہے اس لئے حق کو ماننے سے انکار کر دیا' حالانکہ اس طرح خود اپنے اصولوں کی مخالفت کی۔

فقہاء اور صوفیاء وغیرہ کی کسی مخصوص جماعت سے تعلق رکھنے والے مدعیان علم بھی اس مرض میں مبتلا ہیں' ان کو نبی ﷺ کے مقابلہ میں اپنی جماعت کا خیال رہتا ہے' جب تک کوئی قول یا روایت اپنی جماعت کی طرف سے نہ ملے اسے قبول نہیں کرتے' حالانکہ حق کو تبدیل کرنے کے لئے اسلام نے نبی ﷺ کے علاوہ کسی اور کی طرف دیکھنے سے منع کیا ہے۔

۴۔ تحریف اور باطل سے استدلال۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

(من الذین ھادوا یحرفون الکلم عن مواضعه) النساء ۴۶

بعض یہودی اللہ کے کلام کو بھی موقع کی مناسبت سے بدل ڈالتے ہیں۔

سورہ آل عمران کی آیت (۷۸) میں یہود ہی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ: "کتاب پڑھتے ہوئے زبان موڑ لیتے ہیں تاکہ باہر کی چیز کو تم کتاب سمجھو۔

تحریف میں لفظ اور مفہوم دونوں کی تحریف داخل ہے۔

معنوی تحریف کے مرتکب اس امت کے بہت سے طبقے ہوئے ہیں اور بہتوں نے لفظی تحریف کا بھی ارتکاب کیا ہے' رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے الفاظ کی تبدیلی اور منکر روایات کی روایت اسی کا نمونہ ہے جس کی نشاندہی فن حدیث کے ماہر علماء نے کی ہے۔ آل عمران کی آیت (۷۸) میں زبان کو مڑورنے کا ذکر ہے۔ وضع حدیث کا مرض اسی نوعیت کا ہے' باطل عقائد و اعمال کے لئے استدلال بھی اسی میں داخل ہے۔ یہود کی اس روش کا تذکرہ اور اس کی مذمت قرآن و حدیث میں بیشتر مقامات پر وارد ہے' امت میں اس کی مثالوں کو سمجھنے کے لئے نور ایمان کی ضرورت ہے۔

۵۔ دین میں غلو۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

(یا اھل الکتاب لا تغلوا فی دینکم ولا تقولوا علی اللّٰه الا الحق' انما المسیح عیسٰی بن مریم رسول اللّٰه وکلمته القاھاالی مریم) النساء ۱۷۱

اے کتاب والو! اپنے مذہب میں حد سے نہ نکلو اور سوائے سچی بات کے اللہ کے ذمہ مت لگایا کرو' عیسٰی بن مریم صرف اللہ کا رسول اور اس کے کلمہ بشارت کا ظہور ہے جو مریم پر القاء کیا گیا تھا۔

سورہ مائدہ کی آیت (۷۷) میں بھی دین میں غلو اور خواہشات کی پیروی سے روکا گیا ہے۔

عابدوں اور صوفیوں کی مختلف جماعتوں میں انبیاء و صالحین کے سلسلہ میں غلو کا ذکر ہے' اکثر نے حلول و اتحاد کی بدعت سے متاثر ہو کر یہود و نصاریٰ کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے۔

۶۔ حرمت و حلت میں علماء کی پیروی۔ اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے:

(اتخذو احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللّٰه والمسیح بن مریم) التوبتہ ۳۱

انہوں نے اپنے پادریوں' درویشوں اور مسیح ابن مریم کو اللہ کے علاوہ معبود بنا رکھا

ہے۔

صحابی رسول ﷺ عدی بن حاتم نے آیت کی تفسیر میں بتایا کہ حرام کو وہ حلال اور حلال کو حرام ٹھہرا دیتے تھے اور لوگ ان کی بات تسلیم کر لیتے اور عمل کرتے تھے۔

عابدوں کے بہت سے پیرو ان کی تعظیم میں آج بھی ان کا ہر حکم حلال و حرام کی تمیز کے بغیر مانتے ہیں۔

۷۔ رہبانیت۔ ارشاد ہے :

(**ورھبانیة ابتدعوھا ماکتبنٰھا علیھم الا ابتغاء رضوان اللّٰہ**) الحدید ۲۷

اور انہوں نے رہبانیت اختیار کر لی جس کا ہم نے ان کو حکم نہ دیا تھا مگر انہوں نے اللہ کی رضامندی حاصل کرنے کو اسے اختیار کیا۔

آج مسلمانوں کی ایک ٹولی بھی اس مرض کا شکار ہے۔

۸۔ انبیاء و صلحاء کی قبروں پر مساجد کی تعمیر۔ ارشاد ہے :

(**قال الذین غلبوا علی امرھم لنتخذن علیھم مسجدا**) الکھف ۲۱

جو لوگ اپنے کام پر غالب تھے انہوں نے کہا ہم تو ان پر ایک مسجد بنا دیں گے۔

انبیاء و صلحاء کی قبروں پر مساجد کی تعمیر کا مرض یہود و نصاریٰ دونوں میں عام ہے۔ نبی ﷺ نے متعدد احادیث میں امت کو اس فعل قبیح و حرام سے منع فرمایا ہے' لیکن امت میں یہ مرض آج بھی موجود ہے۔

۹۔ حق کا انکار۔ ارشاد ہے :

(**وقالت الیھود لیست النصارٰی علی شیء' وقالت النصارٰی لیست الیھود علی شیء**) البقرہ ۱۱۳

یہود کہیں کہ نصرانیوں کا کچھ ٹھیک نہیں اور نصاریٰ کہیں کہ یہودیوں کا کچھ ٹھیک نہیں۔

اس آیت میں ذکر ہے کہ ہر قوم دوسری قوم کے مذہب کی منکر ہے۔ آج فقہاء کا گروہ صوفیوں اور عابدوں کو کچھ نہیں سمجھتا' بلکہ انہیں جاہل و گمراہ بتاتا ہے اور ان کی طریقت کو علم و ہدایت سے عاری سمجھتا ہے۔ اسی طرح صوفیاء اور درویشوں کی اکثریت شریعت کے علم کو کچھ نہیں سمجھتی' بلکہ یہ تصور رکھتی ہے کہ شریعت کا پابند اللہ سے دور ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ کتاب و سنت کے مطابق جہاں بھی کوئی بات ہے وہی حق اور

باعث نجات ہے' بقیہ سب باتیں باطل ہیں۔

۱۰۔ ایرانیوں اور رومیوں کی ریت پر چلنا۔ رومی و ایرانی قوموں کی بہت سی باتیں اس امت میں آ گئی ہیں۔ اسلام کو سمجھنے والے اسے جانتے ہیں۔

امت میں غضب الٰہی اور گمراہی کا شکار قوموں کے ساتھ مشابہت کے جو کام رونما ہوئے ہیں ان کی تفصیل کا یہ موقع نہیں' یہاں صرف یہ بتانا ہے کہ بندہ کو صراط مستقیم کی جانب رہنمائی اور اس سے انحراف کی صورتوں کو جاننے کی کس قدر ضرورت ہے۔

صراط مستقیم کا مضمون

صراط مستقیم سے قلب کے باطنی امور مراد ہوتے ہیں۔ مثلاً عقیدہ و ارادہ وغیرہ۔ اور ایسے ظاہری امور بھی مراد ہوتے ہیں جن کا تعلق اقوال و افعال سے ہوتا ہے' اس میں عبادات و عادات دونوں داخل ہیں' عادات میں کھانا پینا' شادی بیاہ اور سفر و اقامت وغیرہ اعمال شامل ہیں۔

ان باطنی و ظاہری امور کے مابین ایک تعلق اور مناسبت ہوتی ہے' چنانچہ دل میں جو احساس و احوال پیدا ہوتے ہیں ان کے مطابق ظاہر میں اقوال و اعمال رونما ہوتے ہیں اور اسی طرح ظاہری اعمال کے مطابق دل میں احساس و احوال پیدا ہوتے ہیں۔

اہل جہنم کی مخالفت کا فلسفہ

اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو حکمت دے کر بھیجا ہے' جسے سنت و شریعت سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ شریعت کے وہ اعمال و اقوال جن سے مغضوب و گمراہ لوگوں کی مخالفت ہوتی ہے۔ اسی حکمت سے تعلق رکھتے ہیں' اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ظاہری روش میں بھی ان کی مخالفت کا حکم فرمایا ہے' خواہ بہتوں کو اس میں کوئی خرابی نہ نظر آئے اور اس کی حکمت درج ذیل ہے:

○ ظاہری روش میں مشارکت سے دونوں کے مابین ایک طرح کی مناسبت و ہم آہنگی پیدا ہو جاتی ہے جس سے اخلاق و اعمال میں یکسانیت واقع ہوتی ہے' ایک شخص اگر علماء کا یا فوجیوں کا لباس پہن لیتا ہے تو اس کو ان سے یک گونہ قربت کا احساس ہوتا ہے اور وہ انہیں کے مطابق عمل کی کوشش کرتا ہے۔

○ اسی طرح ظاہری روش میں مخالفت سے دوری اور غضب و گمراہی کے اسباب سے بے تعلقی پیدا ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمانبردار اور نافرمان بندوں کے مابین دوستی کے خاتمہ کا جو حکم فرمایا ہے۔ اس کا عملی اظہار ہوتا ہے۔

اگر دل میں زندگی اور اسے اسلام کی صحیح واقفیت ہو تو وہ یہود و نصاریٰ اور ان کی روش سے زیادہ شدت کے ساتھ بچے گا۔

○ ظاہر میں یہود و نصاریٰ کی مشابہت سے انسان ان کے ساتھ اس طرح مل جاتا ہے کہ حق پرستوں اور گمراہوں کے مابین تمیز مشکل ہو جاتی ہے۔

ظاہری روش میں ان حکمتوں کا سوال صرف اس صورت میں پیدا ہو گا جبکہ یہ روش جائز ہو، لیکن اگر اس کا تعلق کفر سے ہو گا تو اس میں ان کی مشابہت بھی کفر ہو گی۔ اس قاعدہ پر توجہ ضروری ہے۔

پہلا باب

کفار کی مشابہت سے ممانعت کا عمومی قاعدہ

جس مخصوص مسئلہ پر ہمیں اظہار خیال کرنا ہے اس کا تعلق ایک عام قاعدہ سے ہے۔ اس لئے ہم کتاب و سنت اور اجماع کی ان دلیلوں کا تذکرہ کریں گے جس میں کسی نہ کسی طرح کفار کی مخالفت کا حکم اور ان کی مشابہت کی ممانعت ہے۔ پھر خصوصیت کے ساتھ میلوں اور تہواروں میں ان کی مشابہت سے بچنے کے دلائل کا تذکرہ ہو گا۔

ایک ضابطہ

کسی فرد یا گروہ کی مخالفت یا موافقت کبھی تو اس لئے ہوتی ہے کہ اس موافقت یا مخالفت میں بندہ کی مصلحت ہوتی ہے۔

اسی طرح ان کی مخالفت کا قصد بھی کبھی کبھی مصلحت پر مبنی ہوتا ہے۔ اس کی توضیح یہ ہے کہ اس عمل میں بندے کا کوئی فائدہ یا نقصان ہوتا ہے لیکن اگر وہ عمل موافقت یا مخالفت کے مفہوم سے علیحدہ ہو جائے تو اس نفع یا نقصان کا وجود باقی نہ رہے گا' اسی لئے ہمیں نبی ﷺ اور صدر اول کے مسلمانوں کے ان کاموں میں اتباع سے فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ جنہیں اگر انہوں نے کیا نہ ہوتا تو ان میں ممکن ہے کہ کوئی مصلحت نہ ہوتی۔

ہمیں ان کی پیروی سے اس طرح فائدہ ہوتا ہے کہ اس سے ہمارے دلوں میں ان کی محبت پیدا ہوتی ہے۔ جس کے نتیجے میں ہم ان کی موافقت کے لئے آمادہ ہوتے ہیں۔

اسی طرح ہمیں بہت سے ایسے کاموں میں کفار کی پیروی سے نقصان بھی پہنچ سکتا ہے کہ اگر وہ لوگ ان کاموں کو انجام نہ دیتے تو ہمیں کسی طرح کا نقصان نہ ہوتا۔ کسی کام میں موافقت اور مخالفت کا حکم کبھی تو اس لئے ہوتا ہے کہ اس کام میں کوئی نفع یا نقصان ہوتا ہے خواہ اسے بندے انجام نہ دیں اس چیز کو موافقت اور مخالفت سے از راہ تعارف تعبیر کیا

جاتا ہے۔ اس کے اندر موافقت نقصان کی دلیل بنتی ہے اور مخالفت نفع کی۔ اور اس صورت میں موافقت اور مخالفت کا اعتبار قیاس دلالت سمجھا جائے گا اور پہلی صورت میں وہ قیاس علت کے قبیل سے ہو گا۔

کبھی دونوں چیزیں اکٹھا ہو سکتی ہیں یعنی وہ حکمت جو اس عمل سے جس میں موافقت یا مخالفت واقع ہوئی ہے پیدا ہوتی ہے یا اس میں محض شرکت سے کہ جس موافقت کا حکم دیا گیا ہے اور جس مخالفت سے روکا گیا ہے ان دونوں پر یہی صورت غالب ہے اس کا مفہوم اس لئے سمجھنا ضروری ہے کہ اس کی مدد سے اس ممانعت کا مفہوم سمجھا جا سکتا ہے جو ان کی پیروی کے سلسلے میں وارد ہوئی ہے۔

ا۔ کفار و مشرکین کی مخالفت کے قرآنی دلائل

ا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(ولقد اتینا بنی اسرائیل الکتاب و الحکم و النبوۃ ورزقناھم من الطیبات و فضلنا ھم علی العالمین' واتیناھم بینات من الامر فما اختلفوا الامن بعد ما جاء ھم العلم بغیا بینھم' ان ربک یقضی بینھم یوم القیامۃ فیما کانوا فیہ یختلفون' ثم جعلناک علی شریعتہ من الامر فاتبعھا ولا تتبع' اھواء الذ ین لا یعلمون' انھم لن یغنوا عنک من اللہ شیا' وان الظالمین بعضھم اولیاء بعض' واللہ ولی المتقین) الجاثیہ ۱۶۔۱۹

اور بنی اسرائیل کو ہم نے کتاب دی اور حکومت و نبوت عطا کی' اور ان کو عمدہ عمدہ چیزیں کھانے کو دیں' اور جہان کے لوگوں پر ان کو فضیلت دی' اور ان کو دین کے کھلے کھلے احکام دیئے' پھر علم آ جانے کے بعد وہ لوگ محض آپس کے حسد کی وجہ سے مختلف ہوئے' تمہارا پروردگار قیامت کے دن ان کے اختلافات کا فیصلہ کرے گا' پھر ہم نے تجھ کو دین کی راہ پر لگایا ہے' پس تو اس کی پیروی کرنا اور جو لوگ کچھ نہیں جانتے ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرنا' کیونکہ اللہ کی پکڑ پر وہ تجھے کچھ بھی فائدہ نہ دیں گے اور بیشک ظالم ایک دوسرے کے حمائتی ہیں' اور اللہ پرہیز گاروں کا والی ہے۔

ان آیات میں بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور علم کے بعد ان کے اختلاف کا ذکر ہے۔ پھر شریعت محمدی اور اس کی پیروی کا حکم ہے اور اس شریعت کے مخالفین کی پیروی

سے روکا لیا ہے۔ آیت میں خواہشات (اھواء) کے لفظ سے ان کی ظاہری روش اور باطل مذہب کی وہ باتیں مراد ہیں جن کی دوسروں سے وہ پیروی کرانا چاہتے ہیں۔

سورہ رعد کی آیت (۳۷) میں ذکر ہے کہ : اگر علم حاصل ہونے کے بعد تو ان کی خواہشات پر چلا تو اللہ کے نزدیک تیرا کوئی دوست اور بچانے والا نہ ہو گا۔ اس آیت میں قرآن کا انکار کرنے والے تمام لوگوں کی خواہشات کی پیروی پر مذکورہ وعید سنائی گئی ہے۔ خواہ وہ یہودی ہوں یا نصرانی یا دوسرے۔

آیت میں ان کے جس اتباع کا ذکر ہے اس کا تعلق ان کے دین اور اس کے ماتحت تمام چیزوں سے ہے اور یہی ان کی خواہشات کی پیروی ہے۔ بلکہ یہ صورت کبھی کبھی اس سے چھوٹے کام میں بھی پیدا ہو جاتی ہے۔

سورہ بقرہ کی آیت (۱۲۰) میں بھی یہود و نصاریٰ کی باطل روش کا ذکر کرکے ان کی پیروی پر وعید مذکور ہے۔ اس آیت میں ملت اور اھواء کے دونوں الفاظ مذکور ہیں' یہود و نصاریٰ یہ چاہتے ہیں کہ دوسرے لوگ ان کے مذہب کی پیروی کریں اور قرآن کریم ان کی خواہشات نفس کی پیروی سے روک رہا ہے اور یہ متعین ہے کہ بعض دینی معاملات میں ان کی پیروی کا انجام ان کی خواہشات ہی کی پیروی کی شکل میں ظاہر ہو گا۔ کیونکہ انہوں نے شریعت میں تحریف کا ارتکاب کیا ہے۔

سورہ بقرہ کی آیات (۱۴۵۔ ۱۵۰) میں تحویل قبلہ پر اہل کتاب کے رد عمل اور نبی ﷺ کے ساتھ ان کے رویہ کا ذکر ہے' پھر یہ حکم ہے کہ تمام مسلمان مسجد حرام کو اپنا قبلہ بنا لیں تاکہ لوگوں کو جھگڑنے کا موقع نہ رہے۔

علماء سلف نے لکھا ہے کہ مسجد حرام کو قبلہ نہ بنانے کی صورت میں یہود یہ کہہ سکتے تھے کہ جس طرح مسلمان قبلہ کے معاملہ میں ہمارے ساتھ ہیں اس طرح عنقریب تمام دینی معاملات میں ہمارے ساتھ ہو جائیں گے۔ آخری آیت میں **الا الذین ظلموا منہم** سے قریش کی طرف اشارہ ہے جو کہتے تھے کہ مسلمان ہمارے قبلہ پر آ گئے' اسی طرح ہمارے دین کو بھی قبول کر لیں گے۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا کہ تبدیلی قبلہ سے دینی امور میں کفار کی مخالفت مطلوب ہے تاکہ انہیں یہ امید نہ رہے کہ مسلمان باطل پرستی میں ان کا ساتھ دیں گے اور

یہ مفہوم جملہ معاملات سے متعلق ہے کیونکہ جس معاملہ میں بھی کفار کی اتباع ہو گی وہ یہود کی طرح اس سے غلط استدلال کریں گے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(ولا تكونوا كالذين تفرقوا واختلفوا من بعد ما جاءهم البينات) آل عمران ۱۰۵

اور ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جو آپس میں پھوٹ پڑے اور احکام پہنچنے کے بعد مختلف ہو گئے۔

اس آیت میں یہود و نصاریٰ کا ذکر ہے جن کے فرقوں کی تعداد ستر سے زائد ہو گئی تھی، نبی ﷺ کو اس طرح کے تفرق و اختلاف سے روکا گیا ہے، باوجود یہ کہ آپ ﷺ کی پیشین گوئی ہے کہ میری امت تہتر فرقوں میں منقسم ہو گی۔

اس طرح کے احکام سے واضح ہے کہ اہل کتاب کی مخالفت ایک مشروع امر ہے، ہمارے لئے جو کام مشروع نہیں ہیں ان میں اگر ہم ان کی مشابہت سے بچیں گے تو جس مشابہت سے روکا گیا ہے اس سے بچنا آسان ہو گا۔

۳۔ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے لئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(فاستقيما ولا تتبعان سبيل الذين لا يعلمون) یونس ۸۹

پس تم دونوں مضبوط رہنا اور جاہلوں کی راہ پر نہ چلنا۔

سورہ اعراف کی آیت ۱۴۲ میں فرمایا:

موسیٰ اپنے بھائی ہارون سے کہہ گیا تھا کہ میری قوم میں میری نیابت کرنا اور اصلاح کرتے رہنا اور مفسدوں کی راہ پر نہ چلنا۔

سورہ نساء کی آیت ۱۱۵ میں ارشاد ہے:

اور جو شخص ہدایت معلوم ہونے کے بعد رسول ﷺ کی نا فرمانی کرے گا اور مومنوں سے مختلف راہ اختیار کرے گا ہم اسے اس کے رخ کی طرف پھیر دیں گے اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے۔

سبیل کے اندر کفار و مشرکین کے تمام اعمال داخل ہیں اور نہی کے عموم سے اگر کسی عمل کو خارج بھی کیا جائے تو اس کی جنس کے لئے "نہی" ثابت ہے اور ایسی صورت میں

اس طرح کے تمام اعمال سے بچنا "نہی" کی پیروی کی زیادہ مکمل صورت ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

(وانزلنا الیک الکتاب بالحق مصدقا لما بین یدیه من الکتاب ومہیمنا علیه' فاحکم بینہم بما انزل اللّٰہ ولا تتبع اھواء ھم عما جاء ک من الحق' لکل جعلنا منکم شرعة و منہا جا ولو شاء اللّٰہ لجعلکم امة واحدة ولکن لیبلوکم فیما اتاکم فاستبقوا الخیرات' الی اللّٰہ مرجعکم جمیعا فینبئکم بما کنتم فیه تختلفون' وان احکم بینہم بما انزل اللّٰہ ولا تتبع اھواء ھم واحذ رھم ان یفتنوک عن بعض ما انزل اللّٰہ الیک) المائدۃ ۴۸۔ ۴۹

اور ہم نے تیری طرف سچی کتاب اتاری ہے۔ جو اپنے سے پہلی کتاب کی تصدیق کرتی ہے اور اس پر نگہبان ہے' پس تو ان میں اللہ کے اتارے ہوئے حکموں سے فیصلہ کرنا اور جو تیرے پاس سچی تعلیم آئی ہے اسے چھوڑ کر ان کی خواہشات کے پیچھے نہ ہونا ہم نے تم میں سے ہر ایک کو شریعت اور مذہب بتلایا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک جماعت کر دیتا لیکن وہ جبر نہیں کرتا۔ تاکہ تم کو تمہارے دیئے ہوئے اختیارات میں آزمائے' پس تم نیک کاموں کو لپکنا' تم سب کو اللہ ہی کی طرف پھر کر جانا ہے' وہ تم کو تمہارے اختلافی امور سے خبر دے گا اور تو ان میں اللہ کے اتارے ہوئے قرآن سے حکم کرنا اور ان کی خواہشات پر نہ چلنا اور ان سے بچتے رہنا' کہیں کسی حکم سے جسے اللہ نے تیری طرف اتارا ہے تجھے بھٹکا نہ دیں۔

طور طریقہ میں ان کی پیروی ہی ان کی خواہشات کی پیروی ہے' اگر اس میں ان کی مخالفت کی جائے تو خواہشات کی پیروی کا اندیشہ بھی ختم ہو جائے گا۔

قرآن کریم میں کافر قوموں کی مشابہت سے بہت سی جگہ روکا گیا ہے۔ ان کے ساتھ جو واقعات پیش آئے ہیں انہیں بھی ہماری عبرت کے لئے ذکر کیا ہے۔

عام معاملات میں کفار کی مخالفت ہمارے حق میں مفید ہے اس کا ثبوت گذشتہ آیات سے ملتا ہے اور بعض آیتوں میں اس مخالفت کو واجب بتایا گیا ہے جن آیات کو ہم نے ذکر کیا ہے ان سے اجمالی طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ کفار کی مخالفت شریعت کا حکم ہے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

(المنا فقون والمنافقات بعضہم من بعض' یامرون بالمنکر وینہون عن المعروف ویقبضون اید یھم' نسوا اللّٰہ فنسیہم' ان المنافقین ہم الفاسقون' وعد اللّٰہ المنافقین والمنافقات والکفار نارجہنم خالد ین فیہا ھی حسبہم ولعنہم اللّٰہ ولہم عذاب مقیم' کالذ ین من قبلکم کانوا اشد منکم قوۃ و اکثر اموالا و اولاد ا فاستمتعوا نجلاقعم فاستمتعتم بخلاقکم' کما استمتع الذ ین من قبلکم بخلاقہم' وخضتم کالذی خاضوا' اولئک حبطت اعمالہم فی الد نیا والاخرۃ واولئک ہم الخاسرون' الم یاتہم نباقکم الذ ین من قبلہم' قوم نوح وعاد وثمود و قوم ابراہیم و اصحاب مد ین و الموتفکات' اتتہم رسلہم بالبینات فما کان اللّٰہ لیظلمہم ولکن کانوا انفسہم یظلمون' والمومنون والمومنات بعضہم اولیاء بعض' یامرون بالمعروف و ینہون عن المنکر ویقیمون الصلاۃ و یوتون الزکاۃ و یطیعون اللّٰہ ورسولہ' اولئک سیر حمہم اللّٰہ' ان اللّٰہ عزیز حکیم' وعد اللّٰہ المومنین و المومنات جنات تجری من تحتہا الانہار خالد ین فیہا و مساکن طیبۃ فی جنات عد ن و رضوان من اللّٰہ اکبر' ذ لک ہوالفوز العظیم' یا ایہا النبی جاھد الکفار و المنافقین واغلظ علیہم وماو اھم جہنم وبئس المصیر) (توبہ ۶۷-۷۳)

منافق مرد اور عورتیں ایک دوسرے کے ہم جنس ہیں' برے کاموں کا حکم کرتے ہیں اور بھلے کاموں سے منع کرتے ہیں' ہاتھوں کو روکتے ہیں' اللہ کو بھول گئے پس اللہ بھی ان کو بھول چکا ہے' منافق ہی بدکار ہیں' اللہ نے منافق مردوں' عورتوں اور کافروں کے لئے جہنم کی آگ کا وعدہ کیا ہے جس میں یہ ہمیشہ رہیں گے' وہی ان کو بس ہے اور اللہ نے ان پر لعنت کی ہے اور ان پر دائمی عذاب ہے' تم بھی پہلے لوگوں کی طرح کافر ہو جو تم سے کہیں بڑھ کر زور آور اور مال اور اولاد میں تم سے زیادہ تھے' پھر انہوں نے اپنی قسمت کا فائدہ پایا' سو تم نے اپنی قسمت کا فائدہ پایا جیسا تم سے پہلے لوگوں نے اپنی قسمت سے فائدہ اٹھایا اور تم بھی اسی طرح بیہودہ گوئی میں لگے جیسے وہ لگے تھے' ان لوگوں کے نیک عمل دنیا و آخرت

میں ضائع ہو چکے ہیں' یہی لوگ نقصان والے ہیں' کیا ان کو پہلے لوگوں کی ہلاکت اور تباہی کی خبریں نہیں آئیں' یعنی قوم نوح اور عاد اور ثمود اور قوم ابراہیم اور مدین والوں اور الٹی ہوئی بستیوں کی' ان کے پاس کھلے نشان لے کر ان کے رسول آئے تھے' پس اللہ تو ان پر ظلم کا ارادہ نہیں رکھتا تھا لیکن وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے اور مومن مرد اور عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ہیں' بھلے کاموں کا حکم کرتے ہیں اور برے کاموں سے روکتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں اور اللہ و رسول کی فرمانبرداری کرتے ہیں' انہی پر اللہ رحم کرے گا' بے شک اللہ بڑا غالب بڑی حکمت والا ہے' مومن مرد اور مومن عورتوں سے اللہ نے جنت دینے کا وعدہ کیا ہے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں' ہمیشہ ان میں رہیں گے اور دائمی جنتوں میں عمدہ عمدہ مکانوں کا وعدہ ہے اور اللہ کی خوشی بڑی چیز ہے' یہی بڑی کامیابی ہے اے نبی کافروں اور منافقوں سے مقابلہ کیا کر اور ان کے مقابلہ میں مضبوط رہا کر اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بہت بری جگہ ہے۔

ان آیات میں منافقوں اور مومنوں کی صفات کا ذکر ہے یہ دونوں فریق اسلام کا اظہار کرنے والے ہیں لیکن منافقین اور کفار کو جہنم کی وعید سنائی گئی ہے اور نبی ﷺ کو دونوں سے جہاد کا حکم دیا گیا ہے۔

تین قسم کے لوگ

بعثت کے بعد نبی ﷺ کی مدینہ ہجرت کے وقت ہی سے تین قسم کے لوگ موجود ہیں: مومن' منافق اور کافر۔

کافر کا معاملہ واضح رہتا ہے اس مقام پر منافقین کی ان صفات پر اظہار خیال مطلوب ہے جن کا ذکر قرآن و حدیث میں آیا ہے اور جن سے مسلمانوں کے سلسلہ میں خوف ہے منافقین کا ایک وصف اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ (**بعضہم من بعض**) اور مومنوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ (**بعضہم اولیاء بعض**) تعبیر کا یہ فرق اس لئے ہے کہ منافقوں کے دل اور عمل ملتے جلتے ہیں لیکن اس کے باوجود ان کے بارے میں ارشاد ہے کہ (**تحسبہم جمیعا وقلوبہم شتی**) تم ان کو یکجا جانتے ہو حالانکہ ان کے دل جدا جدا ہیں (الحشر ۱۴) یعنی ان کے دلوں میں الفت نہیں ہے' جب تک کوئی مشترکہ مفاد موجود رہتا

ہے باہم قریب رہتے ہیں' پھر ایک دوسرے سے دور ہو جاتے ہیں لیکن مومن کا یہ حال ہوتا ہے کہ وطن اور وقت کی دوری کے باوجود وہ پس پشت ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔

دینی عمل کے اقسام

انسان کے دینی اعمال کو تین قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

اول وہ جس کا تعلق خود عامل سے ہو دوسروں سے نہیں مثلاً نماز۔

دوم وہ جس میں دوسرے کا بھی فائدہ ہو مثلاً زکوٰۃ۔

سوم وہ جس میں وہ دوسروں کو حکم دے۔

اللہ تعالیٰ نے منافقین کے سلسلہ میں فرمایا کہ وہ برائی کا حکم دیتے ہیں اور بھلائی سے روکتے ہیں اور مومنوں کے سلسلہ میں فرمایا کہ وہ بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔

آیت میں معروف و منکر کا لفظ آیا ہے' معروف سے ایمان اور عمل صالح کی وہ تمام صورتیں مراد ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے اور منکر سے وہ تمام اعمال مراد ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔

منافقین کی ایک صفت یہ بتائی گئی ہے کہ وہ اپنا ہاتھ بند رکھتے ہیں۔ امام مجاہد رحمہ اللہ نے اس کی وضاحت میں یوں کہا ہے کہ راہ حق میں خرچ کرنے سے ہاتھوں کو روکتے ہیں اور امام قتادہ نے کہا ہے کہ ہر نیک کام سے ہاتھ روکتے ہیں' دونوں صورتوں میں ان کا بخل ثابت ہوتا ہے۔

اس کے بالمقابل مومن کی صفت یہ بتائی گئی ہے کہ وہ زکوۃ دیتا ہے' زکوۃ ایک مخصوص فریضہ کا نام ہے لیکن اس سے ہر نفع بخش کام بھی مراد ہوتا ہے۔

منافق کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ اللہ کا ذکر نہیں کرتا اور مومن کی بابت فرمایا کہ وہ نماز پڑھتا ہے اور اللہ کا ذکر کرتا ہے۔

مذکورہ آیت میں منافقین کے لئے مستقل عذاب کی وعید ہے اس سے اخروی عذاب کے علاوہ نفسیاتی الجھن' رنج و غم' دل کی ظلمت و سختی اور جہالت وغیرہ بھی مراد ہے اور اسی وجہ سے دیکھا جاتا ہے کہ بدکار لوگ ان الجھنوں کو دور کرنے کے لئے منشیات کا استعمال

کرتے ہیں اور رقص و سرود سے دلوں کو بہلانے کی کوشش کرتے ہیں۔
اس کے برعکس اللہ نے مومنوں کے لئے رحم کا وعدہ فرمایا ہے جس کے نتیجہ میں انہیں ایمان اور نیک عمل کی ایسی مسرت اور اطمینان حاصل رہتا ہے جسے الفاظ کے ذریعہ بیان کرنا مشکل ہے۔

دین کا بگاڑ

مذکورہ آیت میں استماع بالخلاق (قسمت سے فائدہ اٹھانا) اور خوض (بیہودہ گوئی) دونوں کا ذکر ہے اور دین کی خرابی یا تو باطل عقیدہ اور اس کی گفتگو سے ہوتی ہے یا صحیح عقیدہ کے خلاف عمل سے۔
پہلی صورت بدعت ہے اور دوسری فسق۔ اور پہلی میں شبہ کا دخل ہوتا ہے اور دوسری میں خواہش کا۔
اسی لئے علماء سلف کہتے تھے کہ: دو طرح کے لوگوں سے بچو' ایک وہ جو خواہشات نفس میں گرفتار ہو اور دوسرا وہ جسے دنیا کی حرص نے اندھا بنا دیا ہو۔
ان کا یہ بھی قول ہے کہ: فاجر عالم اور جاہل عابد کے فتنہ سے پرہیز کرو کیونکہ ان کا فتنہ سب پر اثر انداز ہوتا ہے۔ ایسا عالم مغضوب لوگوں کے مشابہ ہے جو حق کو جان کر عمل نہیں کرتے اور ایسا عابد ان گمراہوں کے مشابہ ہے جو بغیر جانے عمل کرتے ہیں۔
بعض علماء نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی توصیف میں لکھا ہے کہ: اللہ ان پر رحم فرمائے' دنیا سے علیحدگی پر بے حد صابر اور سلف کے بے حد مشابہ تھے' بدعات جب پاس آئیں تو انہیں دور کر دیا اور دنیا پاس آئی تو اسے دھتکار دیا۔
سورہ سجدہ کی آیت (۲۴) میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے ائمہ کا وصف صبر اور یقین بتایا ہے' صبر سے خواہشات کو چھوڑنے اور یقین سے شبہات کو دور کرنے میں مدد ملتی ہے۔
نافرمان لوگ خواہشات کی پیروی کا شکار ہوتے ہیں اور اہل بدعت شبہات کے پیچھے دوڑتے ہیں اور بسا اوقات یہ دونوں خرابیاں ساتھ ہو جاتی ہیں اکثر فاسد عقیدہ والے لوگوں کے اعمال میں بگاڑ دیکھا جا سکتا ہے۔
مذکورہ آیت میں استماع اور خوض دونوں کے مرتکب افراد کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا

فیصلہ ہے کہ ان کے تمام اعمال باطل ہیں اور انہیں خسارہ کا سامنا کرنا ہو گا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ اس امت میں بھی دنیا سے بہرہ اندوز ہونے والے اور بیہودہ گوئی کا ارتکاب کرنے والے لوگ ہوں گے ایسے لوگوں کو گزشتہ لوگوں کے برے انجام سے عبرت حاصل کرنا چاہیے۔ جن کا تذکرہ بعد کی آیت میں کیا گیا ہے۔ بعد کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار اور منافقین سے جہاد کا حکم دیا ہے' جس سے استمتاع اور خوض کے مرتکبین سے جہاد کا حکم معلوم ہوتا ہے۔

قرآن کا بیان ہے کہ امت محمدیہ دین و دنیا میں سابقہ لوگوں کی مشابہت اختیار کر لے گی' اسی طرح حدیث نبوی سے بھی اس بات کی خبر ملتی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تفسیر

چنانچہ صحابہ کرام نے مذکورہ آیت کا یہی مفہوم سمجھا ہے' اس کی تائید میں ابو ہریرہ کی یہ حدیث نبوی ہے کہ : تم گزشتہ قوموں کی قدم بہ قدم پیروی کرو گے' اگر کوئی گوہ کے سوراخ میں داخل ہوا ہو گا تو تم بھی داخل ہو گے پھر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے (**کالذین من قبلکم اشد منکم قوۃ**) والی آیت تلاوت کی' صحابہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ کیا ایرانیوں' رومیوں اور اہل کتاب کی طرح اس امت کے لوگ بھی کریں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ : ان کے سوا اور کون لوگ ہیں!

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ مذکورہ آیت کے سلسلہ میں کہتے ہیں کہ یہ رات گزشتہ رات سے کتنی مشابہ ہے' ہمیں بنی اسرائیل سے تشبیہ دی گئی ہے۔

عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ تم طور طریقہ میں بنی اسرائیل سے بہت مشابہ ہو' قدم قدم پر ان کی پیروی کرو گے' لیکن معلوم نہیں ان کی طرح بچھڑا پوجو گے یا نہیں؟

حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آج کے منافقین عہد نبوی کے منافقین سے بدتر ہیں' لوگوں نے پوچھا کیسے؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ لوگ اپنا نفاق چھپاتے ہیں اور ان لوگوں نے اسے ظاہر کر دیا تھا۔

حدیث سے مشابہت کا ثبوت

دین و دنیا میں مشابہت کے رواج اور اسلام میں اس کی قباحت کے موضوع پر قرآنی

آیات ہی کی طرح احادیث نبویہ میں بھی وضاحت آئی ہے' ذیل میں بعض احادیث ذکر کی جاتی ہیں :

حصول دنیا میں مشابہت

صحیحین میں عمرو بن عوف سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابو عبیدۃ بن الجراح کو جزیہ لانے کے لئے بحرین بھیجا' بحرین والوں سے آپ ﷺ نے صلح کی تھی' ابو عبیدہ مال لے کر آئے' انصار کو ان کے آنے کی خبر ہوئی تو فجر کے وقت نبی ﷺ کے پاس آئے' نماز سے فراغت کے بعد آپ ﷺ انہیں دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا کہ شاید تم نے ابوعبیدہ کے آنے کی خبر سنی؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں' آپ ﷺ نے فرمایا کہ اچھی امید رکھو لیکن سن لو میں تمہارے سلسلہ میں محتاجی سے نہیں بلکہ دنیا کی کشادگی سے ڈرتا ہوں' جیسا کہ تم سے پہلے والوں پر دنیا کشادہ کی گئی' مجھے خوف ہے کہ انہیں کی طرح تم بھی دنیا کے پیچھے دوڑو گے اور انہیں کی طرح ہلاکت میں پڑو گے۔

اس حدیث میں دنیا کی جس کشادگی کا ذکر ہے وہی آیت میں استمتاع بالخلاق (بہرہ اندوزی) سے مراد ہے۔

صحیح مسلم میں عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ وسلم نے فرمایا کہ : جب تمہارے لئے روم و فارس کے خزانے کھول دیئے جائیں گے تو تمہارا کیا حال ہو گا؟ عبدالرحمٰن بن عوف نے جواب دیا کہ ہم اللہ کے حکم کے مطابق چلیں گے' آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم آپس میں مقابلہ' حسد اور دشمنی کرو گے' پھر غریب مہاجرین کے پاس جا کر بعض کو بعض کی گردن پر لاد دو گے' یعنی ان کے اندر خرابی پیدا کر دو گے۔

دنیوی زینت

صحیحین میں ابو سعید ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف لائے' ہم آپ ﷺ کے گرد بیٹھے تھے' آپ ﷺ نے فرمایا : تمہارے سلسلہ میں اپنے بعد مجھے دنیوی زیب و زینت کا ڈر ہے' ایک شخص نے پوچھا کہ اللہ کے رسول! کیا خیر سے شر پیدا ہو گا؟ اس اثناء میں وحی نازل ہونے لگی' پھر آپ ﷺ نے سائل کو مخاطب کر کے فرمایا کہ : خیر

سے شر نہیں پیدا ہو گا لیکن موسم بہار کی شادابی جانور کے لئے ہلاکت کا باعث بن جاتی ہے' مال بڑی اچھی چیز ہے بشرطیکہ اس سے غریب' مسکین اور یتیم کا حق ادا کیا جائے' ناحق مال لینے والا کبھی اس سے آسودہ نہ ہو گا اور قیامت کے دن مال اس کے خلاف گواہی دے گا۔

عورتوں کا فتنہ

صحیح مسلم میں ابو سعید سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ دنیا شیریں و شاداب نظر آتی ہے' اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس میں خلیفہ بنایا ہے تاکہ تمہارے عمل کو دیکھے' لہٰذا دنیا سے اور عورتوں سے بچو کیونکہ بنی اسرائیل کا پہلا فتنہ عورتوں میں ہوا تھا۔

اس حدیث میں عورتوں کے فتنہ سے بنی اسرائیل کے حوالہ سے ڈرایا گیا ہے۔ اہل کتاب کے ساتھ میلوں اور تہواروں وغیرہ میں بہت سی مشابہتوں کا سبب بھی عورتیں ہی بنتی ہیں۔

برے اعمال میں مشابہت

عبداللہ بن عمرو کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری امت پر وہی احوال طاری ہوں گے جو بنی اسرائیل پر ہوئے اگر ان میں کسی نے ماں کے ساتھ منہ کالا کیا ہو گا تو میری امت میں بھی ایسا شخص ہو گا' بنی اسرائیل ۷۲ فرقوں میں تقسیم ہوئے اور میری امت ۷۳ فرقوں میں تقسیم ہو گی' ان میں سے ایک فرقہ کے علاوہ سب جہنمی ہوں گے' صحابہ نے پوچھا کہ وہ کون سا فرقہ ہو گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو میرے اور صحابہ کے عمل کے مطابق عمل کرے گا۔ (ترمذی)

افتراق کی حدیثیں ابو ہریرہ' سعد' معاویہ اور عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں لیکن مذکورہ حدیث میں نے مشابہت کے ذکر کی وجہ سے نقل کی ہے۔

حدیث میں جن ۷۳ فرقوں کا ذکر ہے ان میں ۷۲ فرقے یقیناً ایسے ہوں گے جن کی بد اعمالیاں سابقہ امتوں کی بد اعمالیوں کی مانند ہوں گی جن کی طرف (**وخضتم كالذى خاضوا**) سے اشارہ کیا گیا ہے۔

اختلاف کا دائرہ عمل

حدیث نبوی میں جس اختلاف کا ذکر ہے وہ دینی و دنیوی دونوں معاملات میں ہو سکتا ہے' درج ذیل آیات میں اسی اختلاف سے مسلمانوں کو روکا گیا ہے :

(ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جو آپس میں پھوٹ پڑے اور احکام پہنچنے کے بعد مختلف ہو گئے۔ آل عمران ۱۰۵)

(جن لوگوں نے دین میں پھوٹ ڈال رکھی ہے اور الگ الگ جماعتیں بنے ہوئے ہیں تیرا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ الانعام ۱۵۹)

(اور جانو کہ یہ میرا سیدھا راستہ ہے' پس تم اسی کی تابع داری کرو اور دیگر راستوں کی تابعداری نہ کرو۔ الانعام ۱۵۲)

صحیح مسلم کی ایک حدیث میں جس کے راوی سعد بن ابی وقاص ہیں' مذکور ہے کہ نبی ﷺ نے بنی معاویہ کی مسجد میں دو رکعت نماز ادا فرمائی پھر ساتھ کے صحابہ سے فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے تین چیزوں کا سوال کیا تھا' دو چیزیں مل گئیں اور ایک نہ ملی' میرا پہلا سوال تھا کہ میری امت قحط سے ہلاک نہ کی جائے' یہ پورا ہو گیا' دوسرا سوال تھا کہ امت غرق کرکے ہلاک نہ کی جائے' یہ بھی پورا ہو گیا' تیسرا سوال تھا کہ امت میں باہم اختلاف اور رسہ کشی نہ ہو' یہ پورا نہیں کیا گیا۔

امام مسلم رحمہ اللہ ہی نے ثوبان کی ایک حدیث ذکر کی ہے جس میں ذکر ہے کہ نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے یہ سوال بھی کیا تھا کہ میری امت پر ایسا دشمن نہ مسلط فرمائے جو اس کی بے حرمتی کرے' اللہ تعالیٰ نے اسے پورا کیا اور فرمایا کہ امت کے لوگ آپس میں البتہ ایک دوسرے کی ہلاکت و رسوائی کا سبب بنیں گے۔

امام برقانی نے اسی حدیث میں نبی ﷺ کا یہ قول بھی ذکر کیا ہے کہ : امت کے سلسلہ میں مجھے گمراہ کن اماموں کا ڈر ہے' ان میں تلوار نکل آئے گی تو قیامت تک رکھی نہ جائے گی' قیامت سے پہلے میری امت کا ایک قبیلہ مشرکوں سے مل جائے گا' کچھ لوگ بت پرستی کریں گے' نبوت کے تیس جھوٹے مدعی ہوں گے' لیکن یاد رکھو میرے بعد کوئی دوسرا نبی نہیں' میری امت کا ایک طبقہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا' مخالفین اسے کبھی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

اس مفہوم کی متعدد حدیثیں مذکور ہیں' جن سے معلوم ہوتا ہے کہ امت محمدیہ میں

اختلاف و تفرقہ ضرور واقع ہو گا' نبی ﷺ نے امت کو اس اختلاف سے بچنے کی سخت تاکید فرمائی ہے۔

صحیح مسلم میں ابن مسعود کی ایک روایت میں مذکور ہے کہ میں نے ایک شخص کو قرآن کی ایک آیت اس طریقہ کے خلاف پڑھتے ہوئے سنا جس طرح مجھے نبی ﷺ نے پڑھایا تھا' میں اسے لے کر نبی ﷺ کے پاس گیا اور واقعہ ذکر کیا' آپ ﷺ کے چہرہ مبارک پر ناگواری کے آثار ظاہر ہوئے' پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم دونوں ٹھیک پڑھتے ہو' اختلاف نہ کرو' کیونکہ پچھلے لوگ اسی اختلاف کے باعث ہلاک ہو گئے۔

اختلاف کی ممانعت

ابن مسعود کی اس روایت میں ایسے اختلاف سے روکا گیا ہے جس میں ہر شخص دوسرے کے پاس جو حق ہے اس کا منکر ہے' کیونکہ دونوں قاری برحق تھے اور اختلاف سے روکنے کا سبب اس کی ہلاکت خیزی ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جمع قرآن کا مشورہ اسی لئے دیا تھا کہ انہیں شام و عراق میں اسی طرح کا اختلاف نظر آیا تھا۔

مذکورہ حدیث سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ اول یہ کہ اس طرح کی چیزوں میں اختلاف حرام ہے۔

دوم یہ کہ گذشتہ قوموں سے عبرت حاصل کر کے ان کی مشابہت سے بچنا ضروری ہے۔

خواہشات کے نتیجہ میں امت کے اندر پیدا ہونے والا اکثر اختلاف اسی نوعیت کا ہے۔ اختلاف کرنے والوں میں ہر ایک اثبات میں برسرِ حق اور نفی میں برسرِ غلط ہوتا ہے اور زیادہ تر نادانی اثبات کے بجائے انکار و تکذیب میں ہوتی ہے کیونکہ انسان کے لئے مثبت چیز کا علم منفی کے مقابلہ میں آسان ہوتا ہے' اسی لئے امت کو منع کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بعض آیتوں کو بعض سے رد نہ کرے' یعنی ان کے درمیان تضاد سمجھ کر ایک کو مان لے اور دوسرے کا انکار کر دے۔

صحیح مسلم کی ایک حدیث میں مذکور ہے کہ عبداللہ بن عمرو ایک دن نبی ﷺ کے پاس گئے' وہاں دو شخص ایک آیت کے سلسلہ میں اختلاف کر رہے تھے' نبی ﷺ غصہ کی حالت

میں تشریف لائے اور فرمایا کہ تم سے پہلے والی قومیں کتاب میں اختلاف ہی کے باعث ہلاک ہوئیں۔

اختلاف کی قسمیں

قرآن کریم کے تذکرہ کی رو سے اختلاف کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ پہلی قسم ایسے اختلاف کی ہے جس میں دونوں فریق کی مذمت کی گئی ہے درج ذیل آیتوں پر غور فرمایئے:

(اور ہمیشہ اسی طرح مختلف رہیں گے لیکن جن پر تیرے پروردگار نے رحم کیا) ھود ۱۱۸

(وجہ یہ ہے کہ اللہ نے سچی کتاب اتاری ہے اور جو لوگ اس میں مخالف ہیں وہ بڑی بھاری بدبختی میں ہیں) البقرۃ ۱۷۶

(اور اہل کتاب علم پہنچنے کے بعد محض ضد سے (اسلام اور پیغمبر اسلام کے) مخالف ہو گئے ہیں) آل عمران ۱۹

(اور ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جو آپس میں پھوٹ پڑے اور احکام پہنچنے کے بعد مختلف ہو گئے) آل عمران ۱۰۵

"جن لوگوں نے دین میں پھوٹ ڈال رکھی ہے اور الگ الگ جماعتیں بنے ہوئے ہیں تیرا ان سے کوئی تعلق نہیں) الانعام ۱۵۹

قرآن کریم نے قوم یہود کے اختلاف کا تذکرہ بھی اسی انداز سے کیا ہے۔

اور نبی ﷺ نے امت کے ۷۳ فرقوں میں بٹنے کی جو خبر دی ہے ان میں سے ایک فرقہ کے علاوہ سب کو جہنمی بتایا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک فرقہ (اہل سنت و جماعت) کے علاوہ اختلاف کرنے والے عام لوگ ہلاکت کا شکار ہوں گے۔

مذکورہ اختلاف کا سبب

فریقین کے اعتبار سے مذموم اختلاف کا سبب کبھی تو نیت کا فساد ہوتا ہے کیونکہ انسانی طبیعت میں ظلم' حسد اور اظہار برتری وغیرہ کے جذبات موجود ہیں' جن کی وجہ سے نمایاں ہونے کے لئے انسان اپنے مخالف کی بات یا کام کو برا کہتا ہے یا موافق کی بات کو پسند کرتا

ہے' انسانوں میں یہ چیز بڑی کثرت سے پائی جاتی ہے۔
اور کبھی اس اختلاف کا سبب یہ ہوتا ہے کہ فریقین متنازعہ معاملہ کی حقیقت' ایک دوسرے کی دلیل یا ہر ایک کے ساتھ جو حق ہے اس سے ناواقف ہوتے ہیں' جبکہ انہیں اپنے رویہ کی حقانیت کا مع حکم و دلیل علم ہوتا ہے۔
اور جہالت و ظلم ہی ہر خرابی کی جڑ ہے' اللہ تعالیٰ نے انسان کو ان دونوں صفات سے متصف بتایا ہے۔
مذکورہ اختلاف کو علماء نے دو قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ اختلاف تنوع اور اختلاف تضاد۔

اختلاف تنوع

اس کی مختلف صورتیں بتائی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ متنازعہ دونوں قول یا عمل' حق اور مشروع ہوں۔ جیسے وہ قرائتیں جس میں صحابہ کا اختلاف ہوا اور دونوں فریق کو نبی ﷺ نے تنبیہہ فرمائی۔ اذان' اقامت' ثنا' تشہد' نماز خوف' تکبیرات عیدین اور تکبیرات جنازہ میں اختلاف کی نوعیت یہی ہے' دونوں صورتیں مشروع ہیں' البتہ بعض انواع کو بعض سے افضل کہا جا سکتا ہے۔
طاق یا جفت اقامت وغیرہ مسائل کی بنیاد پر امت کے بہت سے لوگوں کے مابین لڑائی ہو جاتی ہے' حالانکہ اس طرح کے مسائل میں کسی ایک صورت کی تائید اور دوسری کی تردید ہی وہ اختلاف ہے جس سے روکا گیا ہے۔
دوسری صورت یہ ہے کہ دو باتوں کا مفہوم ایک ہوتا ہے البتہ عبارتیں مختلف ہوتی ہیں' جیسا کہ بہت سے لوگ تعریفات کے الفاظ' دلیلوں کے صیغوں' مسمیات کی تعبیر اور احکام وغیرہ کی تقسیم میں مختلف ہو جاتے ہیں' پھر نادانی یا ظلم کے باعث کسی ایک بات کی تعریف اور دوسری کی مذمت کرتے ہیں۔
تیسری صورت یہ ہے کہ دونوں مفہوم الگ الگ ہوتے ہیں لیکن ان میں منافات نہیں ہوتی' بلکہ دونوں اپنی اپنی جگہ صحیح ہوتے ہیں' نزاع میں یہ صورت اکثر پیش آتی ہے۔
چوتھی صورت یہ ہے کہ دونوں طریقے مشروع ہوتے ہیں' کچھ لوگ ایک کے اور کچھ

لوگ دوسرے کے پابند ہوتے ہیں' شریعت دونوں کو مستحسن بتاتی ہے لیکن انسان نادانی یا ظلم کی وجہ سے ایک کی مذمت اور دوسرے کی فضیلت کا اظہار کرتا ہے۔

اختلاف تضاد

جمہور کے نزدیک' جو اختلاف کی صورت میں صرف ایک فریق کو درست مانتے ہیں کسی اصولی یا فروعی مسئلہ میں دو متنافی قولوں کا وجود اختلاف تضاد کہلاتا ہے' لیکن جو لوگ ہر مجتہد کو برسر صواب مانتے ہیں ان کے نزدیک مذکورہ صورت اختلاف تنوع ہے نہ کہ اختلاف تضاد۔ دونوں اقوال کے مابین منافات کی وجہ سے یہ معاملہ بے حد دشوار بن جاتا ہے' اس سلسلہ میں دیکھا جاتا ہے کہ باطل قول کے ساتھ حق کا جو حصہ موجود ہوتا ہے اس کا بھی انکار ہو جاتا ہے' تقدیر' صفات اور صحابہ وغیرہ کے مسئلہ میں اہل سنت کے یہاں ایسی مثالیں میری نظر میں ہیں۔ جہاں تک اہل بدعت کا تعلق ہے تو یہ بات ظاہر ہے اور اسی طرح بہت سے فقہاء و صوفیا کے مابین اور صوفیا کے مختلف فرقوں کے مابین اختلاف کی مثالیں ہے۔

قرآن و حدیث میں اس طرح کے اختلاف سے بچنے کا جو حکم وارد ہے اس کا فائدہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت و روشنی کے بعد آسانی سے سمجھ میں آ جاتا ہے۔

اختلاف تنوع میں بلا شبہ دونوں فریق برحق ہوتے ہیں' لیکن ایک فریق اگر دوسرے پر زیادتی کرے تو یہ مذموم حرکت ہے قرآن کی درج ذیل آیت میں دونوں فریق کی تعریف مذکور ہے:

(**ماقطعتم من لينة اوتركتموها قائمة على اصولها فبانن اللّٰه**) الحشر ۵

جو درخت تم نے کاٹے یا ان کو سالم چھوڑا یہ سب کچھ اذن الٰہی سے ہوا۔

یہود کے ان درختوں کو کاٹنے کے سلسلہ میں اختلاف تھا کچھ لوگوں نے انہیں کاٹا اور کچھ لوگوں نے نہیں۔

اسی طرح سورہ انبیاء کی آیت (۷۸' ۷۹) میں فرمایا:

(اور داؤد و سلیمان کا واقعہ ان کو سنا جس وقت وہ دونوں کھیتی کے بارہ میں فیصلہ کرتے تھے جب قوم کی بھیڑ بکریاں اس کھیتی میں کود پڑیں اور ہم ان کے فیصلہ کے وقت وہاں حاضر تھے' پھر ہم نے سلیمان کو یہ مقدمہ سمجھا دیا اور ہم نے ہر ایک کو حکم اور علم دیا تھا۔)

اس مقام پر فہم کا ذکر صرف سلیمان کے لئے ہے' لیکن علم و حکم دونوں کے لئے ثابت کیا گیا ہے۔

اسی طرح بنو قریظہ پر چڑھائی کے دن وقت پر راستہ میں عصر پڑھنے والوں اور تاخیر کرکے بنو قریظہ میں پڑھنے والوں دونوں کو آپ ﷺ نے درست بتایا۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ حاکم اجتہاد میں درست راہ پا لے تو دوہرے اجر کا مستحق ہے اور اگر نہ پا سکے تو بھی اسے ایک اجر ملے گا۔

اختلاف کی اس صورت کو اگر مستقل قسم قرار دیا جائے تو کل تین قسمیں ہو جائیں گی۔

۲۔ قرآن میں مذکورہ اختلاف کی دوسری قسم ایسا اختلاف ہے جس میں صرف ایک فریق (مومنوں) کی تعریف اور دوسرے کی مذمت کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ولو شاء اللہ ما اقتتل الذین من بعدھم من بعد ما جاء تھم البینات ولکن اختلفوا فمنھم من امن و منھم من کفر' ولو شاء اللہ ما اقتتلوا﴾ (البقرۃ ۲۵۳)

اور اگر اللہ چاہتا تو نبیوں سے پچھلے لوگ واضح دلائل آنے کے بعد آپس میں نہ لڑتے لیکن انہوں نے اختلاف کیا یعنی بعض مان گئے اور بعض انکاری ہو گئے اور اللہ چاہتا تو نہ لڑتے۔

اس آیت میں ماننے والوں کی تعریف اور دوسروں کی مذمت ہے۔

اختلاف امت کی نوعیت

امت کو خواہشات کی پیروی میں مبتلا کرنے والے اکثر اختلافات کا تعلق پہلی قسم یعنی مذموم اختلاف سے ہے' اس کے نتیجہ میں خونریزی ہوتی ہے' مال لوٹا جاتا ہے اور عداوت پھیلتی ہے' کیونکہ ایک فریق دوسرے کے حق کا اعتراف کرکے اس کے ساتھ انصاف نہیں کرتا بلکہ اپنے حق میں بہت سی باطل چیزیں شامل کرکے مطمئن ہو جاتا ہے' دوسرے کا بھی یہی حال ہوتا ہے۔

اس اختلاف کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ نے زیادتی کو قرار دیا ہے :

(وما اختلف فیه الا الذین اوتوہ من بعد ما جاء تہم البینات بغیا بینہم) البقرۃ ۲۱۳

اور زیادہ اختلاف اس میں انہیں لوگوں نے کیا جن کو پہلے کتاب ملی تھی، واضح نشانات پہنچنے کے بعد محض اپنے حسد کی وجہ سے۔

آیت میں بغی سے زیادتی اور حد کو تجاوز کرنے کی طرف اشارہ ہے۔ اس کا قرآن میں عبرت کے لئے متعدد جگہ ذکر ہے۔

صحیحین کی ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے جن امور کا ذکر نہیں کیا انہیں تم بھی چھوڑ دو، کیونکہ تم سے پہلے کے لوگ انبیاء سے زیادہ سوال کے سبب ہلاک ہوئے، جب تمہیں کسی چیز سے روک دوں تو اس سے بچو اور جب حکم دوں تو اسے کرو جس قدر طاقت ہو۔

محل اختلاف

مذکورہ اختلاف قرآن کریم کی قرات اور تفسیر دونوں جگہ ہو سکتا ہے، ابن مسعود کی مذکورہ حدیث میں اختلاف قرات کا بیان گزر چکا ہے۔ اختلاف تفسیر کی مثال مسند احمد کی وہ حدیث ہے جس کو عمرو بن شعیب رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے، ان کا بیان ہے کہ کچھ لوگ مسئلہ تقدیر پر گفتگو کر رہے تھے، اسی دوران نبی ﷺ تشریف لائے یہ گفتگو سن کر آپ ﷺ کا چہرہ غصہ سے انار کے دانے کی طرح سرخ ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کی کتاب کے ایک حصہ کو دوسرے حصہ سے ٹکراتے کیوں ہو؟ تمہیں اس کا حکم نہیں دیا گیا، تم سے پہلی قومیں اسی فعل کے سبب ہلاک ہوئی ہیں، جس چیز کا تمہیں حکم ملا ہے اسے کرو اور جس چیز سے روکا گیا ہے اس سے باز رہو۔

راوی کا بیان ہے کہ نبی ﷺ کی بات سن کر مجھے اس بات کی بے انتہا خوشی ہوئی کہ میں اس مجلس میں شریک نہ تھا۔

امام احمد رحمہ اللہ نے اس حدیث کو خلیفہ متوکل کے نام اپنے خط میں لکھا تھا اور ان کے ساتھ مناظرہ میں برابر یہی کہتے تھے کہ کتاب اللہ کے ایک حصہ کو دوسرے سے ٹکرانے سے ہمیں روکا گیا ہے۔ موصوف کا یہ اصرار اس لئے تھا کہ حدیث کی مخالفت کے برے نتائج ان

کے سامنے تھے۔

اس مفہوم کی متعدد روایتیں کتب حدیث میں موجود ہیں' ہمارا مقصد گذشتہ قوموں کی اس امت کی طرف سے موافقت کے خطرہ پر تنبیہہ کرنا ہے کیونکہ تقدیر میں اختلاف کو رسول اللہ ﷺ نے انسانوں کی تباہی کی بنیاد قرار دیا ہے' اسی سے نور و ظلمت کے قائل مجوس اور عالم کو قدیم کہنے والے صابی وغیرہ پیدا ہوئے' شریعت کو معطل بتانے والے بہت سے لوگوں کا بھی یہی مذہب ہے۔ تقدیر کے مسئلہ پر بحث کرنے والوں نے اللہ تعالیٰ کے فعل کی توجیہہ کرنی چاہی اور اس توجیہہ کو صحیح ثابت کرنے کے لئے اسے مخلوقات پر قیاس کرکے بعض امور کا اثبات کیا اور یہیں سے سخت گمراہی کا شکار ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کے فعل اور اجر کے مابین انہوں نے معارضہ بتایا پھر ایک فریق تقدیر کا قائل اور امر کا منکر اور دوسرا امر کا قائل اور تقدیر کا منکر ہو گیا کیونکہ دونوں نے تقدیر و امر کے اجتماع کو محال تصور کر لیا' اس طرح فریقین میں سے ہر ایک تقدیر یا امر کی تکذیب کے باعث باطل پرستی کا مرتکب ہو گیا۔

اس طرح کا اختلاف عام طور پر کسی چیز کے تمام پہلوؤں کو نہ جاننے اور اس پر غور نہ کرنے کے سبب ہوتا ہے' اسی لئے عبداللہ بن عمرو بن عاص کی حدیث میں حکم ہے کہ جس کو جانتے ہو اس پر عمل کرو اور جسے نہیں جانتے ہو اسے جاننے والوں کے حوالہ کرو۔

سابقہ بیان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ خوض و تکذیب کی جس صفت کو قرآن کریم نے بیان کیا ہے وہی چیز احادیث میں بھی مذکور ہے اور اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہود و نصاریٰ' ایرانیوں اور رومیوں کے ساتھ اس امت کی مشابہت اللہ و رسول ﷺ کی نظر میں مذموم ہے۔

مشابہت کی پیشین گوئی کے بعد اس سے روکنے کی حکمت

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب کتاب و سنت سے گذشتہ قوموں کی ریت اختیار کرنے کی بات ثابت ہے تو پھر اس سے روکنے کا کیا فائدہ ہو سکتا ہے؟

جواب یہ ہے کہ کتاب و سنت ہی سے معلوم ہوا ہے کہ امت میں ہمیشہ ایک جماعت حق پر قائم رہے گی' وہ کبھی گمراہی پر اکٹھا نہیں ہو سکتی' اس طرح مشابہت سے روک کر مذکورہ جماعت کی تائید و تقویت مقصود ہے' اللہ تعالیٰ ہمیں اسی جماعت کا فرد بنائے۔ آمین

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ بالفرض اگر کوئی مشابہت کو نہ چھوڑے تو بھی اس کے علم سے ایک قبیح امر کا علم اور اس کی خرابی کا یقین ہو جائے گا اور عمل نہ بھی ہو تو نفس علم و ایمان خیر ہے' بلکہ علم و ایمان کا فائدہ اس مجرد عمل کے فائدہ سے بڑا ہے جس کے ساتھ علم نہیں جو شخص معروف کو معروف اور منکر کو منکر نہیں سمجھتا اس کا دل مردہ ہے' اسی لئے نبی ﷺ نے منکر کو مٹانے اور کم از کم دل سے برا سمجھنے کا حکم دیا ہے۔ (مسلم)

برائی کو انسان اگر برا سمجھے تو استغفار کی یا اس سے باز رہنے کی توقع کی جا سکتی ہے۔

اگر بالفرض مان لیا جائے کہ مذکورہ کوئی فائدہ بھی حاصل نہ ہو گا تو بھی مشابہت سے روکنے کا فائدہ رسالت کی تبلیغ اور بیان علم ہے۔

۶۔ اللہ تعالیٰ نے کفار کی مشابہت سے روکتے ہوئے فرمایا۔

(یا ایہا الذین امنوا لاتقولوا راعنا وقولوا انظرنا واسمعوا وللکافرین عذاب الیم) البقرۃ ۱۰۴

اے مسلمانو! تم راعنا مت کہا کرو اور انظرنا کہا کرو اور سنتے رہا کرو اور کافروں کو نہایت درد ناک عذاب ہو گا۔

یہود استہزاء کے طور پر راعنا کہتے تھے' اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے اس لفظ کو ناپسند فرمایا۔ حالانکہ جس بری نیت سے یہود اسے کہتے تھے وہ مسلمانوں کی نیت نہ تھی۔

۷۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

(ان الذین فرقوا دینہم وکانوا شیعالست منہم فی شیء انما امرہم الی اللّٰہ ثم ینبئہم بما کانو ایفعلون) الانعام ۱۵۹

جن لوگوں نے دین میں پھوٹ ڈال رکھی ہے اور الگ الگ جماعتیں بنے ہوئے ہیں تیرا ان سے کوئی تعلق نہیں' ان کا اختیار اللہ کو ہے' پھر وہی ان کو ان کے کاموں سے خبر دے گا۔

اس آیت میں کفار کا ذکر ہے' وہی پھوٹ ڈالنے اور الگ الگ جماعتوں میں منقسم ہونے کے مرتکب ہوئے تھے۔

سورہ مائدہ کی آیت (۱۴) میں فرمایا :

(جو کہتے ہیں کہ ہم نصرانی ہیں ان سے بھی ہم نے (اتباع محمدی کا) پختہ وعدہ لیا تھا' پھر

وہ نصیحت کی بہت سی باتیں جو ان کو سمجھائی گئی تھیں بھول گئے پھر ہم نے قیامت تک ان میں عداوت اور کینے کی آگ سلگا دی)

اسی طرح مذکورہ سورہ میں یہود کے متعلق فرمایا (۶۴) :

(جو کلام تیرے پروردگار کی طرف سے تجھے ملا ہے ان میں سے بہتوں کو سرکشی اور کفر بڑھاتا ہے' ہم نے عداوت اور بغض ان میں قیامت تک ڈال دیا ہے)

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو کفار و مشرکین کے تمام معاملات سے الگ اور بری قرار دیا ہے' لہٰذا جو لوگ رسول ﷺ کے پیرو ہوں گے انہیں بھی اسی طرح کفار و مشرکین سے پورے طور پر علیحدہ ہونا ضروری ہے' جو شخص ان کی جس قدر موافقت کرے گا اسی قدر وہ رسول ﷺ سے دور ہو گا۔

۸۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

(للّٰہ ما فی السموات و ما فی الارض' و ان تبدوا مافی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللّٰہ) البقرۃ ۲۸۴

اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور تم اپنے دل کی بات کھولو یا اس کو چھپاؤ اللہ اس کا حساب تم سے لے گا۔

صحیح مسلم میں ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ جب مذکورہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ پر گراں گزری' انہوں نے کہا کہ ہمیں اس کی طاقت نہیں' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم یہود و نصاریٰ کی طرح **سمعنا و عصینا** (ہم نے سنا اور نا فرمانی کی) کہنا چاہتے ہو؟ **سمعنا و اطعنا** (سنا اور مان لیا) کہو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے **لا یکلف اللّٰہ نفسا الا وسعہا** (اللہ کسی شخص پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر جتنا وہ اٹھا سکے) والی آیت نازل فرمائی۔

اس حدیث میں نبی ﷺ نے امت کو آیت سن کر اہل کتاب کا طریقہ اختیار کرنے سے منع فرمایا اور سمع و طاعت کا حکم دیا' جس پر اللہ تعالیٰ کا یہ انعام ہوا کہ محاسبہ کی سختی کو کم کر دیا گیا۔

اسی وجہ سے سورہ اعراف کی آیت (۱۵۷) میں نبی ﷺ کا وصف بتایا گیا ہے کہ : وہ قوموں کے بوجھ کو اتارتے اور پھندوں کو کھول دیتے ہیں۔

۹۔ یہود و نصاریٰ کے ساتھ دوستی سے روکتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

(یا ایہا الذین آمنوا لاتتخذ و الیہود و النصاریٰ اولیاء بعضہم اولیاء بعض، ومن یتولہم منکم فانہ منہم) المائدۃ ۵۱

مسلمانو! یہود و نصاریٰ کو دوست مت بناؤ' وہ (تمہارے خلاف) ایک دوسرے کے دوست ہیں۔

اہل کتاب اور اللہ و رسول ﷺ کی مخالفت کرنے والے تمام لوگوں کی دوستی سے روکنے کا مضمون سورہ مجادلہ انفال وغیرہ میں بھی وارد ہے۔ اور سورہ انفال میں یہ بھی بیان ہے کہ جہاد و ہجرت کرنے والے مومن آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اپنے گروہ اور لشکر سے تعبیر کیا ہے اور ان کے لئے غلبہ کی پیش گوئی فرمائی ہے۔

دوستی اور محبت ایک قلبی چیز ہے لیکن ظاہری احوال و اعمال میں کفار کی مخالفت کے سبب ان سے قطع تعلق آسان ہو جاتا ہے۔

ظاہری موافقت کی خرابی

ظاہر میں کفار کی مشارکت دوستی و محبت کا ذریعہ نہ بھی ہو تو اس کا کوئی فائدہ نہیں' اسی وجہ سے سلف صالح ملکی امور میں کفار سے مدد نہیں لیتے تھے۔ مسند احمد میں مذکور ہے کہ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میرا منشی نصرانی ہے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ : افسوس! کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا قول نہیں سنا : **(لا تتخذوا الیہود و النصاریٰ اولیاء)** کسی موحد کو کیوں نہیں رکھا؟ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے اس کی تحریر سے مطلب ہے اس کے مذہب سے نہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جنہیں اللہ نے ذلیل کر دیا ہے انہیں میں عزت نہیں دے سکتا اور جنہیں اس نے دور کر دیا انہیں میں قریب نہیں کر سکتا۔

۱۰۔ اہل کتاب کی مشابہت سے درجہ ذیل آیت میں بھی روکا گیا ہے :

(الم یان للذین آمنو ان تخشع قلوبہم لذکر اللہ و مانزل من الحق' ولا یکونو ا کالذین او توا الکتاب من قبل' فطال علیہم الامد فقست قلوبہم) الحدید ۱۶

کیا ایمانداروں کے لئے ابھی تک وہ وقت نہیں آیا کہ اللہ کا ذکر کرنے پر اور جو اللہ کی

طرف سے اترا اس کے سننے پر ان کے دل پگھل جائیں اور ان کتاب والوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کو پہلے کتاب دی گئی تھی پھر ان پر لمبی مدت گزری تو ان کے دل سخت ہو گئے۔

اس آیت میں اہل کتاب کی مطلق مشابہت سے روکتے ہوئے دلوں کی سختی میں بھی ان کی مشابہت سے روکا گیا ہے جو گناہوں کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہے۔

قرآن کریم کی متعدد آیتوں میں یہود کی سخت دلی کا ذکر ہے۔ اس امت کے بہت سے مدعیان علم و دین میں بھی اس طرح کی صفات موجود ہیں جنہیں اہل بصیرت جانتے ہیں' اسی وجہ سے سلف نے ان سے بچنے کی تاکید کی ہے۔

صحیح بخاری کی ایک حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے بصرہ کے تین سو قاریوں کو بلا کر انہیں ان کا مرتبہ اور ذمہ داری یاد دلائی اور کہا کہ مدت طویل ہونے سے تمہارے دلوں میں سختی نہ آنی چاہیے جس طرح اگلے لوگوں کے دل سخت ہو گئے تھے۔

رہبانیت کی ممانعت

سورہ حدید کی آیت (۲۷) میں ان لوگوں کا ذکر ہے جنہوں نے دنیا سے کنارہ کشی کو اپنا مذہب بنا لیا تھا' شریعت محمدیہ نے رہبانیت سے منع کیا ہے تاکہ اگلے لوگوں کی مشابہت نہ ہو۔

سختی کی ممانعت

ابو داؤد کی ایک حدیث میں مذکور ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اپنے اوپر سختی نہ کرو ورنہ اللہ تم پر سختی کرے گا' کچھ لوگوں نے اپنے اوپر سختی کی تھی تو اللہ نے ان پر سختی کی' گرجوں اور یہودی عبادت خانوں میں جو لوگ نظر آتے ہیں یہ انہیں کا بقایا ہیں۔

اس حدیث میں دین کے اندر زیادتی والے تشدد سے روکا گیا ہے۔

سختی کی ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ عبادات میں جو چیز شریعت میں واجب یا مستحب نہیں ہے اسے واجب یا مستحب قرار دیا جائے اور دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ طیبات میں جو چیز حرام یا مکروہ نہیں ہے اسے حرام یا مکروہ مان لیا جائے۔

مذکورہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نصاریٰ کی خود ساختہ رہبانیت نبی ﷺ کی نظر میں

ناپسندیدہ تھی لیکن آج بہت سے عبادت گزار اس رہبانیت کا شکار ہیں۔ اسی طرح حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انسان اپنے نفس پر جب خود سے سختی کرتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ سختی میں مبتلا کر دیتا ہے۔

میانہ روی مطلوب ہے

سورہ مائدہ کی آیت (۸۷) میں حلال و پاکیزہ چیزوں کو حرام قرار دینے سے روکا گیا ہے۔ اس آیت کی شان نزول سے متعلق حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مشہور حدیث ہے جس میں مذکور ہے کہ چند صحابی امہات المومنین رضی اللہ عنہن کے پاس آئے اور نبی ﷺ کی عبادت کا معمول معلوم کیا' پھر ایک صحابی نے کہا کہ میں پوری رات نماز پڑھوں گا۔

دوسرے نے کہا کہ میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا۔

تیسرے نے کہا کہ میں شادی نہ کروں گا۔

نبی ﷺ نے ان کی بات سن کر فرمایا کہ : اللہ کا ڈر میرے اندر تم سے زیادہ ہے لیکن میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور چھوڑ بھی دیتا ہوں' رات میں نماز بھی پڑھتا ہوں اور آرام بھی کرتا ہوں اور رشتہ زوجیت سے بھی منسلک ہوں اور جو شخص میری سنت سے اعراض کرے اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔ (بخاری مسلم)

اس مفہوم کی دوسری حدیثیں بھی ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ عبادات کی ادائیگی اور خواہشات کے ترک میں میانہ روی نبی ﷺ کی سنت ہے اور نصاریٰ کی رہبانیت کے مقابلہ میں رسول اکرم ﷺ کا اسوہ حسنہ بہتر ہے۔ لیکن فقہا اور عابدوں کے ایک گروہ نے جہالت کے سبب اور تاویل کا سہارا لے کر اسوہ نبوی ﷺ کی مخالفت کی ہے۔

مذکورہ بیان سے ہم یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ دین اسلام ذکر الٰہی کے سلسلہ میں یہود کی سخت دلی اور نصاریٰ کی دنیا سے کنارہ کشی دونوں باتوں کا مخالف ہے' خواہ اس میں کچھ لوگ ملوث ہی کیوں نہ ہوں۔

۲۔ کفار و مشرکین کی مخالفت کے دلائل سنت نبوی سے

قرآن کریم ہی کی طرح نبی ﷺ اور خلفاء راشدین کی سنت سے بھی کفار کی مخالفت اور ان کی مشابہت سے بچنے کی ضرورت کا ثبوت موجود ہے۔

۱۔ **بالوں میں خضاب :** صحیحین میں ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہود و نصاریٰ بالوں کو رنگتے نہیں ہیں' تم ان کی مخالفت کرو۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح بالوں کی رنگت بدلنا شریعت کو مطلوب ہے اس طرح یہود و نصاریٰ کی مخالفت بھی مقصود و مطلوب ہے' ساتھ ہی ان کی مشابہت سے بھی روکا گیا ہے۔

درحقیقت کافر کے تمام اعمال و معاملات میں کوئی نہ کوئی خلل ضرور ہوتا ہے جس سے ان کی منفعت ختم ہو جاتی ہے اور یہی کفر کی خرابی ہے جس سے اسلام بری ہے۔

۲۔ **داڑھی اور مونچھ :** صحیحین میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مشرکین کی مخالفت کرو' یعنی مونچھ کاٹو اور داڑھی بڑھاؤ۔

اس حدیث میں مونچھ کاٹنے اور داڑھی بڑھانے کا جو حکم ہے وہ شریعت کو یقیناً مطلوب ہے لیکن ساتھ ہی کفار کی مخالفت بھی شریعت کا مقصد ہے' خواہ مذکورہ امور میں ہو یا کسی دیگر امر میں۔

۳۔ **جوتے میں نماز :** شداد رضی اللہ عنہ بن اوس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہود کی مخالفت کرو' وہ جوتے اور موزے پہن کر نماز نہیں پڑھتے۔ ابو داؤد

یہود جوتے نکال کر اس لئے نماز پڑھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے کوہ طور پر موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ (**فاخلع نعلیک**) اپنے جوتے اتار دو' لیکن اس بنیاد کے باوجود نبی ﷺ نے اس مسئلہ میں یہود کی مخالفت کا حکم فرمایا۔

۴۔ سحری کھانا: عمرو رضی اللہ عنہ بن عاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: ہمارے اور اہل کتاب کے روزوں کے مابین سحری کھانے کا فرق ہے۔ مسلم

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں مذہب کی عبادتوں کے مابین امتیاز پیدا کرنا شارع علیہ اسلام کا مقصود ہے۔ اس کی وضاحت ابو داؤد کی ایک حدیث میں آئی ہے۔ نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ: جب تک لوگ افطار میں جلدی کریں گے دین غالب رہے گا' کیونکہ یہود و نصاریٰ افطار میں تاخیر کرتے ہیں۔

اس حدیث میں وضاحت ہے کہ افطار میں جلدی کے سبب حاصل ہونے والا دین کا غلبہ و ظہور یہود و نصاریٰ کی مخالفت کی وجہ سے ہے اور جب ان کی مخالفت دین کے غلبہ کا سبب ہے تو وہ بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم مقصد ہوئی' کیونکہ قرآن میں اس بات کی تصریح ہے کہ رسولوں کو بھیجنے کا مقصود دین اسلام کو دیگر ادیان پر غالب کرنا ہے۔

مسند احمد کی ایک حدیث میں ایک ساتھ دو دن کے روزہ سے منع کیا گیا ہے اور اس طرح کے روزہ کو نصاریٰ کا فعل کہا گیا ہے' ممکن ہے ایسا روزہ ان کی رہبانیت کا حصہ ہو۔

۵۔ حالت حیض میں عورت کے ساتھ کھانا پینا: حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ یہود حیض کی حالت میں عورتوں کے ساتھ نہ تو کھانا کھاتے تھے نہ مل کر رہتے تھے صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کے متعلق نبی ﷺ سے پوچھا' اس وقت سورہ بقرہ کی آیت (۲۲۲) نازل ہوئی' پھر نبی ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بتایا کہ حالت حیض میں عورت کے ساتھ جماع کے علاوہ ہر طرح کا اختلاط جائز ہے' آیت میں الگ رہنے کا جو حکم ہے اس سے صرف ترک مجامعت مراد ہے۔ جب یہود کو یہ بات معلوم ہوئی تو کہا کہ یہ شخص (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ہر چیز میں ہماری مخالفت ہی کرتے ہیں!! اسید رضی اللہ عنہ بن حضیر اور عباد رضی اللہ عنہ بن بشر نے یہود کی یہ بات نبی ﷺ تک پہنچا کر آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا ہم ان عورتوں سے اختلاط نہ رکھیں؟ یہ سن کر آپ ﷺ کا چہرہ مبارک بدل گیا' لوگوں نے یہ سمجھا کہ آپ ﷺ ان دونوں پر غصہ ہو گئے' اسی اثنا میں آپ ﷺ کے پاس دودھ کا ہدیہ آیا' آپ ﷺ نے دونوں اصحاب کو بلا کر پلایا تو

صحابہ رضی اللہ عنہم کو یقین ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں پر غصہ نہ تھے۔ مسلم

اس حدیث سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہود کی بکثرت مخالفت فرماتے تھے' جس سے خود یہود کو یہ احساس ہو گیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر مسئلہ میں ان کی مخالفت کو پسند کرتے ہیں۔

طہارت کے باب میں بلا شبہ یہود پر بے حد سختیاں تھیں' نصاریٰ نے بغیر شرعی حکم کے یہودی مذہب کے اکثر احکام کو چھوڑ دیا' یہاں تک کہ ان کی نظر میں کوئی چیز نجس نہ رہ گئی' اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ امت مسلمہ کو درمیانی راستہ بتایا اور اسی پر جمے رہنے کی تاکید فرمائی۔

۶۔ سورج نکلتے اور ڈوبتے ہوئے نماز : صحیح مسلم میں عمرو بن عبسہ کی طویل روایت مذکور ہے جس میں انہوں نے اپنے اسلام کا واقعہ ذکر کیا ہے' اسی روایت میں کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز کے متعلق سوال کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صبح کی نماز کے بعد سورج نکلنے تک کوئی نماز نہ پڑھو' کیونکہ سورج شیطان کی دونوں سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے اور اس وقت میں کافر اسے سجدہ کرتے ہیں۔ پھر عصر کے بعد غروب شمس تک نماز نہ پڑھو کیونکہ وہ شیطان کی دونوں سینگوں کے درمیان غروب ہوتا ہے اور اس وقت کافر اس کو سجدہ کرتے ہیں۔

اس حدیث میں سورج نکلنے اور ڈوبنے کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سے یہ کہہ کر منع فرمایا ہے کہ وہ شیطان کی سینگوں کے درمیان نکلتا اور ڈوبتا ہے اور اس وقت میں کافر اسے سجدہ کرتے ہیں۔

سب جانتے ہیں کہ مومن نماز میں سجدہ اللہ کے لئے کرتا ہے اکثر مسلمانوں کو مذکورہ کیفیت کے ساتھ سورج کے نکلنے ڈوبنے اور اس کو کفار کے سجدہ کرنے کا علم بھی نہ ہو گا' پھر بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مشابہت کے احتمال کو ختم کرنے کے لئے اس وقت میں نماز سے منع فرما دیا۔

اس طرح کی ممانعت کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ جو لوگ ظاہری طور پر اسلام قبول کر کے ستاروں وغیرہ کی پرستش جاری رکھتے ہیں اور اس کو دنیوی مقصد کے حصول کا ذریعہ سمجھتے ہیں ان سے مشابہت کا احتمال ختم ہو جاتا ہے۔

اس مشابہت کو ختم کرنے کے لئے **مصلی** کو کسی آدمی کے سامنے سجدہ سے روکا گیا ہے خواہ سجدہ کرنے والا اس آدمی کے لئے سجدہ کی نیت نہ رکھے' اسی طرح قبلہ میں بھی کفار کی مشابہت منع ہے' اگر وہ لوگ کسی چیز کی عبادت کرتے ہوں تو اس کی طرف رخ کرکے نماز ادا کرنے سے بھی روکا گیا ہے۔

۷۔ نماز میں بائیں ہاتھ پر ٹیکنا: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو نماز میں بائیں ہاتھ پر ٹیک لگا کر بیٹھے دیکھا تو کہا کہ اس طرح نہ بیٹھو' اس طرح وہ لوگ بیٹھتے ہیں جن پر اللہ کا عذاب نازل ہو گا۔

اس ممانعت کا مقصد بھی یہی ہے کہ مشرکین کی روش سے مسلمانوں کو دور رکھا جائے۔

۸۔ نماز میں کمر پر ہاتھ رکھنا: امام بخاری نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ذکر کی ہے کہ وہ نماز میں کمر پر ہاتھ رکھنے کو ناپسند کرتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ یہ یہود کا فعل ہے۔

۹۔ نماز میں امام کی متابعت: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیماری کی حالت میں بیٹھ کر ہم کو نماز پڑھائی' ابوبکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکبیر لوگوں کو سناتے تھے' ہم کھڑے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھنے کا اشارہ فرمایا' پھر ہم نے بیٹھ کر نماز ادا کی' جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہوئے تو فرمایا کہ تم اہل فارس و روم کی حرکت کرنے جا رہے تھے' ان کے بادشاہ بیٹھے رہتے ہیں اور وہ کھڑے رہتے ہیں' ایسا نہ کرو بلکہ امام کی اقتداء کرو' اگر وہ کھڑا ہو کر نماز پڑھائے تو تم بھی کھڑے ہو کر پڑھو اور اگر بیٹھ کر پڑھائے تو تم بھی بیٹھ کر پڑھو۔ مسلم

یہی حدیث بعض تفصیل و تبدیلی کے ساتھ ابو داؤد میں بھی مذکور ہے۔ غور کرنے کی بات یہ ہے کہ نماز میں قیام فرض ہے' لیکن امام کے بیٹھ کر نماز پڑھانے کی صورت میں مقتدیوں کا قیام ایرانیوں اور رومیوں کے فعل سے مشابہ تھا اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرما دیا۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اہل فارس و روم کی مشابہت منع ہے' خواہ اس کام میں ہماری نیت ان کی نیت سے مختلف ہو اور مشابہت کی ممانعت کی یہ بے حد سخت صورت ہے۔

۱۰۔ اہل جاہلیت کی مخالفت: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جو شخص رخسار پیٹ کر روئے' گریبان پھاڑے اور دور جاہلیت کے

کام کرے وہ ہم میں سے نہیں۔ متفق علیہ

اس حدیث میں "دعوی الجاہلیۃ" کے لفظ سے اہل جاہلیت کی طرح نوحہ و بین کرنا اور عصبیت کی دعوت دینا مراد ہے۔

ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کے لوگ جاہلیت کے چار کام نہیں چھوڑیں گے' حسب پر فخر کرنا' نسب پر طعن کرنا' ستاروں سے پانی طلب کرنا اور نوحہ کرنا۔

مزید فرمایا کہ : نوحہ کرنے والی عورت بغیر توبہ مر جائے تو قیامت کے دن اسے گندھک کے کرتے اور خارشتی اوڑھنی میں کھڑا کیا جائے گا۔ مسلم

ان احادیث سے جاہلی دور کے طور طریقوں کی مذمت کا عمل ہوتا ہے' جو چیز بھی جاہلی دور کی طرف منسوب کی جائے گی اسے مذموم مانا جائے گا۔ سورہ احزاب میں جاہلیت اولیٰ کی برہنگی سے منع فرمایا گیا ہے' اس میں بھی مذمت کا پہلو ہے اور ان امور سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور کی کسی بھی طرح کی مشابہت ممنوع ہے۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے جب ایک شخص کو اس کی ماں کے سبب عار دلائی تھی تو نبی ﷺ نے فرمایا تھا کہ تمہارے اندر جاہلیت کی خوبو باقی ہے۔

صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس میں نسب کے اندر طعن اور نوحہ کو کفر کہا گیا ہے' یعنی جس شخص کے اندر یہ دونوں خصلتیں موجود ہوں گی اس میں کفر کی دو شاخیں پائی جائیں گی خواہ وہ پورے طور پر کافر نہ ہو۔

صحیحین کی ایک حدیث میں جابر بن عبداللہ نے بیان کیا کہ ایک غزوہ میں رسول اللہ کے ساتھ مہاجرین و انصار دونوں تھے' ایک کھلنڈرے مہاجر نے ایک انصاری کی چوتڑ پر مار دیا' انصاری سخت غصہ ہو گئے اور دونوں نے انصار و مہاجرین کی دہائی دی' نبی ﷺ تشریف لائے اور فرمایا کہ جاہلیت کی پکار کہاں سے آ رہی ہے؟ واقعہ کیا ہے؟ جب آپ ﷺ کو لوگوں نے بتایا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس طرح کی خبیث دہائیوں کو چھوڑ دو۔

اس حدیث میں غور طلب امر یہ ہے کہ مہاجرین اور انصار کے دونوں نام خود اسلام نے مقرر کئے تھے اور دونوں جماعتوں کی مدح بھی کی تھی لیکن بیجا طور پر ان کا نام لے کر برے کام پر تعاون کے لئے دہائی دینے کو نبی ﷺ نے جاہلیت کا فعل قرار دیا۔ پھر جب انسان

کسی ایسے نام کی دہائی دے گا جسے شریعت سے سند حاصل نہیں ہو گی تو یہ امر اور زیادہ مذموم شمار ہو گا۔

مذکورہ احادیث اور اس مفہوم کی دیگر حدیثوں سے واضح طور پر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ کوئی کام اگر جاہلی دور سے نسبت رکھے گا تو وہ مذموم ہو گا اور مسلمانوں کے لئے اس کا کرنا ممنوع ہو گا۔

اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ : اللہ تعالیٰ نے تم کو جاہلیت کی نخوت اور آباء و اجداد پر فخر سے نجات دی ہے' لوگ یا تو مومن متقی ہیں یا فاجر بد بخت' تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے پیدا کئے گئے تھے' لوگوں کو ایسے لوگوں پر فخر نہ کرنا چاہیے جو جہنم کا ایندھن بن چکے ہیں' ورنہ اللہ کی نظر میں اس کیڑے سے بھی زیادہ ذلیل ہو جائیں گے جو اپنی ناک سے گندگی کو دھکیلتا ہے۔ ابو داؤد

اس حدیث میں بھی نخوت و فخر کو بطور مذمت دور جاہلیت کی طرف منسوب کیا ہے۔

صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اطاعت سے خارج اور جماعت سے جدا ہو کر مرے اس کی موت جاہلیت کی موت ہے' اور جو شخص اندھے اور گمراہ جھنڈے تلے لڑے' عصبیت کی دعوت دے اور اس کی مدد کرے اور قتل کیا جائے تو اس کا قتل بھی جاہلی ہے اور جو امت کے خلاف بغاوت کرے نیک و بد کو مارے' مومن کو اذیت پہنچائے اور عہد پورا نہ کرے وہ مجھ سے اور میں اس سے نہیں۔

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تینوں اقسام کو ذکر فرما دیا ہے جنہیں فقہاء اسلام **"باب قتال اہل القبلة من البغاة والعداة و اهل العصبیته"** کے ضمن میں ذکر کرتے ہیں۔ مذکورہ حدیث میں جاہلیت کی موت اور جاہلیت کا قتل روکنے کے لئے بطور مذمت کہا گیا ہے۔

صحیحین کی ایک حدیث میں حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کا واقعہ مذکور ہے جس میں انہوں نے ماں کا ذکر کرکے ایک شخص کو عار دلائی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ تمہارے اندر دور جاہلیت کی عادت موجود ہے۔

اس حدیث سے کسی کو نسب کے ذریعہ عار دلانے کی مذمت کا علم ہوتا ہے اور یہ کہ کسی مومن میں علم و فضل اور دینداری کے باوجود ایسی کوئی خصلت پائی جا سکتی ہے جسے

جاہلیت' یہودیت یا نصرانیت سے تعبیر کیا جا سکے لیکن یہ اس شخص کے کفر و فسق کا موجب نہیں۔

۱۱۔ مبغوض ترین لوگ : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ : اللہ تعالیٰ کی نظر میں تین طرح کے لوگ زیادہ مبغوض ہیں' حرم میں بے دینی پھیلانے والا' اسلام میں جاہلی طریقہ تلاش کرنے والا اور ناحق کسی کا خون بہانے کا مطالبہ کرنے والا۔

اس حدیث میں مذکورہ تینوں اقسام کو زیادہ مبغوض اس لئے قرار دیا گیا ہے کہ فساد یا تو دین کا ہوتا ہے یا دنیا کا' دنیا کے فساد میں ناحق کسی کا قتل سب سے بڑا فساد ہے اسی لئے وہ کفر کے بعد سب سے بڑا کبیرہ گناہ ہے۔ اور دین کے فساد میں بعض کا تعلق عمل سے ہوتا ہے اور بعض کا عمل کی جگہ سے' عمل سے متعلق فساد جاہلیت کے طریقوں کی طلب ہے اور عمل کی جگہ سے متعلق فساد حرم میں بے دینی ہے اور جگہ کی بے حرمتی وقت کی بے حرمتی سے زیادہ سنگین ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ حرمت کی جگہ میں بہت سے افعال کو ممنوع قرار دیا ہے لیکن حرمت کے مہینوں میں ان کے کرنے کی اجازت ہے۔

طریقہ جاہلیت

"سنت جاہلیت" سے مراد ہر وہ عادت ہے جس پر جاہلیت کے لوگ ہوں اور وہ طریقہ زندگی بھی جو نوع انسانی کے سامنے آتا رہے' خواہ وہ اسے عبادت سے متعلق مانیں یا غیر متعلق۔ اور انہیں عادتوں اور طریقوں میں سے کسی طریقہ کے مطابق اگر کوئی شخص عمل کرے گا تو وہ سنت جاہلیت کا پیرو کہلائے گا۔ قرآن و حدیث سے عمومی طور پر ہر طریقہ جاہلیت کی پیروی مذموم و حرام قرار پاتی ہے' خواہ اس کا تعلق ان کے تہواروں سے ہو یا نہ ہو۔

لفظ جاہلیت

کتاب و سنت میں اکثر مقامات پر اس لفظ سے اس دور کی حالت مراد ہے اور کہیں کہیں وہ انسان مراد ہے جس میں وہ حالت موجود ہو۔

درج ذیل عبارتوں میں جاہلیت کا پہلا مفہوم مراد ہے :

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول : **انک امرء فیک جاھلیتہ** (تو ایسا شخص ہے جس میں جاہلیت کی عادت ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول : **انی نذ رت فی الجاھلیة ان اعتکف لیلة**۔ (میں نے جاہلیت کے دور میں ایک رات کے اعتکاف کی نذر مانی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول : **کان النکاح فی الجاھلیته علی اربعة انحاء**۔ (دور جاہلیت میں نکاح کی چار قسمیں تھیں)

صحابہ رضی اللہ عنہم کا قول : **انا کنافی جاھلیة و شر** (ہم حالت جاہلیت اور برائی میں تھے)

جاہلیت کا لفظ اصل کے اعتبار سے صفت ہے لیکن اسم کی حیثیت سے اس کا استعمال عام ہو گیا ہے۔

دوسرے مفہوم کے اعتبار سے "جاہلی جماعت" اور "جاہلی شاعر" وغیرہ ترکیبوں کا استعمال ہوتا ہے' ان میں جہل کی طرف نسبت ہے جس کا مفہوم "عدم علم" یا "عدم اتباع علم" ہے۔ حق کو نہ جاننا جہل بسیط ہے' اور حق جانتے ہوئے اس کے خلاف کہنا بھی جہل ہے۔ سورہ فرقان کی آیت ۶۳ میں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث : **اذ اکان احد کم صائما فلا یرفث ولا یجہل** میں اور عمرو بن کلثوم کے شعر **الا لا یجہلن** الخ میں لفظ جہل اسی مفہوم میں استعمال ہے۔ حق کے خلاف عمل کرنے والا بھی جاہل ہے' خواہ اسے علم ہو کہ وہ حق کے خلاف ہے۔ قرآن میں وارد ہے :

(**انما التوبة علی اللہ للذین یعملون السوء بجھالة**) النساء ۱۷

توبہ انہیں کے لئے ہے جو بغیر جانے گناہ کرتے ہیں۔

اس آیت کے ضمن میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا قول ہے کہ برائی کرنے والا ہر شخص جاھل ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس قول کا سبب یہ ہے کہ علم حقیقی اگر دل میں راسخ ہو تو اس صورت میں اس کے منافی کسی قول و فعل کا صدور محال ہوتا ہے اور اگر کوئی خلاف علم چیز صادر ہوئی تو اس کا مطلب دل کی غفلت یا مقابلہ کی کمزوری ہے اور یہ دونوں حالتیں حقیقت علم کے منافی ہیں۔ اس لئے انہیں جہل سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اس توضیح سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اعمال حقیقی طور پر ایمان میں داخل ہیں' یہ مجازی

تعبیر نہیں ہے لیکن کسی ایک عمل کا تارک کافر یا ایمان کے مفہوم سے خارج نہیں ہوتا۔ یہی حال عقل اور اس طرح کے دوسرے اسماء کا بھی ہے۔

اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مذکورہ اوصاف سے متصف افراد کو مردہ' اندھے' بہرے' گونگے' گمراہ' جاہل' نہ سمجھنے والے اور نہ سننے والے کہا ہے اور ان کے مقابلہ میں مومنوں کو اولو الالباب' اولو النہیٰ' مہتدون' روشنی والے' سننے والے اور سمجھنے والے کہا ہے۔

بعثت نبوی ﷺ سے پہلے لوگ جس جاہلیت میں تھے وہ جہل کی طرف منسوب ہے کیونکہ ان کے تمام افعال و اقوال جاہل لوگوں کے ایجاد کردہ تھے۔

انبیاء جس یہودیت اور نصرانیت کو لے کر آئے تھے اس کی مخالفت جاہلیت ہے۔ البتہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے کی جاہلیت عام تھی اور آپ ﷺ کی بعثت کے بعد کی جاہلیت عمومی نہیں بلکہ مقامات کے اعتبار سے محدود و محصور ہے۔ جیسا کہ دارالکفر میں اس کا حال ہے اس طرح یہ جاہلیت افراد کے ساتھ مختلف احوال میں خاص ہوا کرتی ہے۔ دارالاسلام میں رہنے والا شخص اگر اسلام قبول نہ کرے تو وہ بھی جاہلیت سے موصوف ہے لیکن مطلق زمانہ کا اعتبار کیا جائے تو نبی ﷺ کی بعثت کے بعد کے دور پر جاہلیت کا اطلاق صحیح نہیں' اس لئے کہ حدیث میں مذکور ہے کہ بعثت کے بعد ہر دور میں ایک جماعت حق پر قائم موجود رہے گی۔

اس طرح معلوم ہوا کہ مقید جاہلیت بعض مسلم علاقوں میں اور بہت سے مسلمانوں میں پائی جا سکتی ہے' جیسا کہ گذشتہ مثالوں سے واضح ہے۔

بعثت نبوی ﷺ کے بعد جاہلیت کا وجود کسی بھی دور میں اور کسی بھی جگہ ہو سکتا ہے اسی لئے حدیث میں : **مبتغ فی الالسلام سنة جاھلیة** (اسلام میں جاہلیت کا طریقہ ڈھونڈھنے والا) کے ضمن میں مطلق و مقید ہر طرح کی جاہلیت مراد ہے خواہ اس کا تعلق یہودیت سے ہو یا نصرانیت سے یا مجوسیت سے یا بت پرستی سے۔

۱۲- عذاب کی جگہ جانے کی ممانعت : حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ جب قوم ثمود کی بستی حجر سے گزرے تو فرمایا کہ جہاں کسی قوم کو عذاب ہوا ہو وہاں سے بغیر روئے ہوئے نہ گزرو اور اگر نہ رو سکو تو وہاں نہ جاؤ کیونکہ ڈر ہے کہ تم کو بھی وہی عذاب ہو جائے۔

اس حدیث میں عذاب اترنے والی جگہ میں کفار کی مشارکت سے روکا گیا ہے۔ پھر عمل میں ان کی مشارکت کیسے جائز ہو سکتی ہے؟

کفار کے عذاب کی جگہ جس طرح موجب عذاب بتایا گیا ہے اسی طرح عمل میں ان کی مشارکت بھی موجب عذاب ہے' کیونکہ سابقہ مسلمانوں کے عمل کے علاوہ کفار کے دوسرے اعمال یا تو معصیت ہوں گے یا کفر کا شعار یا وہ معصیت تک لے جائیں گے اور تمام صورتوں میں عمل کے اندر ان کی مخالفت جگہ کے اندر مخالفت سے زیادہ ضروری ٹھہرے گی۔ جس طرح عمل میں انبیاء' صدیقین' شہدا اور صالحین کی پیروی گھروں میں ان کی پیروی اور ان کے آثار کو دیکھنے کے مقابل زیادہ فائدہ مند ہے۔

۱۳۔ **تشبہ** کی ممانعت : مشابہت سے بچنے کی بات صراحت کے ساتھ اس حدیث سے بھی معلوم ہوتی ہے جسے ابو داؤد نے جید سند سے ذکر کیا ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی قوم کے ساتھ مشابہت اختیار کرے وہ انہیں سے ہو جائے گا۔

اس حدیث سے کم از کم **تشبہ** کی حرمت معلوم ہوتی ہے اور ظاہری الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ **تشبہ** اختیار کرنے والا کفر کا مرتکب ہو گا۔

اگر حدیث میں مذکور **تشبہ** سے مطلق **تشبہ** مراد لیا جائے تو وہ موجب کفر ہو گا اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جس کام میں ان سے مشابہت اختیار کی گئی ہے وہ اگر معصیت ہو گا تو مشابہت بھی معصیت ہو گی اور اگر وہ کفر ہو گا تو مشابہت بھی کفر ہو گی اور ہر صورت میں **تشبہ** اس لئے حرام قرار پائے گا کہ وہ **تشبہ** ہے۔

غیر مسلم کا لباس

ابو لیلیٰ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ذکر کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا عجمیوں کے ساتھ **تشبہ** سے اور فرمایا کہ جو کسی کا **تشبہ** کرے وہ انہیں میں سے ہے۔

اس حدیث سے اکثر علماء نے غیر مسلموں کے متعدد لباس کو مکروہ قرار دیا ہے۔ امام احمد نے سندھی جوتے کو مکروہ قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ وہ عجمیوں کا لباس ہے۔

بغیر ٹوپی کے عمامہ کو یہود و نصاریٰ اور مجوس کی مخالفت ہی کے خیال سے مکروہ کہا گیا

ہے۔

نماز میں آنکھ بند رکھنے کو یہود کا فعل بتا کر مکروہ کہا گیا ہے۔

اس طرح کے اقوال سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ لباس میں مسلمانوں کو مشرکین سے ممتاز رکھنا شریعت کا مطلوب ہے کیونکہ عمامہ کی مذکورہ ہیئت کے بغیر بھی عقیدہ و عمل کا فرق موجود ہے لیکن صرف اس فرق پر اکتفا نہ کر کے ظاہری حالت میں بھی فرق کا حکم دیا گیا۔

اسی طرح مرد و عورت کے مابین بھی ظاہری اور باطنی طور پر فرق مطلوب ہے۔ اسی وجہ سے جو عورتیں مردوں کی اور جو مرد عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں ان کو ملعون قرار دے کر گھروں سے نکالنے کا حکم دیا گیا ہے۔

۱۴۔ روزہ میں مخالفت : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عاشوراء (دسویں محرم) کا روزہ رکھا اور روزہ رکھنے کا حکم دیا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہود و نصاریٰ اس دن کی تعظیم کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آئندہ سال ان شاء اللہ ہم لوگ نویں تاریخ کا بھی روزہ رکھیں گے لیکن اس سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے۔ مسلم

غور کیجئے عاشورا کا دن فضیلت کا ہے' اس کے روزہ سے پچھلے ایک سال کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اس دن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ رکھا اور اس کا حکم بھی دیا لیکن وفات سے کچھ پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا کہ یہود و نصاریٰ بھی اس دن کی تعظیم کرتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مخالفت کے لئے مزید ایک دن (نویں محرم) کا روزہ ضروری قرار دیا۔

۱۵۔ بال جوڑنے میں مخالفت : حمید بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف کہتے ہیں کہ انہوں نے حج والے سال حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو منبر پر دیکھا ان کے ہاتھ میں بالوں کا ایک گچھا تھا اور وہ کہہ رہے تھے کہ : اے مدینہ والو! تمہارے علماء کہاں ہیں؟ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح کی چیزوں سے منع فرماتے ہوئے سنا ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کی عورتوں نے اس طرح کے بالوں کا استعمال کیا تو ہلاک ہو گئے۔ (بخاری و مسلم)

صحیح مسلم میں سعید بن مسیب کی روایت میں ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک دن کہا کہ : تم نے برا لباس ایجاد کیا ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹ سے منع فرمایا ہے۔

علماء کا قول ہے کہ یہود کا جو مخصوص لباس ہو' خواہ اس کے باعث ان کو عذاب ہوا ہو

یا نہ ہوا ہو' ہمیں اس سے بچنا بہتر ہے۔

۱۶۔ کپڑے میں مخالفت : ابوداؤد وغیرہ میں بسند صحیح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یا حضرت عمر نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کے پاس دو کپڑے ہوں تو ان میں نماز پڑھے' اور اگر صرف ایک کپڑا ہو تو اس کا تہہ بند بنا لے اور یہود کی طرح پورے جسم پر نہ لپیٹے۔

غور کیجئے مجبوری کی حالت میں بھی یہود کی مخالفت کا حکم ہے۔

۱۷۔ غلو کی ممانعت : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ کی صبح مجھ سے کنکری چننے کے لئے فرمایا' میں نے چن کر دیا تو فرمانے لگے کہ اسی طرح کی کنکریوں سے رمی کرنا چاہیے۔ پھر فرمایا : لوگو! دین میں غلو سے بچو' تم سے پہلے والے دین میں غلو ہی کے سبب ہلاک ہوئے (احمد' نسائی' ابن ماجہ بسند صحیح)

اس حدیث میں عقیدہ و عمل ہر طرح کے غلو سے منع کیا گیا اور غلو حد سے تجاوز کرنے کو کہتے ہیں خواہ کسی چیز کی تعریف میں تجاوز ہو یا مذمت میں۔

دوسروں کے مقابلہ میں نصاریٰ نے عقیدہ و عمل میں زیادہ غلو کیا ہے۔ سورہ نساء کی آیت (۱۷۱) میں ان کو خصوصیت کے ساتھ غلو سے روکا گیا ہے۔

اگرچہ غلو کو ہلاکت کا سبب قرار دے کر مسلمانوں کو اس سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے لیکن اس کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی ہر روش سے پرہیز کیا جائے تاکہ جن اعمال سے عذاب الٰہی کا خوف ہے اس سے بچنے میں آسانی ہو۔

۱۸۔ حدود کی تنفیذ میں مخالفت : گذشتہ قوموں میں حدود کی تنفیذ میں یہ کمی تھی کہ وہ شرفاء اور ضعفاء کے مابین تفریق کرتی تھیں' بہت سے اہل رائے اور اصحاب سیاست لوگوں کا بھی یہ خیال ہے کہ بڑے لوگوں کو حدود سے بری کرنا سیاسی طور پر مفید ہے' لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو حدود کے سلسلہ میں مساوات کا حکم فرمایا ہے۔ صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ قبیلہ بنو مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی' حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سفارش کی کہ اس پر حد نہ نافذ کی جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسامہ تم حدود الٰہی میں سفارش کرتے ہو' بنو اسرائیل اس لئے ہلاک ہوئے کہ جب کوئی معزز شخص چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے تھے اور کمزور شخص چوری کرتا تو اس پر حد جاری کرتے' بخدا

اگر فاطمہ بنت محمد ﷺ بھی چوری کرے تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دوں گا۔

بنو مخزوم قریش کا ایک باعزت قبیلہ تھا اس کے افراد نے اپنی ایک عورت کا ہاتھ کٹنے میں رسوائی محسوس کی۔ نبی ﷺ نے ان کو بتایا کہ معزز لوگوں کو سزا سے معاف کرنا بنی اسرائیل کی ہلاکت کا سبب تھا میری لڑکی فاطمہ رضی اللہ عنہا جو تمام عورتوں میں معزز ہے اگر معاذ اللہ چوری کرے تو میں اس پر بھی حد جاری کروں گا۔ اس توضیح سے نبی ﷺ نے یہ واضح فرما دیا کہ حدود میں عدل و عمومیت ہے اس سلسلہ میں نہ تو رسول ﷺ کے گھرانے کی تخصیص ہو گی نہ کسی اور کی۔

۱۹۔ **قبروں کو مسجد بنانے میں مخالفت :** صحیح مسلم میں حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بجلی سے روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ کو وفات سے پانچ روز پہلے یہ فرماتے سنا کہ : آگاہ رہو تم سے پہلے والوں نے اپنے انبیاء و صلحاء کی قبروں کو مسجد بنا لیا تھا' تم قبروں کو مسجد نہ بنانا' میں تمہیں اس سے روک رہا ہوں۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ کام کرنے والوں کی مخالفت شریعت کو مطلوب ہے۔ متعدد حدیثوں میں اس فعل کی وجہ سے یہود و نصاریٰ کو ملعون قرار دیا گیا ہے' اس سے بھی ممانعت کا علم ہوتا ہے' نبی ﷺ نے اپنے آخری ایام میں بار بار امت کو قبروں کو سجدہ گاہ بنانے سے منع فرمایا۔

صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے حبشہ میں ایک گرجا دیکھا تھا جس کی خوبصورتی اور تصویروں کا ذکر انہوں نے نبی ﷺ سے کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ : ان لوگوں میں جب کوئی نیک آدمی فوت ہو جاتا تھا تو اس کی قبر پر مسجد بنا لیتے تھے اور اس کو تصویروں سے مزین کرتے تھے یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بے حد برے ہیں۔

ایک حدیث میں رسول اللہ نے قبر کی زیارت کرنے والی عورتوں' قبروں کو مسجد بنانے اور اس پر چراغ جلانے والوں کو ملعون قرار دیا ہے۔ (ترمذی نے اس حدیث کو حسن اور ایک نسخہ میں صحیح کہا ہے)۔

قبروں پر مسجد بنانے کا فتنہ امت محمدیہ میں بھی موجود ہے اور قبروں کو کچھ تعمیر کئے بغیر بھی لوگ مسجد بناتے ہیں' جبکہ دونوں کاموں پر متعدد احادیث میں لعنت بھیجی گئی ہے۔ آئمہ

اربعہ رحمہ اللہ اور ان کے متبعین نے بھی مذکورہ فعل کی حرمت کا ذکر کیا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہ و تابعین رحمہ اللہ ایسے تمام کاموں سے سختی کے ساتھ روکتے تھے جو مذکورہ فعل کا سبب بن سکتے ہوں۔

ابو یعلیٰ رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں علی بن حسین رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ انہوں نے ایک شخص کو دیکھا کہ قبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو گوشہ ہے آ کر اس میں داخل ہو جاتا ہے اور دعا کرتا ہے' علی رضی اللہ عنہ نے اسے روکا اور کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری قبر کو میلہ نہ بناؤ اور اپنے گھروں کو قبر نہ بناؤ' تم جہاں سے مجھ پر سلام بھیجو گے مجھے پہنچے گا۔

سعید بن منصور رحمہ اللہ نے سنن میں ذکر کیا ہے کہ سہیل بن ابی سہیل کا بیان ہے کہ حضرت حسن بن حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے مجھے قبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے دیکھا وہ رات کا کھانا کھا رہے تھے' کہا کہ آؤ کھانا کھا لو' میں نے جواب دیا کہ خواہش نہیں ہے۔ انہوں نے پوچھا کہ کیوں قبر کے پاس آئے ہو؟ میں نے جواب دیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام پڑھ رہا ہوں' انہوں نے کہا کہ جب مسجد میں داخل ہوا کرو تو سلام پڑھ لو پھر کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "میری قبر کو تہوار نہ بناؤ' مجھ پر درود بھیجو' جہاں سے بھی درود بھیجو گے میرے پاس پہنچے گا"۔ مزید کہا کہ سلام بھیجنے کے مسئلہ میں مدینہ میں قریب اور دور اندلس میں رہنے والے دونوں برابر ہیں۔

اسی وجہ سے امام احمد اور دیگر آئمہ رحمہ اللہ نے وضاحت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجنے والا اگر دعا کا ارادہ رکھتا ہے تو سلام و درود سے فارغ ہو کر اسے قبلہ رخ ہونا چاہیے اور حجرہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بائیں جانب کرکے دعاء کرنی چاہیے۔

۲۰۔ **جاہلی دور کے ہر فعل کا ابطال:** صحیح مسلم میں بروایت جابر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ تاریخی خطبہ مذکور ہے جسے آپ نے حجتہ الوداع کے موقع پر دیا تھا' اس خطبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ: جاہلیت کی ہر چیز میرے قدموں کے نیچے ہے۔ اس عموم میں تمام عادتیں' عبادتیں' کسی کے نام کی پکار اور تہوار وغیرہ سب داخل ہیں۔

اس خطبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جان و مال کے احترام کی حدود کا بھی ذکر فرمایا اور جاہلی دور میں مقتولی شخص کے دعویٰ خون اور اس دور کی سودی رقم ہر ایک کو باطل قرار دیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے جاہلی دور کے وہ امور مستثنیٰ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اسلام میں باقی رکھا ہے' مثلاً مناسک' مقتول کی دیت کی مقدار اور قسامت وغیرہ کیونکہ

جاہلیت کے اصطلاحی لفظ سے وہی امور مراد ہیں جن کو اسلام نے ثابت نہیں رکھا ہے۔

۲۱۔ دس امور کی مخالفت : ابو الحصین کا بیان ہے کہ میں اپنے ساتھی ابو عامر کے ساتھ بیت المقدس میں نماز کے لئے نکلا، ہماری رہنمائی ابو ریحانہ صحابی کر رہے تھے، ابو الحصین کہتے ہیں کہ ابو عامر مجھ سے پہلے مسجد میں پہنچ گئے میں بعد میں جا کر ان کے بازو میں بیٹھا۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ ابو ریحانہ کا وعظ سنا میں نے جواب دیا کہ نہیں، انہوں نے کہا کہ میں نے ابو ریحانہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ نے دس چیزوں سے منع فرمایا ہے :

دانتوں کو باریک کرنا، گودنا، بال اکھاڑنا، مرد کا مرد کے ساتھ ننگا سونا، عورت کا عورت کے ساتھ ننگی سونا، مرد کا کپڑوں کے نیچے ریشم پہننا، دونوں کندھوں پر ریشم لگانا، لوٹ کا مال استعمال کرنا، چیتے پر سوار ہونا، انگوٹھی پہننا ایسے شخص کا جو حاکم نہ ہو۔ ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ

۲۲۔ ناخن سے ذبح کرنا : صحیحین میں رافع بن خدیج سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ کل دشمنوں سے مقابلہ ہے اور ہمارے پاس چھری نہیں ہے کیا بانس سے ذبح کر سکتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ : دانت اور ناخن کے علاوہ خون بہانے والی جس چیز سے جانور ذبح کیا جائے اور اس پر اللہ کا نام لے لیا جائے اسے کھا سکتے ہو۔ دانت تو ہڈی ہے اور ناخن حبشیوں کی چھری ہے۔

اس حدیث میں ناخن سے ذبح کی ممانعت اس سبب سے کی گئی کہ وہ حبشیوں کا طریقہ ہے، مشابہت سے بچنے کا پہلو اس میں بھی نمایاں ہے۔

۲۳۔ بتوں کے نام پر جانور چھوڑنا : صحیحین میں حضرت سعید بن مسیب کا قول مذکور ہے کہ : بحیرہ ایسی اونٹنی کو کہتے ہیں جس کا دودھ بتوں کے لئے خاص کر دیا جائے اور کوئی اسے نہ دوہے اور سائبہ وہ جانور جس سے لوگ کام نہ لیں بلکہ بتوں کے لئے اسے چھوڑ رکھیں۔ مزید کہا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : میں نے عمرو بن عامر خزاعی کو دیکھا کہ جہنم میں اپنی آنتیں گھسیٹ رہا ہے، یہ پہلا شخص ہے جس نے جانوروں کو بتوں کے لئے چھوڑنے کا رواج دیا۔

صحیح مسلم کی حدیث میں عمرو بن لحی کے آنتیں گھسیٹنے کا ذکر ہے۔

عمرو بن لحی کے سلسلہ میں مشہور ہے کہ اس نے سب سے پہلے شام سے بت لا کر

کعبہ کے گرد نصب کیا اور جانوروں کو آزاد کرنے' بکرے اور اونٹ کو بتوں کے نام پر چھوڑنے کا رواج دیا۔ اس سے پہلے عرب والے ابراہیم علیہ السلام کی لائی ہوئی شریعت توحید کو مانتے تھے' پھر عمرو بن لحی کے نقش قدم پر چل پڑے۔ جو مکہ کا ایک بڑا شخص تھا' اس کے قبیلہ خزاعہ والے قریش سے پہلے بیت اللہ کے متولی تھے' پورے عرب کے لوگ مکہ والوں کے نقش قدم پر چلتے تھے کیونکہ بیت اللہ کے مکہ میں واقع ہونے سے ان کا مقام بلند تھا' یہیں پر حج لگتا تھا۔ عمرو نے شام میں بت پرستی دیکھی اور عقل سے اسے مستحسن سمجھ کر مکہ میں رائج کیا اور جانوروں کو بتوں کے لئے آزاد کرنے میں اس نے اللہ کی تعظیم سمجھی اور یہیں سے عربوں میں شرک کا آغاز ہوا اور سب سے پاکیزہ سر زمین اس عظیم گناہ سے ملوث ہو گئی' جب اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ تو آپ ﷺ نے دین ابراہیمی کو زندہ فرمایا' توحید کو پھیلایا اور مشرکوں کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال ٹھہرایا۔ سورہ انعام کی آیت (۱۳۶ تا ۱۴۸) میں مذکورہ امور ہی کا بیان ہے۔

تشبہ کی مضرت

عربوں میں جانوروں کو حرام قرار دینے کا اصول از راہ تدین مباح چیزوں کو چھوڑ دینے کے جذبہ سے پیدا ہوا تھا اور اس تدین کی جڑ کفار کے ساتھ تشبہ ہے خواہ اس کا قصد نہ کیا جائے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے دین و شریعت کے مٹنے اور کفر و معصیت کے پھیلنے کا اصل سبب کفار کی مشابہت ہے جیسا کہ انبیاء علیہم السلام کی سنتوں کی محافظت ہر بھلائی کی جڑ ہے۔ اسی وجہ سے دین میں بدعتوں کی خرابی زیادہ ہے خواہ اس میں کفار کی مشابہت نہ ہو اور جب بدعت و مشابہت دونوں باتیں جمع ہو جائیں تو پھر خرابی اور بڑھ جاتی ہے۔ اس لئے حدیث میں آیا ہے کہ : جب لوگ بدعت ایجاد کرتے ہیں تو اس کے مثل ایک سنت اٹھالی جاتی ہے۔

۲۴۔ **ازان کی تشریع میں غیر مسلموں کی مخالفت** : ابو داؤد نے سنن میں انصاری کی ایک حدیث ذکر کی ہے جس میں وارد ہے کہ نبی ﷺ نماز کے لئے لوگوں کو جمع کرنے کے سلسلہ میں فکر مند تھے کہ کس طرح جمع کیا جائے ایک رائے یہ تھی کہ نماز کے وقت ایک

جھنڈا نصب کر دیا جائے جسے دیکھ کر لوگ دوسروں کو بتاتے ہوئے مسجد میں آ جائیں' اس رائے کو آپ ﷺ نے پسند نہیں فرمایا پھر لوگوں نے یہود کے بگل یا سنکھ کا ذکر کیا' آپ ﷺ نے اسے بھی ناپسند فرمایا اور فرمایا کہ وہ یہود کی چیز ہے' پھر لوگوں نے ناقوس (گھنٹہ) کا ذکر کیا آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ نصاریٰ کا فعل ہے' اتنی بات کے بعد عبداللہ بن زید بن عبدربہ واپس آ گئے۔ انہیں بھی وہی فکر دامن گیر تھی جو رسول اللہ ﷺ کو تھی' پھر انہیں خواب میں اذان دکھائی گئی اور انہوں نے آ کر نبی ﷺ کو اس خواب اور اذان کی کیفیت بتائی۔ ان سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی خواب میں اذان کا یہی طریقہ دیکھا تھا لیکن بیس روز تک انہوں نے کسی سے اس کا ذکر نہیں کیا تھا جب نبی ﷺ کو خبر دی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے کیوں ہمیں نہ بتایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ عبداللہ نے سبقت کی تو میں شرم میں پڑ گیا' دونوں صحابیوں' کی بات سن کر نبی ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کا حکم فرمایا۔

اس حدیث سے صاف طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ بگل اور ناقوس کو اختیار نہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ ان کا یہود و نصاریٰ سے تعلق تھا۔ لہذا ان سے متعلق کسی بھی چیز کو امت مسلمہ کا اختیار صحیح نہیں ہو گا۔ نماز کے علاوہ بھی یہود و نصاریٰ کی مذکورہ چیزوں کا استعمال جائز نہ ہو گا کیونکہ مشابہت کی علت یہاں بھی موجود ہے۔

اسلام کا شعار صرف اذان ہے جس میں اللہ کے ذکر کا اعلان ہے اس کے لئے آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں' شیطان بھاگتا ہے اور رحمت الٰہی نازل ہوتی ہے۔

امت محمدیہ میں بادشاہ اور دوسرے لوگ سرود و غناء میں یہود و نصاریٰ کا طریقہ اختیار کرتے ہیں لیکن نبی ﷺ نے مسلمانوں کو اسی چیز سے منع فرمایا ہے۔

مسلمانوں میں جب یہود و نصاریٰ اور روم و ایران کی مشابہت عام ہو گئی اور انہوں نے اسلام کی روش کو چھوڑ کر اللہ اور رسول ﷺ کی مخالفت کا راستہ اختیار کر لیا تو ان کے اوپر ترک کافروں کو مسلط کر دیا گیا جنہوں نے مسلم ملکوں میں وہ کچھ کیا جس کی نظیر نہیں ملتی۔

عہد نبوی ﷺ اور اس کے بعد مسلمان لڑائی کے وقت پر سکون ہو کر اللہ کا ذکر کرتے تھے۔ مشہور تابعی قیس بن عباد کہتے ہیں صحابہ رضی اللہ عنہم ذکر الٰہی کے وقت اور لڑائی اور جنازہ کے موقع پر آواز کو پست رکھنا مستحب سمجھتے تھے۔ اسی طرح دوسرے آثار سے بھی معلوم ہوتا

ہے کہ صحابہ ایسے موقعوں پر اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی تعظیم و اجلال نماز کی طرح کا کرتے تھے جبکہ اہل کتاب اور اہل عجم ان موقعوں پر آواز بلند کرنے کے عادی تھے۔

۲۵۔ مزدلفہ سے واپسی میں مخالفت : حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ جاہلیت کے لوگ مزدلفہ سے سورج نکلنے سے پہلے نہیں لوٹتے تھے' ان کا قول تھا کہ : **اشرق ثبیر' کیما نغیر** (اے سورج نکل تا کہ ہم لوٹ پاٹ کریں) نبی ﷺ نے ان کی مخالفت فرمائی اور مزدلفہ سے سورج طلوع ہونے سے قبل واپس ہوئے۔

اس واقعہ سے بھی صاف طور پر علم ہوتا ہے کہ مذکورہ فعل میں مشرکین کی مخالفت مقصود و مطلوب تھی۔

۲۶۔ سونے چاندی کے برتنوں کا استعمال : حذیفہ بن یمان کا بیان ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا : سونے چاندی کے برتنوں میں نہ کھاؤ پیو' وہ دنیا میں کافروں کے لئے اور آخرت میں تمہارے لئے ہیں۔ متفق علیہ

کفار کا لباس

حضرت عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے زرد رنگ کے دو کپڑے پہنے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ یہ کافروں کے لباس میں سے ہے اسے نہ پہنو۔ مسلم

اس حدیث میں اس بات کی تصریح ہے کہ زرد رنگ کے لباس سے روکنے کی علت یہ ہے کہ وہ کفار کا لباس ہے خواہ وہ اسے حلال سمجھ کر استعمال کرتے ہوں یا ازراہ عادت استعمال کرتے ہوں۔

صحیحین میں ابو عثمان نہدی کی روایت ہے کہ ہم عتبہ بن فرقد کے ساتھ آذربیجان میں تھے' حضرت عمرؓ نے اپنے مکتوب میں لکھا کہ : عتبہ! یہ دولت تمہارے ماں باپ کی کمائی ہوئی نہیں ہے' جس طرح تم اپنی رہائش گاہ میں آسودہ ہوتے ہو اسی طرح تمام مسلمانوں کو آسودہ کرو' اور عیش پرستی' مشرکین کے لباس اور ریشمی لباس سے بچو' کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ریشم پہننے سے منع فرمایا ہے۔ مگر انگل دو انگل۔

حضرت حذیفہ بن الیمانؓ ایک گھر میں گئے وہاں سونے اور سیسے کے لوٹے نظر آئے تو اندر نہیں گئے اور فرمایا کہ جو کسی قوم سے مشابہت اختیار کرے وہ انہیں میں سے ہے۔

علی بن صالح کا بیان ہے کہ ہم لوگ ایک ولیمہ کی دعوت میں تھے' امام احمد بن حنبل وہاں تشریف لائے' اندر گئے تو انہیں وہاں ایک کرسی نظر آئی جس پر چاندی لگی ہوئی تھی اسے دیکھ کر واپس ہو گئے گھر والا جلدی سے آیا اور امام احمد کو واپس لانا چاہا' انہوں نے اس کے منہ کے پاس ہاتھ لیجا کر کہا کہ مجوسیوں کا فیشن ہے' مجوسیوں کا فیشن۔

ایک روایت میں مذکور ہے کہ امام احمد اگر دعوت میں کوئی نشہ کی چیز یا سونے چاندی کے برتن یا دیواروں کی کپڑوں سے آرائش دیکھتے تھے تو بغیر کھائے ہوئے واپس چلے جاتے تھے۔

مشابہت سے بچنے کے سلسلہ میں کتاب و سنت میں مزید جو احکام آئے ہیں ان کے تذکرہ سے کتاب طویل ہو گی اس لئے ہم مذکورہ حصہ پر اکتفاء کرتے ہیں۔

۳۔ کفار و مشرکین کی مخالفت کے دلائل اجماع سے

دلیل اجماع کی کئی صورتیں ہیں :

پہلی صورت : ذمیوں کے لئے پابندی

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور بعد کے ائمہ و فقہاء نے نصرانی اور غیر نصرانی ذمیوں کے لئے جو شرائط مقرر کی تھیں ان میں تمام ذمی اس بات کا اقرار کرتے تھے کہ :

ہم مسلمانوں کا احترام کریں گے اگر وہ مجلس میں بیٹھنا چاہیں تو ان کے لئے جگہ خالی کر دیں گے۔ ٹوپی' عمامہ' جوتا اور بالوں کی مانگ یا کسی اور لباس میں ان کی مشابہت اختیار نہ کریں گے' ان کی زبان نہ بولیں گے' ان کی کنیت اختیار نہ کریں گے' سواری پر زین نہ رکھیں گے' تلوار نہ لٹکائیں گے اور کوئی ہتھیار نہ رکھیں گے' انگوٹھی پر عربی عبارت کندہ نہ کرائیں گے' شراب کی فروخت نہ کریں گے' سر کے اگلے حصہ کے بال کاٹیں گے' اپنے لباس اور ہیئت کی پابندی کریں گے' کمر پر زنار باندھیں گے' گرجوں پر اور مسلمانوں کے راستوں اور بازاروں میں صلیب نہ نصب کریں گے' گرجوں میں بلند آواز سے گھنٹے نہ بجائیں گے۔ مردے لے کر جاتے ہوئے آواز نہ بلند کریں گے' مسلمانوں کے راستوں میں

آگ نہ روشن کریں گے۔ حرب نے باسناد جید روایت کیا ہے۔

اسی طرح کی روایت خلال کی بھی ہے' لیکن ترتیب اور الفاظ کا کچھ اختلاف ہے۔

کتب فقہ وغیرہ میں ان شرائط کا ذکر عام طور پر ہوا ہے تمام علماء کا ان پر اتفاق ہے۔

ان شرائط میں سے بعض کا مقصود تو یہ ہے کہ مسلمانوں کو کفار سے بال' لباس' نام' سواری اور گفتگو وغیرہ میں ممتاز رکھا جائے تاکہ ظاہری تشابہ وجود میں نہ آئے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور عام مسلمانوں کی منشا یہ تھی کہ عام روش اور طریقوں میں امتیاز ضروری ہے اس طرح کفار سے ممتاز ہونے پر اجماع ثابت ہوا' بعد کے دور میں حق پرست امراء و حکام امتیاز کے مسئلہ میں شیخین رضی اللہ عنہما ہی کے نقش قدم پر چلتے رہے۔

ابو الشیخ نے اپنی اسناد سے محمد بن قیس اور سعد بن عبدالرحمٰن سے روایت کیا' وہ دونوں کہتے ہیں قبیلہ بنو تغلب کے کچھ لوگ عمر بن عبدالعزیز کے پاس عربوں جیسے عمامے پہن کر آئے اور کہا کہ امیر المومنین! ہمیں عربوں کے ساتھ ملا دیجئے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ کہا بنو تغلب سے ہمارا تعلق ہے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیا تم اشراف عرب میں سے نہیں ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم نصرانی ہیں' حضرت عمر نے قینچی منگا کر ان کی پیشانی کا بال کاٹ دیا' عمامہ اتروا دیا اور ہر ایک کی چادر کو بقدر ایک بالشت پھاڑ دیا اور فرمایا کہ زین پر سواری نہ کرو بلکہ اس کے لئے پالان استعمال کرو اور سواری پر دونوں پیر ایک طرف کرکے بیٹھو۔

معمر بیان کرتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز نے لکھا کہ : تمہارے پاس جو لوگ ہیں ان کو منع کر دو کہ کوئی نصرانی قبا نہ پہنے نہ ریشمی کپڑے استعمال کرے' نہ عمامہ باندھے' اس مسئلہ میں سختی کرو اور سب کو میرے حکم کی اطلاع بھیج دو' مجھے معلوم ہوا ہے کہ نصاریٰ عمامے باندھنے لگے ہیں' کمر پر پٹکے باندھنا چھوڑ دیا ہے' سروں پر لمبے بال رکھتے ہیں اور اسے کاٹتے نہیں' تمہارے سامنے ایسے افعال کا وقوع تمہاری کمزوری اور عاجزی کی دلیل ہے' میں نے جن چیزوں سے روکا ہے ان کا خیال رکھو اور کسی کو ان کے کرنے کی اجازت نہ دو۔

خلیفہ جعفر بن محمد المتوکل نے بھی اپنی خلافت میں ذمیوں کے ساتھ اسی طرح کا معاملہ کیا تھا اور اس سلسلہ میں امام احمد بن حنبل سے مشورہ بھی کیا تھا۔

ان شرائط میں یہ تذکرہ بھی ہے کہ ذمی لوگ اپنے مذہب کی منکر و قبیح باتوں کو چھپا کر

انجام دیں۔ مثلاً شراب' آگ اور میلے اور مذہبی شعار کو بھی چھپا کر رکھیں گے۔

اس طرح ہم دیکھ سکتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کے عہد کے مسلمان اور بعد کے دور کے تمام علماء اور حکام میں سے' جنہیں اللہ نے توفیق دی ہے سب اس بات پر متفق ہیں کہ اہل ذمہ دار الاسلام میں علانیہ طور پر اپنے مذہب کے مخصوص کام کا مظاہرہ نہ کریں گے' پھر اگر انہیں کاموں کو خود مسلمان انجام دینے لگیں تو یہ کتنی بڑی خرابی ہو گی!

مذکورہ شرائط کا مدعا یہ بھی ہے کہ اہل ذمہ کے مذہبی میلوں اور تہواروں میں شرکت کر کے ان کو عزت و تقویت نہ دی جائے۔

دوسری صورت: صحابہ و تابعین کی طرف سے مذکورہ قاعدہ کی پابندی

قیس بن حازم کی روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قبیلہ احمس کی ایک عورت زینب کو دیکھا کہ وہ بات نہیں کرتی' سبب پوچھا تو معلوم ہوا کہ خاموش حج کی نذر مانی ہے' آپ نے اس سے کہا کہ بات کرو خاموشی جائز نہیں' یہ جاہلی دور کا کام ہے۔ بخاری شریف

اس عبارت میں نہی کا سبب جاہلیت سے تعلق ہے اور اس سے ہر وہ کام مراد ہے جسے دور جاہلیت کے لوگ کرتے ہوں اور اسلام نے اسے مشروع نہ قرار دیا ہو۔

دور جاہلیت کے ممنوع کام

نماز میں سیٹی اور تالی بجانا' محرم کا دھوپ سے نہ بچنا' اور مستعمل کپڑوں میں طواف نہ کرنا بھی جاہلیت کے کام ہیں جنہیں اسلام نے مشروع نہیں بتایا ہے۔

لباس میں احتیاط

امام احمد نے مسند میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ: ازار' چادر' جوتے' موزے اور پاجامے استعمال کرو' زین استعمال کرو' کودنے کی عادت ڈالو' عربوں کے لباس لازم پکڑو' نشانہ بازی کرو' عیش پرستی چھوڑ دو' عجمیوں کی ہیئت اختیار نہ کرو' ریشم کے کپڑوں سے بچو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے البتہ انگل دو انگل میں حرج

نہیں۔

اس قول سے بھی واضح ہوتا ہے کہ شکل و صورت اور عادات و اطوار میں عجمیوں اور مشرکوں کے طور طریقوں سے بچنا ضروری ہے۔

یہود کی مشابہت سے پرہیز

مسند احمد میں عبید بن آدم وغیرہ کی جس روایت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سفر شام کا واقعہ مذکور ہے اس میں یہ بھی ذکر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کس جگہ نماز پڑھیں؟ کعب نے جواب دیا کہ میرے خیال میں آپ صخرۃ (چٹان) کے پیچھے نماز پڑھیے۔ اس طرح پورا قدس آپ کے سامنے ہو گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم یہود کی مشابہت کر رہے ہو' میں **صخرہ** کے پیچھے نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز پڑھنے کی جگہ نماز پڑھوں گا' پھر قبلہ کی جانب بڑھے اور نماز ادا کی۔

غور کیجئے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے استقبال **صخرہ** میں یہود کی مشابہت کے مشورہ کو ناپسند کیا کیونکہ اس سے ان لوگوں کی مشابہت ہو رہی تھی جو اسے تا حال قبلہ مانتے ہیں' جبکہ مسلم مصلی کا قصد یہ نہیں ہوتا کہ اسے قبلہ مانے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کارنامہ

کفار و مشرکین کی مخالفت کے سلسلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سیاست انتہائی ٹھوس تھی' انہوں نے اسلام کی شوکت کو قائم کیا اور کافروں کو سر اٹھانے کی مہلت نہ دی' ہر ایسے کام کو بند کیا جس سے اسلام میں کمزوری کا اندیشہ تھا' اس معاملہ میں وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پورے پابند تھے' تمام معاملات میں اسلام کی طرف سبقت کرنے والے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کرتے تھے' اسی وجہ سے اہل کتاب کے ساتھ شرائط میں انہیں کی شرطوں پر اعتماد کیا جاتا ہے' کسی کافر کو مسلمانوں کے معاملات میں امین بنانے سے انہوں نے منع کیا' اہل بدعت کو پنپنے کا موقع نہ دیا بلکہ ان کے لئے ذلت و رسوائی کی تدبیر اختیار کی۔ کفار کے تہواروں میں شرکت اور عجمیوں کی زبان استعمال کرنے سے روکا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی خلافت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کا طریقہ اختیار کیا اور یہی

حال حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تھا۔

چنانچہ سنن میں سعید نے یہ روایت ذکر کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کچھ لوگوں کو کپڑا لٹکائے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ: انہیں کیا ہوا ہے؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہود ہیں جو توراۃ کے مدرسوں سے اٹھ کر آئے ہیں۔

کپڑا لٹکانے والوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہود سے تشبیہ دے کر اس فعل کی کراہت کا اظہار کیا جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہود کی مشابہت کو ناپسند کرنا ان کے نزدیک معروف تھا

دیگر صحابہ کا رویہ

خلفاء راشدین کی طرح تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی کفار و مشرکین کی مخالفت کا ثبوت ملتا ہے' حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا قول گزر چکا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کسی نے حقنہ کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ شرمگاہ نہ کھولو اور مشرکین کے طریقہ پر نہ چلو۔

ابو داؤد نے حجاج بن حسان کی روایت ذکر کی ہے کہ ہم لوگ حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک کے پاس گئے' میرے بھائی کا بیان ہے کہ تمہارے سر پر دو جوڑے تھے' حضرت انس نے سر پر ہاتھ پھیرا' برکت کی دعا کی' پھر فرمایا کہ ان جوڑوں کو کاٹ دو' یہ یہود کی شکل ہے۔

اس قول میں منع کا سبب یہود کی ہیئت سے مشابہت کو بتایا گیا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بال یا کسی اور چیز میں یہود کی ہیئت کو اختیار کرنا ممنوع ہے۔

قبروں کا برابر رکھنا

ابن ابی عاصم نے معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ قبروں کو زمین کے برابر رکھنا سنت ہے' یہود و نصاریٰ قبروں کو اونچی کرتے ہیں' تم ان کی مشابہت نہ اختیار کرو۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اشارہ صحیح مسلم کی روایت کی طرف ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کو برابر رکھنے کا حکم فرمایا ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت بھی مذکور ہے جس میں ان کا بیان ہے کہ مجھے

نبی ﷺ نے حکم فرمایا تھا کہ اونچی قبر کو برابر کر دوں اور تصویروں کو مٹا دوں۔

نماز میں کمر پر ہاتھ رکھنا

حضرت عائشہ سے ثابت ہے کہ وہ نماز میں کمر پر ہاتھ رکھنے کو مکروہ فرماتی تھیں اور کہتی تھیں کہ یہود کی مشابہت اختیار نہ کرو۔

برجیوں کی ممانعت

سعید بن منصور نے حضرت عبداللہ بن عمر کے متعلق بیان کیا کہ انہوں نے جعفہ کی ایک مسجد میں ایک خاص قسم کی برجیاں یا دیوار سے زائد ستون دیکھے تو مسجد کے متولی سے کہا کہ یہ جاہلیت کے دور کی کھڑی علامتوں سے مشابہ ہیں' انہیں توڑ ڈالو۔

سعید ہی نے حضرت ابن مسعود کا قول ذکر کیا ہے کہ وہ طاق (محراب) میں نماز کو مکروہ کہتے تھے اور اہل کتاب کی مشابہت سے منع فرماتے تھے۔

جن امور کا ہم نے ذکر کیا ہے ان میں بعض مشہور کے درجہ کو پہنچے ہوئے ہیں اور ہمارے علم میں کوئی ایسا آدمی نہیں جو کافروں اور عجمیوں کی مشابہت کو صحابہ ﷺ کے اجمالی طور پر مکروہ سمجھنے کا مخالف ہو' البتہ بعض متعین مسائل میں کسی اختلاف و تاویل کی گنجائش ہو سکتی ہے۔ لہذا یہ ثابت ہوا کہ صحابہ کرام ﷺ متفقہ طور پر کافروں اور عجمیوں کی مشابہت کو ناپسند کرتے تھے۔

تیسری صورت: ائمہ کا کافروں کی مخالفت پر اتفاق

متقدمین علماء اسلام اور ائمہ نے مختلف امور سے روکنے کی توجیہہ میں کافروں' نصرانیوں اور عجمیوں کی مخالفت کا ذکر کیا ہے' ایسے اقوال بہت زیادہ ہیں جن پر غور کرنے سے بدیہی طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ ائمہ کافروں اور عجمیوں کی مخالفت پر متفق ہیں اور ان کی مخالفت کا حکم دیا ہے۔

امام ابو حنیفہ کی رائے

امام ابو حنیفہ ﷫ کے مذہب کا یہ ثابت شدہ قاعدہ ہے کہ چند مقامات کو چھوڑ کر نماز کو

موخر کرنا اس میں جلدی سے بہتر ہے۔ پھر آگے تفصیل کرتے ہیں کہ مغرب کی نماز کو جلد پڑھنا مستحب ہے کیونکہ تاخیر مکروہ ہے' اس میں یہود کی مشابہت لازم آتی ہے دیگر ائمہ کا بھی یہی قول ہے۔

فقہاء حنفیہ کا قول ہے کہ اگر نماز کی حالت میں **مصلی** کے سامنے قرآن یا تلوار لٹکی ہوئی ہو تو کوئی حرج نہیں' کیونکہ ان چیزوں کی عبادت نہیں کی جاتی کہ مشابہت کا اندیشہ ہو اور تصویر والے فرش پر نماز پڑھنے میں بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ اس سے تصویروں کی توہین ہوتی ہے۔ البتہ تصویر پر سجدہ کرنا صحیح نہیں کیونکہ اس میں اس کی عبادت کی مشابہت ہے۔

ان کا یہ بھی قول ہے کہ تصاویر والا لباس پہننا مکروہ ہے۔ کیونکہ اس میں بتوں کو ساتھ رکھنے والوں کی مشابہت ہے۔

ان کا یہ قول بھی ہے کہ شک کے دن کا روزہ رمضان کی نیت سے رکھے تو مکروہ ہے کیونکہ اس میں اہل کتاب کی مشابہت ہے' انہوں نے اپنے روزہ کی مدت میں اضافہ کر لیا تھا۔

ان فقہا نے یہ بھی کہا کہ جب سورج غروب ہو جائے تو امام اور تمام حجاج عرفات سے واپس مزدلفہ آئیں کیونکہ اس طرح مشرکین کی مخالفت ہوتی ہے۔

نیز کہا کہ: سونے چاندی کے برتنوں کو کھانے پینے' تیل یا خوشبو لگانے کے لئے استعمال کرنا جائز نہیں کیونکہ اس سے صراحت کے ساتھ روکا گیا ہے اور اس میں مشرکوں کی ہیئت سے مشابہت اور بے جا خرچ کرنے والے عیش پرستوں کی ریس ہے۔

ریشمی کپڑے کی ممانعت کے سلسلہ میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ پر جو دلیل قائم کی ہے اس کی توجیہہ کرتے ہوئے فقہاء حنفیہ نے لکھا ہے کہ ایسے کپڑے کو بچھانا اور پردہ کے لئے استعمال کرنا اس لئے منع ہے کہ یہ کسریٰ اور دوسرے جابروں کی ہیئت ہے اور ان کی مشابہت حرام ہے۔

حنفی مذہب میں اس طرح کی اور بھی بہت سی توجیہات موجود ہیں۔

امام مالک رحمہ اللہ کی رائے

امام مالک اور ان کے متبعین کے مذہب میں غیر مسلموں کی مشابہت سے بچنے کی تاکید

اور زیادہ ہے۔ مدونہ میں ابن قاسم کی روایت کے مطابق امام مالک رحمہ اللہ کا یہ قول مذکور ہے کہ : احرام' دعا اور قسم میں مسلمان کسی عجمی زبان کا استعمال نہیں کرے گا۔

نیز کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عجمیوں کی گفتگو سے منع فرمایا اور کہا کہ یہ فساد ہے

اور کہا: شنبہ و یکشنبہ کو اہل کتاب جس طرح کام چھوڑ دیتے ہیں۔ اس طرح جمعہ کو مسلمانوں کا کام چھوڑنا مکروہ ہے۔

اور کہا: عورت کا شوہر کے لئے کھڑا ہونا جابروں کا فعل ہے' اگر کسی شخص کی آمد پر لوگ کھڑے ہو جائیں تو یہ منع ہے اس میں اہل کتاب اور عجمیوں کی مشابہت ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے متبعین میں کچھ لوگوں نے لباس اور تہوار میں کفار کی مشابہت اختیار کرنے والوں کی تکفیر کی بات بھی کی ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ اور ان کے متبعین کا مذہب اس سلسلہ میں احناف کے مذہب سے بھی زیادہ سخت ہے۔

شوافع کی رائے

امام شافعی رحمہ اللہ کے متبعین نے مشابہت سے بچنے کے قاعدے کا تذکرہ متعدد مقامات پر کیا ہے۔ مخصوص اوقات میں نماز سے ممانعت کی توجیہہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان اوقات میں مشرکین سورج کو سجدہ کرتے ہیں۔

سحری میں دیر کرنے کی توجیہہ کی ہے کہ ہمارے اور اہل کتاب کے روزوں میں اسی کا فرق ہے۔

مزید کہا کہ : مشرکین عرفات میں آفتاب زرد ہونے تک ٹھہرتے تھے اور مزدلفہ سے آفتاب نکلنے کے بعد لوٹتے تھے حدیث نبوی میں ان کی مخالفت کا حکم دیا گیا۔

لباس پر کلام کے ضمن میں لکھا کہ : ذمیوں کو لباس میں مسلمانوں کی مشابہت سے روکنا چاہیے اور مسلمانوں کو بھی ان کی مشابہت سے بچنا چاہیے مسلمانوں اور کافروں کی علامتوں میں فرق ضروری ہے۔

شوافع میں ایک جماعت نے تو مبالغہ میں اہل بدعت کے شعار کی مشابہت سے بھی روکا ہے' مثلاً قبروں کو کوہان نما بنانا' امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کا مذہب ہے کوہان نما بنانا افضل ہے اور بعض شواہد میں برابر کرنے کو افضل کہتے ہیں۔

لیکن شوافع میں سے ایک جماعت یہ بھی کہتی ہے کہ اگر روافض قبروں کو برابر کرتے ہوں تو پھر ان کو کوہان نما بنانا چاہیے۔

اور جب اہل بدعت کی مشابہت کے سلسلہ میں یہ سختی ہے تو پھر کافروں کی مشابہت کے سلسلہ میں کس قدر سختی ہو گی؟

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی رائے

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے متبعین کے ایسے اقوال جن میں کفار و مشرکین کی مشابہت سے روکا گیا ہے بہت زیادہ ہیں۔

خضاب کے سلسلہ میں ان کا قول ہے کہ میں اسے پسند کرتا ہوں تاکہ اہل کتاب کی مشابہت نہ ہو۔

گدی کا بال مونڈنے کو مکروہ بتاتے ہوئے اس کی توجیہہ کی کہ یہ مجوس کا فعل ہے اور کہا کہ : میں چرچرانے والا جوتا مکروہ سمجھتا ہوں کیونکہ وہ عجمیوں کی پسند ہے۔

انہوں نے مہینوں کے عجمی ناموں اور لوگوں کے فارسی ناموں کو بھی مکروہ قرار دیا ہے۔

حرب کرمانی کا بیان ہے کہ میں نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ اس کا پٹکا باندھ کر آدمی نماز پڑھ سکتا ہے؟ جواب دیا کہ قبا پر پٹکا باندھنے میں حرج نہیں لیکن قمیض پر باندھنا مکروہ ہے' کیونکہ یہ یہود کا فعل ہے۔

ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ : اصحاب احمد کمر پر اہل کتاب کی طرح پٹکا باندھنے کو مکروہ سمجھتے ہیں لیکن عدم مشابہت کی صورت میں صحیح اور منصوص یہ ہے کہ نماز میں مکروہ نہیں بلکہ وسیع گریبان والی قمیض یا کرتہ ہو تو پٹکا باندھنا ضروری ہے تاکہ شرمگاہ نظر نہ آئے۔

فقہاء حنابلہ وغیرہ جن میں شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل ہیں کہتے ہیں کہ : مکروہ لباسوں میں ایک لباس وہ ہے جو عربوں کے لباس کے خلاف اور عجمیوں کی ہیئت کے مشابہ ہو۔ شیخ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ ہیں : **ویکرہ کل ما خالف ذی العرب و شابہ ذی الا عاجم**۔

سر مونڈنے کو مکروہ قرار دینے کی توجیہہ یہ بتائی گئی ہے کہ اس میں عجمیوں کی مشابہت ہے۔

ائمہ اربعہ کے علاوہ دیگر ائمہ کے اقوال بھی اس سلسلہ میں بہت زیادہ ہیں' ان میں سے بعض کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔ مجموعی طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ اہل کتاب اور عجمیوں کی مشابہت کو مکروہ سمجھنے پر امت کا اجماع ہے' بعض جزئیات میں اختلاف صرف اس وجہ سے ہے کہ ان کا کفار کی روش سے ہونا مختلف فیہ ہے' لیکن اگر یہ متعین ہو جائے کہ کوئی فعل کفار کی روش میں داخل ہے تو اس کی مخالفت پر سب کا اتفاق ہے۔

فصل

شیاطین کی مخالفت کا حکم

جس طرح شریعت نے کفار کی مخالفت کا حکم دیا اس طرح شیاطین کی مخالفت کا حکم دیا ہے صحیح مسلم میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی بائیں ہاتھ سے نہ کھائے نہ پیئے' کیونکہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا اور پیتا ہے۔

اس حدیث میں بائیں ہاتھ کو کھانے پینے میں استعمال کرنے سے روکنے کا سبب یہ بتایا گیا ہے یہ شیطان کا کام ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شیطان کی مخالفت مقصود و مطلوب ہے۔

دین میں نقص والوں کی مخالفت

عرب کے بدوؤں میں کچھ ایسے تھے جو ایمان لائے تھے لیکن ہجرت نہیں کی تھی ان کے متعلق سورہ توبہ کی آیت (۹۷) میں ارشاد ہے :

(گنوار کفر اور نفاق میں بہت سخت ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر جو حکم اتارے ہیں ان کو نہ جاننے کے وہ زیادہ لائق ہیں (کیونکہ جہالت ان کے خمیر میں ہے)

شریعت نے ان کی مخالفت کا بھی حکم دیا ہے' صحیح مسلم میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بدو لوگ نماز کے نام میں تم پر غالب نہ آ جائیں' خبردار وہ عشاء ہے۔

بخاری میں عبداللہ بن مغفل سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ بدو مغرب کی نماز کے نام میں تم پر غالب نہ آ جائیں' بدو عشاء کہتے ہیں۔

دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ گنواروں کی موافقت میں مغرب اور عشاء کا نام عشاء اور عتمہ رکھنا مکروہ ہے' اس کراہت کے باعث بعض علماء اس نام کا مطلق استعمال مکروہ سمجھتے ہیں اور بعض لوگ اس کی زیادتی کو ناپسند کرتے ہیں اور دونوں صورتوں میں گنواروں کی موافقت کی ممانعت ثابت ہوتی ہے جس طرح عجمیوں کی موافقت سے روکا گیا ہے۔

فصل

دلائل تشبہ کے مخالفین کی تردید

اگر کوئی سوال کرے کہ کفار و مشرکین کی مخالفت کے مذکورہ دلائل کی درج ذیل امور سے مخالفت ہوتی ہے:

اول یہ قاعدہ کہ گذشتہ شریعت ہمارے لئے بھی شریعت کا حکم رکھتی ہے بشرطیکہ ہماری شریعت میں دوسرا مخالف حکم نہ وارد ہو۔

دوم اللہ تعالیٰ نے سورہ انعام (۹۰) میں نبی ﷺ کو سابقہ نبیوں کی اقتداء کا حکم فرمایا ہے۔

سوم سورہ نحل میں ملت ابراہیمی کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔ (۱۲۳)

چہارم سورہ مائدہ (۴۴) میں ذکر ہے کہ اللہ کے تابعدار پیغمبر یہود کو توراۃ کے ذریعہ حکم دیتے تھے۔

پنجم صحیحین میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مدینہ کے یہود کے عاشوراء کا روزہ رکھنے کا ذکر ہے' اس میں نبی ﷺ نے فرمایا کہ: ہم یہود کے مقابلہ میں موسیٰ سے زیادہ قریب ہیں' پھر آپ ﷺ نے روزہ رکھا اور اس کا حکم بھی فرمایا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کی دوسری متفق علیہ روایت میں مذکور ہے کہ اہل کتاب بالوں کو لٹکاتے تھے اور مشرکین مانگ ڈالتے تھے اور نبی ﷺ کو جن معاملات میں کوئی حکم نہیں ملتا تھا ان میں اہل کتاب کی موافقت کو پسند فرماتے تھے لہٰذا آپ نے پیشانی کا بال لٹکایا پھر بعد میں مانگ نکالی۔

مذکورہ شبہ کا جواب

سابقہ شریعتوں کا ہمارے لئے شریعت بننا دو مقدموں پر موقوف ہے اور وہ دونوں **تشبہ** کے مسئلہ میں موجود نہیں ہیں۔

پہلا مقدمہ

سابقہ شریعت ہمارے لئے اس وقت شریعت کا حکم رکھے گی جبکہ معتبر طور پر اس کا شریعت ہونا ثابت ہو جائے' مثلاً قرآن یا حدیث میں اس کا ذکر ہو' یا بتواتر منقول ہو' محض ان کے قول یا ان کی کتاب کی جانب رجوع کافی نہیں' نبی ﷺ اگر ان سے کوئی بات پوچھتے تھے تو اس میں یہ اندیشہ نہ تھا کہ وہ لوگ آپ ﷺ سے جھوٹ بول کر دھوکہ دیدیں گے لیکن ہمارا حال مختلف ہے اس لئے نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ اہل کتاب تم سے بات کریں تو ان کی تصدیق یا تکذیب نہ کرو۔

دوسرا مقدمہ

دوسری بات یہ کہ ہماری شریعت میں اس مسئلہ کے لئے خاص بیان نہ ہو اگر ہماری شریعت میں کسی بھی فعل سے متعلق موافق یا مخالف بیان موجود ہو گا تو ایسی صورت میں سابقہ شریعت کی طرف دیکھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

حدیث عاشوراء کے متعلق یہ واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس دن کا روزہ یہود سے دریافت کرنے سے پہلے رکھتے تھے اور قریش والے بھی اس دن کا روزہ رکھتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک متفق علیہ حدیث میں اس کا بصراحت ذکر ہے۔ لہٰذا اس روزہ کی اصل اہل کتاب کی موافقت نہیں اور موسیٰ علیہ السلام سے قربت کا جو ذکر آپ ﷺ نے فرمایا اس سے روزہ کی تاکید اور موسیٰ علیہ السلام کی موافقت کا اظہار مقصود ہے۔

بہرصورت نبی ﷺ نے عاشوراء کے روزہ سے متعلق جو کچھ فرمایا اور شریعت کی طرف سے کسی حکم کے نہ ہونے کی صورت میں آپ ﷺ کی طرف سے اہل کتاب کی موافقت کا جو ذکر کیا گیا اس کا جواب درج ذیل ہے۔

موافقت منسوخ ہے

اول یہ کہ موافقت کا واقعہ پہلے کا ہے' بعد میں اللہ تعالیٰ نے اسے منسوخ فرما کر اہل کتاب کی مخالفت کا حکم فرمایا' جیسا کہ بال کو لٹکانے سے متعلق حدیث میں ذکر ہوا اور جس طرح قبلہ کے سلسلہ میں پہلے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے مسلمان نماز پڑھتے تھے پھر کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم ہوا اور اس سلسلہ میں اعتراض کرنے والے یہودیوں کو سفہاء (بے وقوف) کے لفظ سے یاد کیا گیا۔ اسی لئے نبی ﷺ نے نویں تاریخ کے روزہ کا حکم یہود کی مخالفت کے لئے دیا۔

ایک بات اور غور طلب ہے نبی ﷺ کی طرف سے اہل کتاب کی موافقت کا قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے۔ موسیٰ سے قربت والی حدیث کے راوی بھی وہی ہیں اور وہی عاشوراء کے روزہ میں یہود کی مخالفت کا جملہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے زیادہ اہتمام کرتے تھے اور اس کا حکم دیتے تھے۔

حاصل یہ کہ یہود وغیرہ کے ساتھ **تشبہ** اور موافقت کے جو اقوال و واقعات مذکور ہیں ان کا تعلق ہجرت کے ابتدائی دور سے ہے جب مسلمانوں کو پوری طرح قوت حاصل نہیں ہوئی تھی' جب دین کو قوت حاصل ہو گئی تو موافقت کا حکم منسوخ کر دیا گیا۔

اس دور میں اس کی مثال یوں دیکھ سکتے ہیں کہ آج جو شخص کفار کے ملکوں میں رہتا ہے ظاہری روش میں انکی مخالفت کا پابند نہیں کیونکہ اس سے نقصان کا اندیشہ ہے بلکہ اگر دینی فائدہ کی توقع ہو تو ظاہری روش میں ان کی موافقت مطلوب ہو گی' مثلاً اسلام کی اشاعت' حالات سے واقفیت اور مسلمانوں کو ان کے شر سے بچانا وغیرہ۔

ہاں اگر مسلمان دار الاسلام میں ہوں جہاں اسلام کو اقتدار و غلبہ حاصل ہو تو ایسے ملک میں کفار و مشرکین کی مخالفت شریعت کا ضروری حکم ہے۔

نبی ﷺ کی خصوصیت ہے

دوم یہ کہ اگر موافقت کے حکم کو منسوخ نہ مانا جائے تو پھر یہ کہا جائے گا کہ چونکہ نبی ﷺ کو وحی کے ذریعہ حق و باطل کا علم ہو جاتا تھا اس لئے آپ ﷺ سے اگر کسی معاملہ میں موافقت ثابت ہو تو ہم اس کی پابندی کریں گے لیکن اپنی رائے سے کسی معاملے میں ان کی

روش اختیار نہ کریں گے کیونکہ اس میں کھلے طور پر دین کا نقصان ہے۔ لہٰذا آج اگر کوئی شخص کہے کہ ہمارے لئے آج کے اہل کتاب کی موافقت مستحب ہے تو بلا شبہ ایسا شخص دین سے خارج ہو گا۔

امت کے عمل کی پابندی

سوم یہ کہ جب نبی ﷺ کسی حکم کے نہ ہونے کی صورت میں اہل کتاب کی موافقت کو پسند فرماتے تھے پھر آپ ﷺ نے ان کی مخالفت کا حکم فرمایا اور ہمیں اپنی اور اپنے اصحاب کی روش پر چلنے کی تاکید فرمائی تو اس سے ثابت ہوا کہ سلف کے طریقہ کے خلاف ہم کسی معاملہ میں اہل کتاب کی موافقت نہیں کر سکتے البتہ سلف نے جو طریقہ اختیار کیا ہے ہم کو بھی اس کی پابندی کا حکم ہے' خواہ اہل کتاب اس کو کریں یا نہ کریں۔

فصل

کفار کے اعمال کی تقسیم

کتاب و سنت' اجماع و آثار اور علماء امت کے فیصلوں پر مشتمل ہم ایسے دلائل ذکر کر چکے ہیں جن سے اجمالی طور پر کفار کے ساتھ مشابہت کی ممانعت سمجھ میں آتی ہے اور یہ واضح ہوتا ہے کہ حالات کے مطابق وجوبی یا استحبابی طور پر ان کی روش سے بچنا ضروری ہے اور اس سلسلہ میں یہ ملحوظ رکھنا بھی مناسب ہے کہ کفار کی روش میں ان کی مشابہت قصداً ہو یا بغیر قصد کے' دونوں صورتیں ممنوع ہیں۔

اب یہ جاننا ضروری ہے کہ کافروں کے عمل تین قسم کے ہو سکتے ہیں:

پہلی قسم ان اعمال کی ہے جو ہمارے دین میں بھی مشروع ہیں' خواہ وہ کافروں کے لئے مشروع ہوں یا نہ' لیکن وہ انہیں کرتے ہوں۔

دوسری قسم ان اعمال کی ہے جو مشروع تھے لیکن قرآن نے انہیں منسوخ کر دیا۔

تیسری قسم ایسے اعمال کی ہے جو کسی بھی وقت مشروع نہ تھے بلکہ کافروں نے خود ایجاد کر لئے۔

اعمال کی یہ تینوں قسمیں عبادات' عادات اور دونوں کے مجموعہ سے متعلق ہو سکتی ہیں'

لہٰذا کل نو (۹) قسمیں ہو جائیں گی۔

پہلی قسم میں وہ اعمال آئیں گے جو دونوں شریعتوں میں مطلوب ہوں' یا صرف اسلام میں مشروع ہوں لیکن کفار بھی انہیں کرتے ہوں جیسے دسویں محرم کا روزہ اور نماز و روزہ۔ ان اعمال میں مخالفت صرف عمل کی صفت اور کیفیت میں ہو گی' جیسا کہ نبی ﷺ نے دسویں محرم کے ساتھ نویں محرم کے روزہ کا افطار اور مغرب کی نماز میں جلدی کا سحری میں دیر کرنے کا اور یہود کی مخالفت میں جوتوں میں نماز ادا کرنے کا حکم فرمایا۔ عبادات اور عادات میں ایسا بہت ہوا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ : ہمارے لئے بغلی قبر ہے اور دوسروں کے لئے صدوقی۔

یہ بھی مسنون ہے کہ مسلمانوں کی قبروں کا رخ کعبہ کی طرف ہو تاکہ وہ کفار کی قبروں سے ممتاز رہیں' دفن کا تعلق ان مشروع امور سے ہے جو عادات کے قبیل سے ہیں اور مختلف شریعتوں میں اس کی مختلف صفت وارد ہے نیز اس میں عبادات کا پہلو بھی ہے اور جوتے میں نماز کے اندر عبادت و عادت دونوں حیثیتیں موجود ہیں۔ نماز کے وقت جوتا نکالنا موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں مطلوب تھا۔ اسی طرح حائضہ عورتوں سے علیحدگی کا بھی حکم تھا۔ اصل کے لحاظ سے ہماری شریعت نے بھی یہ احکام دیئے البتہ کیفیت و صفت میں اختلاف کو ملحوظ رکھا۔

دوسری قسم ان اعمال کی ہے جنہیں مشروع ہونے کے بعد کلی طور پر منسوخ کر دیا گیا' جیسے سنیچر سے متعلق حکم اور نماز و روزہ کا وجوب۔ ایسے اعمال میں کفار کی مخالفت کا حکم واضح ہے ان میں سے جو اعمال واجب ہیں وہ عبادت سے اور جو حرام ہیں وہ عادات سے متعلق ہوں گے۔ ایسی صورت میں تدین کے طور پر کسی شخص کے لئے جائز نہ ہو گا کہ وہ چربی اور ناخن والے جانور کے کھانے سے باز رہے۔

کفار کے تہواروں میں عبادت اور عادت دونوں پہلو ہیں کیونکہ مشروع تہوار میں نماز' ذکر' صدقہ اور قربانی ہوتی ہے جس سے وہ عبادت میں داخل ہوتا ہے اور انسانی کھانے پینے اور لباس وغیرہ میں وسعت کرتا ہے اور اس حیثیت سے وہ تہوار عادات میں شمار کیا جاتا ہے۔

اسی وجہ سے عید کے روز گانے والی لڑکیوں کو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے منع کیا تو نبی ﷺ

نے فرمایا کہ چھوڑ دو' یہ عید کا دن ہے۔ عید کے دن حبشیوں کی نیزہ بازی اور نبی ﷺ کے ان کو دیکھنے کا ذکر بھی حدیث میں موجود ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مشروع تہواروں میں ایسی عبادتیں واجب یا مستحب ہوتی ہیں جو دوسرے دنوں میں نہیں ہوتیں اور اسی طرح عادات سے متعلق نفس کو محظوظ کرنے والے کام بھی مستحب یا واجب ہوتے ہیں۔ عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ میں اسی لئے روزہ سے منع کرکے ایک میں صدقہ کا اور دوسرے میں قربانی کا حکم دیا گیا ہے اور یہ دونوں حکم کھانے سے متعلق ہیں۔ اس طرح کی منسوخ عبادتوں یا عادتوں میں کفار کی موافقت مشروع افعال میں ان کی موافقت سے زیادہ قبیح ہے۔

تیسری قسم ان عبادتوں اور عادتوں کی ہے جنہیں کفار نے ایجاد کیا ہے ان میں زیادہ قباحت ہے کیونکہ کسی نبی کے ذریعہ یہ مشروع نہیں ہیں۔

ایک ضابطہ یہ ہے کہ جن عادات و عبادات میں کفار کی مشابہت کی جاتی ہے وہ اس امت میں بدعت کی حیثیت رکھتے ہیں اور بدعت کی قباحت شرعی دلائل سے ثابت ہے پھر اگر بدعت کے ارتکاب میں کفار کی مشابہت بھی ہو تو ان کی ممانعت زیادہ سخت ہو جائے گی۔

دوسرا باب

تہواروں میں کفار کی مشابہت منع ہے

تہواروں میں کفار کی مشابہت کے جائز نہ ہونے کی دو دلیلیں ہیں۔

پہلی دلیل

پہلی دلیل عام ہے یعنی ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ جو چیزیں ہمارے دین اور ہمارے اسلاف کی عادتوں میں نہیں ہیں ان کے اندر اہل کتاب کی موافقت سے بگاڑ پیدا ہوتا ہے اور موافقت کو ترک کرنے سے اصلاح ہوتی ہے۔

رسول اکرمؐ کی حدیث : "**من تشبه بقوم فهو منهم**" (جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی اس کا شمار اسی قوم سے ہو گا) سے مطلق مشابہت کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔

حدیث نبوی : "**خالفوا المشركين**" (مشرکین کی مخالفت کرو) سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ اس طرح کی بہت سی دلیلیں پہلے بھی مذکور ہو چکی ہیں اور ان کی رو سے تہواروں میں مشابہت کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔

دوسری دلیل

دوسری دلیل کفار کے تہواروں کے ساتھ خاص ہے اور اس میں کتاب و سنت اور اجماع و اعتبار شامل ہیں۔

قرآنی دلیل

سورہ فرقان کی آیت (۷۲) میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ :

(اور جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے' یا جھوٹ فریب نہیں کرتے اور جب بیہودہ کام پر آ نکلیں تو عزت بچا کر چل دیتے ہیں)

ابو بکر خلال نے جامع میں محمد بن سیرین کا قول نقل کیا ہے کہ : "زور" سے عیسائیوں کا تہوار مراد ہے۔ مجاہد نے مشرکین کا تہوار مراد لیا ہے یہی قول ربیع بن انس سے بھی ضروری ہے۔ عطاء بن یسار سے حضرت عمر کا قول مروی ہے کہ عجمیوں کی غلط کلامی سے بچو اور مشرکین کے تہواروں کے موقع پر ان کی عبادت گاہوں میں نہ جاؤ۔

جن مفسرین نے "زور" کی تفسیر شرک' دور جاہلیت کے ایک بت' بیہودہ گوئی کی مجالس یا غناء سے کی ہے اس سے کوئی اعتراض نہیں وارد ہوتا کیونکہ ہر شخص نے مخاطب کے لحاظ سے زور کی کسی ایک قسم کا نام لے لیا ہے تحدید و حصر مقصود نہیں۔

"زور" کے مذکورہ مفہوم کی توجیہ یہ ہے کہ اس میں کسی چیز کو اس کے حقیقی رخ سے ہٹا کر ایک اچھی شکل میں پیش کیا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے علماء سلف نے اس کی تشریح ایسی چیز سے کی ہے جس کا ظاہر کسی شبہ یا شہوت کے سبب اچھا معلوم ہو لیکن باطن میں وہ چیز قبیح ہو' چنانچہ شرک کسی شبہ کے باعث اور غناء شہوت کے باعث اچھا معلوم ہوتا ہے۔

اور مشرکین کے تہواروں میں شبہ اور شہوت دونوں پہلو ہوتے ہیں اسی لئے ان کو باطل قرار دیا گیا ہے ان میں کوئی دینی فائدہ نہیں ہوتا اور فوری طور پر جس لذت کا احساس ہوتا ہے اس کا انجام تکلیف کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور اسی وجہ سے ان پر "زور" کا حکم لگایا گیا ہے۔

مذکورہ آیت میں "زور" کی عدم حاضری پر بندوں کی تعریف کی گئی ہے جس سے تہواروں میں حاضر نہ ہونے کی ترغیب سمجھ میں آتی ہے اور ان تہواروں کو "زور" کے نام سے موسوم کرنے سے ان میں شرکت کی کراہت بھی ثابت ہوتی ہے۔

مذکورہ آیت سے تہواروں میں حاضری حرام قرار پائے یا مکروہ یا اس کا ترک مستحب ٹھہرے' ہر صورت میں مقصود حاصل ہو جاتا ہے' یعنی کفار کی موافقت سے بچنا مستحب ہوتا ہے۔

حدیث کی دلیل

انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو دیکھا کہ اہل مدینہ دو مخصوص دنوں میں کھیلتے کودتے ہیں آپؐ نے سوال فرمایا کہ یہ کیسے دن ہیں؟ لوگوں نے جواب دیا کہ جاہلیت کے دور سے ہم ان دنوں میں کھیلتے آئے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ ان کے بدلہ میں تمہیں عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے دو دن دیئے گئے ہیں جو تمہارے دنوں سے بہتر ہیں۔ ابو داؤد

چونکہ رسول اللہؐ نے اہل جاہلیت کے تہواروں کو برقرار نہ رکھا اور ان کی جگہ پر دوسرے دو دنوں کی تعین فرمائی اس لئے ثابت ہوا کہ تہواروں میں کفار کی مخالفت شریعت میں مطلوب ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے مذکورہ ارشاد کے بعد جاہلیت کے مذکورہ دونوں تہواروں کی کوئی حیثیت نہ رہی۔ عہد نبویؐ' خلافت راشدہ اور اس کے بعد بھی کبھی کسی نے ان تہواروں کا اہتمام نہیں کیا اور وہ ہمیشہ کے لئے مردہ ہو گئے' اگر آپ ان دنوں میں ان کے معروف کھیل کود سے انہیں منع نہ فرماتے تو وہ اپنی عادت پر باقی رہتے' کیونکہ عادتیں کسی بدلنے والی طاقت کے بغیر بدلتی نہیں ہیں' خصوصا عورتیں' بچے اور بہت سے دوسرے لوگ کھیل کود والے دنوں کے منتظر رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تہواروں سے متعلق عادتوں سے لوگوں کو بادشاہ اور سرداران قوم روک نہیں پاتے۔ طبیعتوں میں اس کا تقاضا سخت ہوتا ہے' عام طور پر لوگ ان تہواروں کو منانے کے لئے مستعد رہتے ہیں۔ اگر نبیؐ نے سختی کے ساتھ ان دونوں سے منع نہ فرمایا ہوتا تو وہ ضرور باقی رہتے خواہ کمزور ہی صورت میں۔ اس لئے معلوم ہوا کہ نبیؐ کی طرف سے ممانعت سخت تھی اور سخت ممانعت والی ہر چیز حرام ہوتی ہے۔

اہل کتاب کے تہوار جن کا ثبوت ہم مانتے ہیں ان کی خرابی اہل جاہلیت کے تہواروں کی خرابی سے بڑھی ہوئی ہے جن کا ثبوت ہمیں تسلیم نہیں کیونکہ امت کو یہود و نصاری کی مشابہت سے روکا گیا ہے اور خبر دی گئی ہے کہ مسلمانوں کا ایک طبقہ اس ممنوع کام کا ارتکاب کرے گا لیکن جاہلیت کے سلسلہ میں ایسے کسی اندیشہ کا اظہار نہیں کیا گیا ہے البتہ یہ ذکر ہے کہ آخری زمانہ میں جاہلی دین لوٹ آئے گا لیکن اس وقت میں اہل ایمان کم ہوں گے لہذا اس برائی کے اثرات اور نقصانات بھی کم ہوں گے۔

ذبیحہ کی نذر

ابو داؤد نے ثابت بن ضحاک کی روایت ذکر کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں ایک شخص نے نذر مانی کہ وہ مقام بوانہ میں اونٹ ذبح کرے گا' پھر رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر اس نذر کا ذکر کیا۔ آپؐ نے سوال فرمایا کہ کیا اس مقام پر جاہلیت کے کسی بت کی پوجا ہوتی تھی؟ جواب ملا کہ نہیں' پھر آپؐ نے پوچھا کہ کیا وہاں ان کا کوئی میلا لگتا تھا' لوگوں نے جواب دیا کہ نہیں' تب رسول اللہؐ نے فرمایا کہ اپنی نذر پوری کرو کیونکہ جب نذر سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی لازم آتی ہو اس کا پورا کرنا ضروری نہیں اور ایسی نذر پوری نہ کی جائے گی جو انسان کے دائرہ اختیار سے باہر ہو۔

اس حدیث کی اصل صحیحین میں ہے اور یہ اسناد صحیحین کی شرط پر ہے اس کے تمام راوی ثقہ اور مشہور ہیں اسناد متصل اور عنعنہ سے خالی ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل جاہلیت جس مقام پر تہوار منائیں یا جہاں ان کا کوئی بت ہو اس جگہ جانور ذبح کرنا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے اور اس کی وجوہ درج ذیل ہیں :

۱۔ آپؐ نے سائل کو نذر پوری کرنے کا حکم اس وقت فرمایا جب یہ یقین ہو گیا کہ وہ مقام جاہلیت کے بت سے خالی ہے اور اس جگہ ان کا کوئی میلہ بھی نہیں لگتا۔

۲۔ پھر آپؐ نے وضاحت فرمائی کہ اللہ کی نافرمانی کرکے نذر پوری کرنا غلط ہے' اس سے معلوم ہوا کہ جن اوصاف کی بابت آپؐ نے سائل سے دریافت فرمایا تھا ان کا موجود ہونا نذر کی تکمیل کو حرام قرار دینے کا باعث ہے۔

۳۔ اگر تہوار کی جگہ ذبح کرنا جائز ہوتا تو آپؐ سائل کو بغیر کچھ پوچھے ہوئے اجازت دے دیتے' جیسا کہ دف بجانے کی نذر ماننے والی عورت کو اجازت عطا فرمائی تھی۔ بلکہ ایسی نذر کو پورا کرنا واجب فرماتے۔ غور طلب امر یہ ہے کہ جب کفار کے تہوار کی جگہ جانور ذبح کرنا منع ہے تو ان کے تہوار سے متعلق بعض افعال میں ان کی موافقت کیسے جائز ہو گی؟

تہوار کے لئے عربی زبان میں "عید" کا لفظ آتا ہے جس میں لوٹ کر آنے کا مفہوم ہے' تہوار سال' مہینہ یا ہفتہ میں لوٹ کر آتا ہے لوگ اکٹھا ہو کر اسے مناتے ہیں اور عبادات و عادات سے متعلق اعمال انجام دیتے ہیں۔ تہوار کا تعلق جس طرح وقت سے ہوتا ہے اسی طرح جگہ سے بھی ہوتا ہے اور جب کسی جگہ کو کفار اپنے تہوار کے لئے مخصوص کر

لیں گے تو پھر اس مقام پر کسی مسلمان کے لئے اپنی نذر پوری کرنا جائز نہ ہو گا کیونکہ تہوار منانے کے لئے کسی جگہ کی تخصیص میں اس کی تعظیم کا پہلو ہے اگر مسلمان بھی وہاں پر نذر کا جانور ذبح کریں گے تو اس سے اس جگہ کی تعظیم کا تصور ہو گا اور کفر کو تقویت حاصل ہو گی۔

تہوار کی جگہ یا بتوں کے پاس ذبح سے منع کرنے کا سبب جگہ کی تخصیص یا کسی فعل میں کفار کی مخالفت جو بھی ہو' یہ ملحوظ رکھنا چاہیے کہ اگر کسی مقام پر تہوار منانے والے کافر اسلام قبول کر لیں تو ایسی صورت میں بھی اس جگہ پر ذبح کرنا جائز نہ ہو گا کیونکہ اس میں اندیشہ ہے کہ پرانا تصور ذہن میں لوٹ آئے اور دوبارہ لوگ اس مقام کو تہوار بنا لیں۔

اسلام میں اہل کتاب اور امی کافروں کے تہواروں کا حکم ایک ہی ہے' جس طرح دونوں فرقوں کا کفر حرمت میں برابر ہے۔ خواہ شدت و ضعف میں ان میں اختلاف ہو۔

اسلام نے اہل کتاب کو ان کے دین اور تہواروں پر برقرار رکھا ہے بشرطیکہ وہ انہیں بے جا طور پر نمایاں نہ کریں لیکن امیوں کے سلسلہ میں یہ بات نہیں ہے۔ اہل کتاب کے تہوار جنہیں وہ دین و عبادت کے طور پر مناتے ہیں' حرمت میں ان تہواروں سے بڑھے ہوئے ہیں جنہیں کھیل کود کے طور پر منایا جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مبغوض و ناپسندیدہ عمل سے اس کی عبادت کرنا حرام فعل کے ذریعہ شہوت کی تکمیل سے زیادہ برا ہے اسی وجہ سے شرک کا گناہ زنا سے زیادہ بتایا گیا ہے اور بت پرستوں سے جہاد کے مقابلہ میں اہل کتاب سے جہاد افضل مانا گیا ہے اور جن مسلمانوں کو اہل کتاب کے ہاتھوں شہادت نصیب ہو ان کا اجر دو چند ہے۔

جزیرہ عرب میں کفار کا بول بالا ہونے کا اندیشہ نہ تھا پھر بھی اسلام نے بت پرستوں کے تہواروں سے متعلق سخت رویہ اختیار کیا تاکہ ان کی کسی روش میں مسلمان ملوث نہ ہوں لیکن اہل کتاب کے طور طریقے سے ملوث ہونے کا خطرہ موجود تھا اس لئے رسول اکرمؐ نے ان سے بچنے کی زیادہ سخت تاکید فرمائی۔

جاہلیت کے تہوار

مختلف حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل جاہلیت مختلف تہوار مناتے تھے جو نبیؐ کی

بعثت کے بعد ختم ہو گئے اگر آپؐ نے ان تہواروں سے منع نہ فرمایا ہوتا تو لوگ ان کو مناتے رہتے کیونکہ ان میں انسانی طبائع کے لئے تفریح کے پہلو موجود تھے۔

اسلام کے بعد ان تہواروں کے ختم ہو جانے سے قطعی طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ رسول اکرمؐ نے مسلمانوں کو کافروں کے تہواروں سے وضاحت کے ساتھ منع فرما دیا تھا اور اہل کتاب کو ان کے دین پر برقرار چھوڑنے کا یہ مطلب نہیں کہ امت مسلمہ کے لئے ان کے تہواروں میں شرکت مباح ہے کیونکہ اہل کتاب کا کفر و عصیان سب کو معلوم ہے پیغمبر اسلامؐ ان کی مشابہت و پیروی کو اپنی امت کے لئے کبھی گوارا نہیں فرما سکتے۔

انصار کی بچیوں کا گیت

صحیحین میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ حضرت ابو بکرؓ میرے پاس آئے۔ اس وقت انصار کی دو لڑکیاں یوم بعاث سے متعلق انصار کے کہے ہوئے گیت گا رہی تھیں لیکن وہ پیشے کے طور پر گانے والی لڑکیاں نہ تھیں ابو بکرؓ نے کہا کہ کیا رسول اللہؐ کے گھر میں شیطانی گیت گایا جائے گا؟ یہ عید کا موقع تھا' رسول اللہؐ نے فرمایا کہ : ابوبکر! ہر قوم کی ایک عید ہوتی ہے اور یہ ہماری عید ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ : ہر قوم کی عید ہوتی ہے اور ہماری عید آج کے دن ہے۔

صحیحین ہی میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ ابوبکر! انہیں چھوڑ دو' یہ عید کے دن ہیں۔ یہ واقعہ ایام منیٰ کا ہے۔

اس حدیث کی دلالت کے درج ذیل وجوہ ہیں :

۱۔ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ : **ان لکل قوم عیدا' وھذا عیدنا**۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر قوم اپنی عید سے مختص ہے جیسے قرآن میں فرمایا گیا کہ :

"ہر دین والے کا ایک قبلہ ہے جدھر وہ منہ پھیرتا ہے"۔ (البقرۃ ۱۴۸)

اور فرمایا :

"ہم نے تم میں سے ہر ایک کو ایک راہ اور شریعت دی" (المائدہ ۴۸)

اس فرمان سے معلوم ہوا کہ ہر قوم کے ساتھ اس کی شریعت اور قبلہ خاص ہے لہٰذا یہود کے ساتھ ان کی عید اور نصاریٰ کے ساتھ ان کی عید خاص ہے' ہمارا اس میں ان کے

ساتھ شریک ہونا صحیح نہیں، جس طرح ہم انہیں اپنے قبلہ اور شریعت میں شریک نہیں کرتے اسی طرح اپنی عید میں شرکت کا موقع بھی نہ دیں گے۔

۲۔ رسول اللہؐ کے قول (و ھذا عیدنا) اور (وان عیدنا ھذا الیوم) سے حصر سمجھا جا رہا ہے یعنی ہماری عید دن کے اندر محصور ہے اور ہمارے لئے اس کے سوا کوئی اور عید نہیں۔ اب اس حکم میں دونوں عیدیں اور ان کے تمام احکام و اعمال داخل ہوں گے۔

عقبہ بن عامر کی روایت میں ہے کہ نبیؐ نے فرمایا کہ عرفہ کا دن، قربانی کا دن اور منیٰ کے دن (۱۱، ۱۲، ۱۳ ذی الحجہ) ہم مسلمانوں کی عید ہیں اور یہ کھانے پینے کے دن ہیں (ابو داؤد، نسائی، ترمذی)

آپؐ کا یہ ارشاد اس بات کی دلیل ہے کہ تہوار کے معاملہ میں ہم دوسروں سے مختلف ہیں اور ہمارے تہوار مذکورہ پانچ دنوں کے ساتھ مختص ہیں یعنی ان میں زمانی و مکانی دونوں عیدیں جمع ہیں۔

۳۔ نبیؐ نے عید کی وجہ سے لڑکیوں کو دف بجانے اور گانے کی اجازت دی تھی اس کا معنی یہ ہوا کہ یہ اجازت مسلمانوں کی عید کے ساتھ خاص ہے، کافروں کے تہوار پر ایسا نہیں کیا جائے گا کیونکہ ہر قوم کا تہوار ان کے ساتھ مخصوص ہے اور اس کے مخصوص احکام ہیں لہٰذا جو مسلمانوں کی عید کے لئے جائز ہے وہ غیر مسلموں کے تہوار کے لئے جائز نہ ہو گا، ورنہ **تشبہ** کی ممانعت کا کوئی معنی نہ ہو گا۔

جزیرہ عرب اور یہود و نصاریٰ

سر زمین عرب میں یہود و نصاریٰ سکونت پذیر تھے، حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں ان کو وہاں سے نکالا۔ نبیؐ کے عہد میں مدینہ میں یہود زیادہ تھے آپؐ نے ان سے معاہدہ بھی کیا تھا لیکن وہ لوگ عہد پر قائم نہ رہے مدینہ سے مختلف اوقات میں ان کو نکالا گیا پھر بھی ان میں سے کچھ لوگ وہاں باقی تھے کیونکہ مذکور ہے کہ نبیؐ کی وفات کے وقت آپؐ کی زرہ ایک یہودی کے یہاں رہن تھی۔ یمن میں یہود کی، نجران وغیرہ میں نصاریٰ کی اور بحرین میں ایرانیوں کی تعداد زیادہ تھی۔ ظاہر ہے یہ سب لوگ اپنے اپنے تہوار مناتے تھے اور اس موقع پر اپنے مذہب و رواج کے مطابق کھانے پینے اور کھیلنے کودنے کا اہتمام کرتے تھے اور

خاص طور پر بچوں اور عورتوں کو ایسے کاموں سے زیادہ دلچسپی تھی۔

لیکن سیرۃ و تاریخ سے واقفیت رکھنے والے جانتے ہیں کہ مسلمان عہد نبوی میں کفار کے کسی تہوار میں شریک نہیں ہوتے تھے' نہ ان کے کسی عمل کو خود کرتے تھے اگر نبیؐ نے ان کو ایسا کرنے سے منع نہ کیا ہوتا تو پھر ان کے باز رہنے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی کیونکہ بعض لوگ فطری طور سے ایسے موقعوں پر اپنے ہم وطن افراد کا ساتھ دیا کرتے ہیں لیکن جب کسی سے ایسا منقول نہیں تو اس سے یقین ہو جاتا ہے کہ شرعی طور پر ان کو اس طرح کے کاموں سے روک دیا گیا تھا اور مسلمانوں کی یہی روش خلفاء راشدین کے دور میں بھی قائم رہی۔

اس سلسلہ میں بعض لوگوں کی بابت مذکور ہے کہ وہ کافروں کے تہوار کو تفریح کے طور پر دیکھنے جاتے تھے لیکن حضرت عمرؓ اور بعض دوسرے صحابہ نے انہیں اس کام سے منع کیا ایسی صورت میں یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ اس دور میں کوئی مسلمان کفار کے کسی عمل کا ارتکاب کرتا بلکہ اس سلسلہ میں تو یہ مذکور ہے کہ بعض مسلمان کفار کی ممانعت میں ان کے تہوار کے دن مخصوص طور پر روزہ رکھتے تھے لیکن انہیں فقہاء نے ایسا کرنے سے اس لئے منع کر دیا کہ اس سے ان کے تہوار کی تعظیم کا پہلو نکلتا ہے اور اس موقف سے صاف طور پر واضح ہو جاتا ہے کہ مسلمانوں کو نبیؐ سے یہ تعلیم ملی تھی کہ کافروں کے تہواروں میں شرکت نہ کریں۔

جمعہ کی عید

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبیؐ نے فرمایا کہ ہم پچھلے لوگ قیامت کے دن آگے رہیں گے البتہ یہود و نصاریٰ کو ہم سے پہلے کتاب ملی ہے اور ہمیں بعد میں۔ اس دن کو اللہ تعالیٰ نے ان پر فرض کیا تھا لیکن وہ اختلاف کا شکار ہو گئے پھر اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کی جانب رہنمائی فرمائی اور لوگ اس معاملہ میں ہمارے تابع بن گئے یہود اگلے دن اور نصاریٰ اس کے بعد۔ (متفق علیہ)

ابو ہریرہؓ اور حذیفہؓ کا بیان ہے کہ نبیؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے پہلے لوگوں کو جمعہ سے بھٹکا دیا چنانچہ یہود نے سنیچر کا دن اور نصاریٰ نے اتوار کا دن مقرر کر لیا' جب اللہ

تعالیٰ نے ہم کو پیدا کیا تو جمعہ کی طرف ہماری رہنمائی فرمائی اب ترتیب جمعہ' سینچر' اتوار کی ہوئی' اسی طرح وہ لوگ قیامت کے دن ہمارے پیچھے ہوں گے' ہم دنیا میں بعد میں آئے اور قیامت کے دن آگے ہوں گے۔ ہمارا فیصلہ جملہ مخلوق سے قبل ہو گا (مسلم)

متعدد مقامات پر نبیؐ نے جمعہ کو عید کے نام سے یاد فرمایا ہے اور اسی لئے تنہا اس دن روزہ سے منع فرمایا ہے۔

اور جب ہفتہ وار عید میں اس طرح ہر قوم کی تخصیص ہو گئی تو ایک دوسرے کی عید میں شرکت کا سوال بھی ختم ہو گیا۔ اہل کتاب کی عید عربی تاریخ کے حساب سے تھی لیکن اسلام نے اس میں مسلمانوں کی شرکت سے منع کر دیا تو جو عجمی تہوار دوسری تاریخوں کے حساب سے منائے جاتے ہیں ان کے لئے اجازت کا سوال کیسے پیدا ہو گا؟

اہل کتاب کی عید میں روزہ

ابن عباسؓ کے غلام کریب کا بیان ہے کہ مجھے عباس اور کچھ صحابہ نے ام سلمہؓ کے پاس بھیجا تاکہ ان سے پوچھوں کہ نبیؐ کس دن زیادہ روزہ رکھتے تھے؟ ام سلمہؓ نے جواب دیا کہ سنیچر اور اتوار کو زیادہ روزہ رکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ مشرکین کی عید کے دن ہیں اور میں ان کی مخالفت پسند کرتا ہوں۔ (احمد' نسائی)

اس حدیث سے تہوار میں کفار کی مخالفت کے صریح حکم کا علم ہوتا ہے البتہ مخالفت کے طریقوں کے سلسلہ میں علماء کی آراء مختلف ہیں اس کا بیان آئندہ کیا جائے گا۔

اجماع و آثار کی دلیل

۱۔ بہت سے یہود' نصرانی اور مجوس جزیہ دے کر مسلم علاقوں میں رہتے تھے یہ لوگ اپنے تہوار منایا کرتے تھے بہت سے افراد کے دلوں میں ان کے بعض اعمال کے محرکات موجود تھے لیکن سابق مسلمانوں کے عہد میں کوئی شخص بھی کسی عمل میں ان کا شریک نہ تھا اور اس کی وجہ صرف یہی ہو سکتی ہے کہ مسلمان اس طرح کی شرکت کو ممنوع سمجھتے تھے کیونکہ محرکات کے موجود ہوتے ہوئے کسی کام کا نہ کرنا ممانعت کے وجود کی دلیل ہے اور اسی سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ دین اسلام مذکورہ مذاہب کے لوگوں کی پیروی و موافقت سے

مانع تھا۔

۲۔ حضرت عمرؓ کی شرائط میں، جن پر صحابہؓ اور ان کے بعد کے فقہا کا اتفاق ہے، یہ بات گزر چکی ہے کہ دارالاسلام میں ذمی اہل کتاب اپنے تہواروں کا اظہار نہیں کریں گے اور مسلمان جس چیز کے اظہار سے ذمیوں کو منع کریں خود اسی چیز کے ارتکاب کی توقع ان سے کیسے کی جا سکتی ہے؟

حضرت عمرؓ نے ذمیوں کو تہواروں کے اظہار سے اس لئے منع کیا تھا کہ ان میں یا تو معصیت تھی یا وہ معصیت کا شعار تھے اور دونوں چیزوں میں سے کسی میں بھی مسلمانوں کا ملوث ہونا صحیح نہیں کیونکہ اس طرح کافروں کے اندر جرات پیدا ہو گی اور وہ اپنی فساد کی روش پر برملا چلیں گے۔

۳۔ امام بیہقی نے ذمیوں کی عبادت گاہوں میں داخلہ اور نیرو و مہرجان میں ان کی مشابہت اختیار کرنے کی کراہیت کے باب میں صحیح سند سے حضرت عمرؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ عجمیوں کی گفتگو نہ سیکھو اور مشرکوں کے تہوار کے دن ان کی عبادت گاہوں میں نہ جاؤ کیونکہ ان پر اللہ کا غضب نازل ہوتا ہے۔

بیہقی ہی نے صحیح سند سے عبداللہ بن عمرو کا قول نقل کیا ہے کہ جو شخص عجمیوں کے علاقہ میں مکان تعمیر کرے ان کے نیروز و مہرجان کا اہتمام کرے اور ان کے ساتھ مشابہت اختیار کرے پھر اسی پر اس کی موت ہو جائے تو قیامت کے دن اسے انہیں لوگوں کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔

انہی نے محمد بن سیرین سے نقل کیا ہے کہ حضرت علیؓ کے پاس نیروز کا ہدیہ آیا، پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ امیر المومنین! آج نیروز کا دن ہے؟ حضرت علیؓ نے کہا کہ ہر دن مناؤ۔ اس قول کے راوی ابو اسامہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے اپنی زبان سے نیروز کہنا مکروہ سمجھ کر فیروز کہا۔

امام بیہقی کا قول ہے کہ اس سے کسی دن کو شریعت کے بغیر تہوار کے لئے مخصوص کرنے کی کراہیت سمجھ میں آتی ہے۔

حضرت عمرؓ نے جب ذمیوں کی زبان سیکھنے اور تہوار کے دن ان کی عبادت گاہوں میں جانے سے منع کر دیا تو کسی عمل میں ان کی موافقت و مشابہت کو کس طرح جائز کہا جا سکتا

ہے؟ ان کے تہوار جب اللہ تعالیٰ کے غضب کا موجب ہیں تو ان کی روش اختیار کرنے والا کتنی سخت سزا کا مستحق ہو گا؟

حضرت عبداللہ بن عمرو کے سابقہ قول سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مذکورہ کاموں میں عجمیوں کی مشارکت کو باعث کفر سمجھتے تھے یا ایسا کبیرہ گناہ مانتے تھے جس پر جہنم کی وعید ہے اور اگر کوئی ان کاموں میں سے صرف بعض کا ارتکاب کرے تو یقیناً وہ گناہگار ہو گا۔

حضرت علیؓ کے مذکورہ قول میں یہ مذکور ہے کہ انہوں نے عجمیوں کے تہوار کا نام لینا مناسب نہیں سمجھا پھر کسی کام میں ان کی موافقت کو کیسے پسند کریں گے؟

تہوار کے مسئلہ میں اعتبار کے متعدد پہلو

اول یہ کہ تہوار شریعت میں داخل ہے اور ہر قوم کی شریعت اس کے ساتھ مختص ہے لہٰذا جو شخص عید میں کسی قوم کی مشابہت کرے گا وہ تمام طریقہائے زندگی و عبادت میں ان کا شریک مانا جائے گا اور عید کے تمام کاموں میں ان کی موافقت درحقیقت کفر میں موافقت ہو گی اور بعض میں موافقت کفر کے بعض شعبوں میں موافقت ہو گی اور اس طرح کی جزوی مخالفت سے اجمالی یا کلی کفر لازم آ سکتا ہے۔ کیونکہ عید کافروں کے مخصوص ترین شرعی احکام میں سے ہے اور اس میں عبادت و عادت دونوں کے پہلو ہیں' ایسی عید میں کفار کی موافقت بلا شبہ اللہ تعالیٰ کے غضب کی موجب ہو گی۔

دوم یہ کہ تہواروں میں کفار جو کام کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے کام ہیں ہماری شریعت میں وہ یا تو منسوخ ہیں یا بدعت اور ان میں جو کام از قبیل عادت کئے جاتے ہیں وہ بھی تہوار کے تابع ہوتے ہیں۔

اگر کوئی مسلمان نو ایجاد عید منائے اس دن صحراء میں جائے اور عید کے دن کئے جانے والے تمام کام انجام دے یا کسی جگہ کا طواف و حج کرے تو یقیناً اس فعل کو بے حد قبیح مانا جائے گا اسی طرح کفار کی موافقت بھی شریعت کی نظر میں مستوجب عذاب ہو گی۔

سوم یہ کہ معمولی کام زیادہ کام کا سبب بنتا ہے اور جب اسے شہرت حاصل ہو جاتی ہے تو عام لوگ اس کے مرتکب ہونے لگتے ہیں اس کی اصل حیثیت فراموش ہو جاتی ہے پھر اسے تہوار کا درجہ مل جاتا ہے اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی عید سے اس کی مشابہت ہو جاتی

ہے اور آگے چل کر اس میں اتنا اضافہ ہو جاتا ہے کہ اس سے اسلام کی موت اور کفر کی زندگی تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ بہت سے مدعیان اسلام شیطان کے وسوسہ میں پھنس کر نصرانیوں کے روزہ کے آخری ایام میں خوشی مناتے ہیں تحفوں کا تبادلہ کرتے ہیں بچوں کے لئے لباس و خوراک کا اہتمام کرتے ہیں اور اس روش سے اس دن کو مسلمانوں کی عید کی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے۔

میں نے دمشق اور اس سے متصل شام کے دوسرے علاقوں میں دیکھا ہے کہ نصرانیوں کے روزہ کے آخری پنج شنبہ کو عید مناتے ہیں۔ ان کا روزہ گرمی (جسے عام طور پر بہار کہا جاتا ہے) کے اوائل سے شروع ہوتا ہے اور اس میں شمسی سال کے لحاظ سے تقدیم و تاخیر ہوتی رہتی ہے۔ اس میں انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں کی کھلی خلاف ورزی ہے' انہوں نے عبادات کے لئے قمری حساب سے اوقات مقرر کئے ہیں لیکن یہود و نصاریٰ نے تحریف کرکے ان اوقات میں تبدیلی کر لی ہے۔

مذکورہ پنجشنبہ کے بعد جو جمعہ ہوتا ہے اس میں ان کے باطل گمان کے مطابق عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دی گئی تھی اسے یہ لوگ "جمعۃ الصلبوت" کہتے ہیں۔ اس کے بعد سنیچر کی رات کے بارے میں ان کا باطل گمان یہ ہے کہ اس میں حضرت عیسیٰ قبر میں تھے اسے یہ لوگ "لیلۃ النور" اور "سبت النور" کا نام دیتے ہیں۔

اس موقع پر ان کا عقیدہ ہے کہ بیت المقدس کے القمامۃ نامی گرجا میں آسمان سے نور نازل ہوتا ہے اس لغو عقیدہ کو عوام میں اس قدر رواج دیا گیا کہ وہ کپڑے کے ٹکڑے میں اس نور کو مقید کرکے اپنے گھروں کو لے جاتے ہیں اور اپنے خیال میں اس سے برکت حاصل کرتے ہیں' پھر سنیچر کو یہود کی جستجو کرتے ہیں اور اتوار کو بڑی عید مناتے ہیں۔ جس کے متعلق ان کا خیال ہے کہ اس میں حضرت عیسیٰ قبر سے اٹھے تھے۔

اس کے بعد جو اتوار آتا ہے اسے "جدید اتوار" کا نام دیتے ہیں اس میں نئے کپڑے پہنتے ہیں اور مختلف نوعیت کے کام کرتے ہیں مذکورہ تمام دنوں کو گو یہ لوگ عید کے دن سمجھتے ہیں اور چکنی چیزوں سے باز رہتے ہیں۔

جب روزہ افطار کا وقت آتا ہے تو جانور سے نکلی ہوئی چیز مثلاً دودھ' انڈا یا گوشت سے افطار کرتے ہیں۔ تہوار کے ان دنوں میں ان کے مختلف کام ہوتے ہیں جن کی تفصیل منضبط

نہیں' اسی لئے علماء کے اقوال اس سلسلہ میں مختلف ہیں لیکن علماء نے جن کاموں کا ذکر کیا ہے ان میں سے اکثر صحیح ہیں۔

ان کے اندر ان افعال کے رواج کا سبب ان کا یہ تصور ہے کہ ان کے علماء و رہبان نے جو باتیں بتائی ہیں ان کی مسیح علیہ السلام کی آسمانی شریعت کی حیثیت ہے یہ لوگ ایک وقت میں کچھ احکام کو منسوخ کرتے ہیں اور دوسرے احکام کو مشروع قرار دیتے ہیں اس کے برعکس یہود شریعت میں نسخ کے قائل نہیں ہیں' نصاریٰ کے لئے کسی منضبط شریعت و قانون کے نہ ہونے کا سبب یہی ہے۔

اس مقام پر ان کے غلط کاموں کی تفصیل مقصود نہیں صرف مدعا یہ ہے کہ معروف و منکر اور واجب و مباح کا فرق انسان کو معلوم ہو اور وہ حرام سے بچ کر حلال کی پابندی کر سکے۔

مذکورہ تفصیل سے یہ بھی پیش نظر ہے کہ اس وقت کچھ مسلمان ان کے بعض کاموں کو اختیار کر رہے ہیں اور بہت سے لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ یہ کام نصرانیوں کے مذہبی کام ہیں۔

مجھے معلوم ہوا ہے کہ مذکورہ جمعرات یا سنیچر وغیرہ کو لوگ قبروں پر جاتے ہیں وہاں خوشبو جلاتے ہیں ذبیحہ دیتے ہیں اور ان کاموں کو باعث برکت تصور کرتے ہیں' ناقوس بجاتے ہیں جس کی آواز سے پورا بازار گونج اٹھتا ہے اسلام کی حقیقت کو نہ سمجھنے والے اس دھوکہ میں رہتے ہیں کہ ان کاموں کی برکت سے نظر' جادو' بیماریاں اور ضرر رساں جانوروں کی تکلیف دور ہو جاتی ہے۔

بہت سے لوگ اس موقع پر اپنے کپڑے آسمان کے نیچے رکھ کر یہ امید باندھتے ہیں کہ اس پر سے حضرت مریم علیہا السلام کا گزر ہو گا اور ان کی برکت اسے حاصل ہو گی۔

اس طرح اپنے گھروں کے دروازوں اور جانوروں کو خوشبو لگاتے ہیں اور اسی طرح کے دوسرے برے کام کرتے ہیں۔

اپنے روزہ کے آخری ہفتہ کی بہت تعظیم کرتے ہیں' اس ہفتہ میں جمعرات و جمعہ کے دنوں کو بڑی جمعرات اور بڑے جمعہ کا نام دیتے ہیں۔

ہفتہ کی ابتداء میں اتوار کو تہوار مناتے ہیں اور اسے "عید الشعانین" کے نام سے یاد

کرتے ہیں اس میں زیتون کا پتہ لے کر نکلتے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ اس طرح حضرت عیسیٰ کے بیت المقدس میں داخل ہونے کی سنت تازہ ہوتی ہے جبکہ وہ تبلیغ کے لئے وہاں گئے تھے اور اوباشوں نے ان کے خلاف ہنگامہ کیا تھا' یہود نے لوگوں کو ڈنڈے دے کر ان کے پیچھے لگا دیا تھا' پھر ایسا ہوا کہ ان ڈنڈوں میں پتیاں نکل آئیں اور جو لوگ ڈنڈے لئے ہوئے تھے وہ حضرت عیسیٰ کے سامنے سجدہ میں گر گئے۔

جہاں تک حضرت مسیح علیہ السلام کے کسی معجزہ کا تعلق ہے تو ہم مسلمان اسے ممکن مانتے ہیں' مگر اس کی تصدیق یا تکذیب نہیں کرتے لیکن کسی تہوار میں نصاریٰ کا ساتھ دینا ان کے خود ساختہ یا منسوخ دین کو زندہ کرنے کے مترادف ہے اس لئے ہم اس سے پرہیز ضروری سمجھتے ہیں۔

جس جمعرات کو یہ لوگ بڑی جمعرات کہتے ہیں اس کے متعلق ان کا عقیدہ ہے کہ اس دن ان کے لئے آسمان سے وہ دستر خوان (مائدۃ) اترا تھا جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے۔

نصاریٰ کے مذکورہ تمام کاموں اور ان کے مشابہ دوسرے کاموں کو شیطان نے بہت سے مسلمانوں کے لئے مزین کر دیا ہے' چنانچہ وہ ان کاموں کو تھوڑی کمی بیشی سے انجام دیتے ہیں لیکن اللہ کے دین سے ان کا کوئی تعلق نہیں بلکہ وہ تمام امور باطل ہیں۔

مسلمانوں کے اس حال پر نبیؐ کا یہ قول صادق آتا ہے کہ تم اگلے لوگوں کے طریقوں کی پیروی کرو گے۔ اس پیروی کی ابتداء مختلف کاموں میں ان کی مشابہت سے ہوتی ہے اور پھر اس کا سلسلہ کفر تک جا پہنچتا ہے' لوگ صلیب اور بپسمہ سے برکت حاصل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ معبود ایک ہی ہے لیکن اس تک پہنچنے کے راستے مختلف ہیں ایسے لوگ تحریف شدہ اور منسوخ یہودیت و نصرانیت کو بھی اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والا مذہب تصور کرتے ہیں۔

لیکن اسلامی شریعت کا یہ کمال ہے کہ اس نے گذشتہ ادیان کی بیماریوں سے امت مسلمہ کو بچانے کے لئے واضح احکام پیش کئے اور جملہ امور میں کافروں سے دوری کو ضروری قرار دیا۔

کفار کی مشابہت و موافقت سے جو مختلف خرابیاں لازم آتی ہیں ان کا تذکرہ ہم نے کیا ہے لیکن ان خرابیوں سے قطع نظر اسلامی شریعت کے اصول اور مسلمانوں کی طبیعت اس مشابہت و موافقت کو رد کرتی ہے۔

چہارم یہ کہ تہوار اور میلے دینی و دنیوی لحاظ سے انسانوں کے لئے مفید ہوتے ہیں جس طرح انہیں نماز' روزہ' حج اور زکاۃ سے فائدہ ہوتا ہے' اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان تہواروں کو مشروع قرار دیا ہے' ارشاد ہے :

(اور ہر قوم کے لئے ہم نے عبادت کا ایک طریقہ ٹھہرا دیا ہے تاکہ چوپائے جانوروں پر جو اللہ نے ان کو دیئے ہیں اللہ کا نام لیں) الحج ۳۴

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین محمدؐ کی زبان سے ایسے اعمال کو مشروع فرمایا ہے جن میں انسانوں کی مکمل فلاح و بہود ہے اسی کمال کا تذکرہ اس آیت میں ہے :

(آج میں نے تمہارا دین پورا کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی) المائدہ ۳

اس آیت کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی سب سے عظیم عید "عید قربان" میں نازل فرمایا اس دن شریعت کی تکمیل ہوئی جو انسانی قلوب کی غذا ہے اور جس طرح انسانی جسم ضرورت کے مطابق غذا لیتا ہے اسی طرح روح و قلب کا معاملہ بھی ہے اگر انسان اصلاح قلب کے لئے شعراء کے کلام سے تعلق رکھے گا تو قرآن سے اس کا شوق کم ہو جائے گا۔ اگر عرس و مزارات کی زیارت میں مشغول رہے گا تو بیت اللہ کے حج کا جذبہ سرد پڑ جائے گا' اگر حکماء ایران و روم کے کلام میں اخلاق و دانش کی جستجو کرے گا تو اس کے دل میں اسلامی اخلاق و آداب کی اہمیت نہ ہو گی اور اگر بادشاہوں اور حاکموں کے قصے کہانیوں سے ربط رکھے گا تو انبیاء علیہم السلام کے حالات و سوانح کی طرف مائل نہ ہو گا۔

اسی وجہ سے حدیث میں آیا ہے کہ جب کوئی قوم کسی بدعت میں مبتلا ہوتی ہے تو اس سے اس کے عوض ایک سنت اٹھا لی جاتی ہے (احمد)

شریعت نے بدعت کے سلسلہ میں سخت ترین موقف اسی لئے اختیار کیا ہے کہ بدعت سے پیدا ہونے والے بگاڑ کا اثر بے حد گہرا اور عمومی ہوتا ہے اور اس سے شریعت کے بہت سے فوائد و مصالح متاثر ہوتے ہیں۔

انسان کا دل اگر بدعت کے کاموں سے غذا حاصل کرنے کا عادی ہو جاتا ہے تو پھر اسے نیک شرعی اعمال سے غذا حاصل کرنے کی توفیق نہیں ملتی اور یہیں سے اس کے حالات کا بگاڑ شروع ہوتا ہے' جس طرح بری غذا کے استعمال سے جسم کی خرابی میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

مذکورہ امور کی وضاحت کے بعد اس پہلو پر توجہ مطلوب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے دل میں عید کا شوق اس پر توجہ و اہتمام اور اس کے ذریعہ لذت و سرور کے احساس کی کیفیت پیدا کی ہے' اسی وجہ سے شریعت میں عید کے موقع پر ذکر الٰہی کے اعلان کا حکم ہے' نماز و خطبہ میں تکبیروں کی کثرت کو مشروع قرار دیا گیا ہے۔ جو شخص نفس کی خوشی اور راحت کے ساتھ ساتھ ذکر الٰہی اور تکبیر پر توجہ دیتا ہے اور صرف اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی عید کا اہتمام کرتا ہے اس کے اندر اس عبادت کی لذت و معنویت زیادہ ہوتی ہے۔ اور جو شخص عید کی توجہ کسی اور دن پر بھی مبذول کرتا ہے اور عید کے بعض کام اس دن میں انجام دیتا ہے اس کے دل میں اسلامی عید کا اصل اہتمام و مقام باقی نہیں رہ جاتا۔

پنجم یہ کہ کفار کے تہواروں میں مسلمانوں کی طرف سے جب ان کی مشابہت ہوتی ہے تو اس سے اہل باطل کو قلبی مسرت حاصل ہوتی ہے' خصوصاً جبکہ وہ مسلم حکومت کی ماتحتی میں جزیہ دے کر زندگی بسر کر رہے ہوں' ایسی صورت میں وہ مسلمانوں کو اپنے کسی دینی مسئلہ میں شریک و تابع دیکھ کر دلی قوت و انشراح محسوس کرتے ہیں اور کبھی کبھی موقع پا کر کمزوروں کو ذلیل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ صورت حال محسوس طور پر سامنے آیا کرتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ شریعت نے جب ان کفار کے حق میں ذلت و ماتحتی مقرر کی ہے' تو ان کے تہواروں میں شریک ہو کر ان کی عزت افزائی کیسے کی جا سکتی ہے؟

ششم یہ کہ تہواروں کے موقع پر کفار جن اعمال کو بجا لاتے ہیں ان میں سے بعض کا تعلق کفر سے ہوتا ہے بعض حرام ہوتے ہیں اور بعض مباح ہوتے ہیں بشرطیکہ ان سے **تشبہ** کی خرابی نہ لازم آئے اور ان تینوں قسم کے اعمال کے مابین فرق واضح ہوتا ہے لیکن عوام کبھی کبھی اسے سمجھ نہیں پاتے۔ اب اگر ایک مسلمان کا کسی ایسے فعل میں کفار کی مشابہت اختیار کرنا جس کی حرمت کا فتویٰ عالم نے لگایا ہو' اس سے اندیشہ ہے کہ عام آدمی حرام کاموں میں ان کی مشابہت اختیار کرنے لگے۔ ایسا ہو چکا ہے اور اس کی بہت سی خرابیاں سامنے آ چکی ہیں۔

ہفتم یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں بلکہ تمام مخلوقات میں اثر پذیری کی صلاحیت رکھی ہے جب دو چیزوں کے مابین مشابہت قوی ہوتی ہے تو یہ اثر پذیری زیادہ نمایاں ہوتی ہے انسان جن لوگوں کے ساتھ رہتا ہے ان کے اثرات زیادہ قبول کرتا ہے بلکہ یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ

جن حیوانات کے ساتھ اسے زندگی گزارنے کا موقع ملتا ہے ان کے اخلاق و حرکات سے وہ متاثر ہو جاتا ہے اونٹ والوں میں فخر و تکبر' بکری والوں میں مسکنت و نرمی کا مشاہدہ عام طور سے کیا جاتا ہے انسان کی طرح حیوانات بھی ساتھ رہنے والے حیوانات و انسانوں سے متاثر ہوتے ہیں اور ان کے اخلاق و حرکات اختیار کرتے ہیں۔

اور ظاہری امور کی مشارکت سے اندرونی امور میں مشارکت و مشابہت ایک محسوس امر ہے۔

ہم نے دیکھا ہے کہ جو یہود و نصاریٰ مسلمانوں کے علاقوں میں رہتے ہیں ان کا کفر ہلکا ہوتا ہے اور جو مسلمان یہود و نصاریٰ کے بیچ رہتے ہیں وہ ان کی بہت سی خصلتیں سیکھ لیتے ہیں۔ اس طرح تہواروں کی شرکت سے ان کے برے اخلاق مسلمانوں میں سرایت کر جاتے ہیں۔ ممکن ہے کہ اعتقادی امور میں اس طرح کی مشابہت کے اثرات کو کسی قاعدہ کے ماتحت منضبط نہ کیا جا سکے لیکن اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا اور اس طرح کے اثرات کو زائل کرنا بھی اکثر مشکل ہو جاتا ہے۔

ہشتم یہ کہ ظاہری مشابہت سے ایک طرح کی باطنی محبت و الفت پیدا ہو جاتی ہے' جیسا کہ باطنی محبت کے اثرات ظاہری مشابہت پر آمادہ کرتے ہیں' یہ چیز تجربہ اور مشاہدہ کی ہے۔ چنانچہ ایک شہر کے دو آدمی جب مسافرت میں اکٹھا ہو جاتے ہیں تو ان کے درمیان غیر معمولی الفت و محبت قائم ہو جاتی ہے خواہ وہ اپنے شہر میں کبھی باہم ملے بھی نہ ہوں اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ شہر کا اشتراک ان میں ایک طرح کی قربت پیدا کر دیتا ہے۔ اسی طرح مسافرت میں اکٹھا ہونے والے افراد میں اگر لباس وغیرہ میں مشابہت ہوئی ہوتی ہے تو ان کے مابین زیادہ ارتباط پایا جاتا ہے۔ ایک پیشہ کے لوگوں کے مابین جو ہم آہنگی پائی جاتی ہے اس کا سبب بھی پیشہ کا اشتراک ہی ہوتا ہے۔

کند ہم جنس باہم جنس پرواز
کبوتر با کبوتر باز بایاز

اور جب دنیاوی امور میں مشابہت سے محبت پیدا ہوتی ہو تو دینی امور میں مشابہت سے محبت و تعلق کا پیدا ہونا زیادہ ضروری ہے اور یہ محبت ایمان کے منافی ہو گی' چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(مسلمانو! یہود و نصاریٰ کو دوست مت بناؤ' وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو کوئی ان سے دوستی رکھے وہ انہیں میں سے ایک ہے' اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا' جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے ان کو تو دیکھتا ہے کہ یہود و نصاریٰ میں دوڑے جاتے ہیں (دوستی پر مرے جاتے ہیں) کہتے ہیں کہ ہم کو ڈر ہے کہ ہم پر گردش آ جائے' سو اب کوئی دن میں اللہ فتح دیتا ہے یا اور کوئی کام اپنی طرف سے کرتا ہے اس وقت اپنے جی کی چھپائی ہوئی بات پر پچھتائیں گے' اور ایمان والے کہیں گے کیا یہ وہی لوگ ہیں جو بڑے زور سے قسمیں کھاتے تھے کہ وہ تمہارے ساتھ ہیں ان کے سب کام اکارت ہوئے اور نقصان میں آ گئے۔) المائدہ ۵۱- ۵۳

اور اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا:

"بنی اسرائیل کے کافروں پر داؤد اور عیسیٰ کی زبان سے پھٹکار پڑ چکی ہے' یہ پھٹکار اس لئے کہ نافرمانی کرتے تھے اور حد سے بڑھ جاتے تھے' بری بات کر بیٹھتے اور اس سے ایک دوسرے کو منع نہ کرتے بے شک برا کام کرتے تھے تو ان میں سے بہت سے ایسے دیکھے گا جو کافروں سے دوستی کرتے ہیں' انہوں نے اپنے لئے بری تیاری کی ہے' وہ کیا جس سے اللہ ان پر غصے ہوا اور عذاب میں ہمیشہ رہیں گے اور اگر وہ اللہ پر نبی پر اور جو اس پر اتاری گئی اس پر ایمان لائے ہوتے تو کافروں کو دوست نہ بناتے' لیکن بہت سے ان میں نا فرمان ہیں) المائدۃ ۷۸-۸۱

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا کہ اللہ' اس کے نبی اور ان پر اتاری گئی کتاب پر ایمان کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ انسان ان سے دوستی نہ رکھے اور اگر ان کی دوستی ثابت ہو گی تو پھر ایمان کا خاتمہ لازم آئے گا۔

اللہ تعالیٰ ایک اور مقام پر فرماتا ہے:

(جو لوگ اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں ان کو تو ایسا نہ دیکھے گا کہ وہ ان لوگوں سے دوستی رکھیں جو اللہ اور اس کے رسول کے دشمن ہیں گو وہ ان کے باپ دادا ہوں یا بیٹے ہوں یا بھائی ہوں یا کنبے والے ہوں' ان لوگوں کے دلوں میں اللہ نے ایمان جما دیا ہے اور اپنی روح سے ان کی مدد کی ہے) المجادلۃ ۲۲

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی مومن کافر سے دوستی نہیں کر سکتا اور جو کافر

سے دوستی رکھے وہ مومن نہیں ہو سکتا اور چونکہ ظاہری مشابہت سے دوستی کا گمان ہوتا ہے اس لئے وہ حرام ٹھہرے گی۔ کفار سے مشابہت کی خرابیاں بہت سی ہیں لیکن ہم نے مذکورہ پر اکتفا کیا ہے۔

فصل

غیر اسلامی امور میں ان کی مشابہت کی دو قسمیں ہیں۔

اول یہ کہ انسان کو معلوم ہو کہ یہ عمل ان کے دین کی خصوصیتوں میں سے ہے اب وہ اسے محض ان کی موافقت کے لئے انجام دے یا کسی خواہش کی وجہ سے یا شبہہ کی بنا پر اسے دنیا یا آخرت میں مفید سمجھ کر ان تمام صورتوں میں اس کام کی حرمت میں شبہ نہیں البتہ کبھی کبیرہ گناہ ہو گا اور کبھی کفر۔

دوم یہ کہ انسان کو معلوم نہ ہو کہ یہ عمل کفار سے تعلق رکھتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں

پہلی یہ کہ یہ عمل انہیں سے ماخوذ ہو خواہ بعینہ یا جگہ اور وقت وغیرہ میں کچھ تبدیلی کرکے۔ عام لوگ زیادہ تر اسی قسم میں مبتلا ہوتے ہیں۔ آباء و اجداد کو ایسا کرتے دیکھ کر وہ خود بھی اسے کرتے ہیں لیکن یہ نہیں جانتے کہ اس کام کی ابتداء کہاں سے ہوئی ہے۔

دوسری یہ کہ یہ عمل ان سے ماخوذ نہ ہو لیکن وہ بھی اسے کرتے ہیں اس سے کفار کی مشابہت تو نہیں لازم آتی لیکن ان کی مخالفت کا مقصد فوت ہو جاتا ہے اس کی کراہت و حرمت دلیل پر موقوف ہوتی ہے جس سے مشابہت کی نوعیت اور اس کا حکم متعین ہو سکے۔

فصل

عید کے مفہوم کی عمومیت

عید (تہوار) کا لفظ اسم جنس ہے اس میں ہر وہ دن' جگہ' اجتماع اور عمل داخل ہو گا جسے کافر مذکورہ مقامات اور اوقات میں انجام دیتے ہیں لہٰذا مشابہت کی ممانعت مخصوص طور پر ان کے تہواروں تک محدود نہیں رہے گی بلکہ اس میں ان کے پیدا کردہ تمام اعمال داخل

ہو جائیں گے۔

اسی طرح عید سے پہلے اور بعد کے بعض دنوں کی تخصیص کرکے ان میں بعض کاموں کو انجام دیا جاتا ہے ان کا حکم بھی تہواروں سے مخصوص اعمال کا حکم ہے۔ بعض لوگ نصرانیوں کے مخصوص تہواروں کے بجائے کسی اور ہفتہ یا مہینہ کو متعین کرکے اپنے اہل و عیال کے لئے کچھ کرتے ہیں چونکہ ان کے یہ کام کفار ہی کے تہواروں سے مربوط ہوتے ہیں اس لئے ان کی بجا آوری سے مشابہت لازم آتی ہے اگر اہل و عیال کے لئے کچھ کرنا ضروری ہو تو انہیں دنوں میں کرنا چاہیے جنہیں اللہ اور رسولؐ نے مسلمانوں کے لئے بحیثیت تہوار متعین کر دیا ہے۔

مشابہت کی خرابیوں سے بچنے کے لئے ہوش مند لوگوں کو عورتوں کی اطاعت سے بچنا چاہیے' صحیحین میں اسامہ بن زید سے روایت ہے کہ نبیؐ نے فرمایا کہ میں نے اپنے بعد مردوں کے لئے عورتوں سے زیادہ نقصان دہ کوئی فتنہ نہیں چھوڑا۔

عام طور پر عورتوں کی اطاعت ہی ملک و حکومت کی خرابی کا سبب ہوتی ہے' صحیح بخاری میں ابوبکرؓ کی روایت ہے کہ نبیؐ نے فرمایا کہ جن لوگوں نے اپنے معاملات کا ذمہ دار عورت کو بنا دیا وہ کبھی فلاح یاب نہیں ہو سکتے۔

حضرت ابوبکرؓ کو نماز کے لئے آگے بڑھانے کے سلسلہ میں امہات المومنین نے جب نبیؐ سے بار بار بات کی تو آپؐ نے فرمایا کہ تم یوسف کی ساتھی ہو' آپؐ کا مطلب یہ تھا کہ عورتیں ہوش مند مردوں سے بار بار ایک ہی بات کہتی ہیں۔

اعشیٰ نے نبیؐ کو اپنا بائیہ قصیدہ سنایا تو اس کے اس شعر کو آپؐ بار بار دہراتے تھے:

دھن شر غالب لمن غلب

یعنی عورتیں ایسی خرابی ہیں جس سے غالب بھی مغلوب ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریاؑ سے فرمایا کہ:

(ہم نے ان کی بیوی کو ان کے لئے صالح بنایا)۔

اس معاملہ کی اہمیت کے پیش نظر بعض علماء کا قول ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ سے بیوی کی اصلاح کی دعا بہت توجہ سے کرنی چاہیے۔

تہواروں کی کثرت

کافروں کے تہوار مختلف قسم کے ہیں' مسلمانوں کے لئے ان سب کا جاننا ضروری نہیں' البتہ ان کے اعمال کے متعلق صرف یہ جاننا ضروری ہے کہ انہیں کیوں انجام دیتے ہیں اسی طرح اگر کسی جگہ کی تعظیم کرتے ہیں تو کیوں کرتے ہیں۔ اس طرح کے اعمال میں اگر کوئی اور خرابی نہ ہو تو کم از کم بدعت کا کوئی نہ کوئی پہلو ضرور ہو گا۔ اس کی مثال جمعرات کا ان کا وہ تہوار ہے جسے "جمعرات عظیم" کے نام سے یاد کرتے ہیں' ان کے خیال کے مطابق اس دن میں ان کے لئے آسمان سے کھانا اترا تھا۔

تہواروں کی بدعتیں

مذکورہ تہوار کے موقع پر ان کی عورتیں باہر نکلتی ہیں' قبروں پر خوشبو جلائی جاتی ہے چھت پر کپڑا رکھا جاتا ہے کاغذ پر لکھ کر دروازوں پر چسپاں کیا جاتا ہے' اس موقع پر خوشبو کی خرید و فروخت کی جاتی ہے اس سے جھاڑ پھونک کیا جاتا ہے مخصوص طرح کے کھانے پکائے جاتے ہیں' کاشتکار گائے اور درخت وغیرہ پر سرخ ٹیکے لگاتے ہیں عورتیں زیتون کے پتوں کے پانی سے غسل کرتی ہیں اور اس کو باعث برکت سمجھتی ہیں' ضروری تجارتی اور علمی کام چھوڑ دیئے جاتے ہیں' گھوڑوں وغیرہ کے ساتھ مختلف طرح کے کھیل کھیلے جاتے ہیں۔

اس طرح کے موقعوں پر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان کا کوئی اہتمام نہ کرے بلکہ عام دنوں کی طرح ان میں بھی رہے۔

ماہ دسمبر کی ۲۴ تاریخ کو بہت سے لوگ اہتمام کرتے ہیں کہ اس دن حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش ہوئی تھی' اس موقع کے تمام کام برے ہیں' مثلاً آگ جلانا' کھانا پکانا اور شمع وغیرہ بنانا۔ اس دن کو تہوار تصور کرنا نصاریٰ کا کام ہے' اسلام میں اس کی کوئی بنیاد نہیں' اس کا کہیں ذکر بھی نہیں ہے۔ اس تہوار کے سلسلہ میں نصاریٰ کا خیال ہے کہ یحییٰؑ نے عیسیٰؑ کو بپتسمہ دیا تھا' اسی لئے وہ لوگ بھی اس موقع پر یہ کام انجام دیتے ہیں' بہت سی جاہل عورتیں اپنے بچوں کو حمام میں لے جاتی ہیں اور سوچتی ہیں کہ اس سے لڑکے کو فائدہ ہو گا۔ یہ عمل نصاریٰ کا مذہبی عمل ہے' اسلام نے اس طرح کے کاموں کو بے حد قبیح قرار دیا ہے۔

ایرانیوں‘ یہودیوں اور دیگر کافروں کے تہوار کا حکم

ایرانیوں کے نیروز و مہرجان‘ یہود کے تہوار اور عرب و عجم کے دوسرے کافروں کے تہواروں کا حکم بھی وہی ہے جس کا تذکرہ گزرا۔ جس طرح ان کے تہواروں میں ہمیں مشابہت سے روکا گیا ہے اسی طرح ہمیں یہ حکم بھی ہے کہ ان سے مشابہت اختیار کرنے والے کسی مسلمان کی مدد نہ کریں لہٰذا ان کے تہوار کے موقع پر اگر کوئی مسلمان برخلاف عادت دعوت کرے یا ہدیہ دے تو اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔ اس طرح کے موقعوں پر کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ کھانے اور پہننے کی ایسی چیزیں فروخت کرے جس سے مسلمانوں کو کفار کی مشابہت اختیار کرنے میں مدد ملے‘ اس میں برائی پر تعاون پایا جاتا ہے جو ممنوع ہے۔

فصل

خلاف شریعت تہوار و تقریبات

اہل کتاب اور عجمیوں کے تہواروں سے مسلمانوں کو دو سبب سے روکا گیا ہے۔ اول یہ کہ ان سے کفار کی مشابہت لازم آتی ہے۔ دوم یہ کہ وہ خود ساختہ اور بدعت ہیں۔ لہٰذا ان تقریبات و تہواروں میں اگر اہل کتاب کی مشابہت نہ بھی پائی جائے تو وہ دو وجہ سے برے قرار پائیں گے۔

اول یہ کہ ان پر بدعت کی تعریف صادق آتی ہے‘ صحیح مسلم میں حضرت جابر کی روایت میں دین میں نو ایجاد کاموں کو بدعت اور بدعت کو گمراہی بتایا گیا ہے اور نسائی کی روایت میں صراحت ہے کہ گمراہی جہنم کا باعث ہے۔

صحیحین وغیرہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ دین میں ایسا کام نکالنا جس پر ہمارا (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا) حکم نہ ہو مردود ہے۔

عرباض بن ساریہ سے مروی صحیح حدیث میں ہے کہ تم میں سے میرے بعد زندہ رہنے والا بہت سے اختلاف دیکھے گا۔ ایسی صورت میں میری اور میرے خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑنا اور اسے دانتوں سے دبائے رکھنا ضروری ہے‘ تم نو ایجاد کاموں سے بچو کیونکہ ہر نو

ایجاد کام (بدعت) گمراہی ہے۔

اس قاعدہ کی تائید قرآن' حدیث اور اجماع سے ہوتی ہے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

(کیا ان لوگوں نے شریک بنا رکھے ہیں جو ان کو دین کا وہ رستہ بتلاتے ہیں جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا۔) الشوریٰ ۲۱

اس آیت کی روشنی میں تقرب الٰہی کے لئے کسی بھی غیر مشروع کام کو اختیار کرنا باعث گناہ ہے اور ایسے شخص کی پیروی شرک ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

(ان لوگوں نے اپنے علماء اور مشائخ کو اور مریم کے بیٹے مسیح کو اللہ کے سوا رب بنا لیا حالانکہ ان کو صرف یہ حکم ملا تھا کہ ایک اللہ کی پرستش کریں۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ ان لوگوں کے شرک سے پاک ہے)۔ التوبتہ ۳۱

اس آیت کو سن کر عدی بن حاتم نے نبی ﷺ سے کہا تھا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! اہل کتاب اپنے علماء و مشائخ کی پوجا نہیں کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پوجا نہیں کرتے تھے لیکن جن چیزوں کو وہ حلال بتاتے انہیں حلال اور جن چیزوں کو حرام بتاتے انہیں حرام مان لیتے تھے۔ یعنی اسی کو رب بنانا کہتے ہیں۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے ایک مقام پر مشرکوں کے دو عیب بتائے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔ دوم یہ کہ جن چیزوں کو اس نے حرام نہیں کیا ہے۔ انہیں حرام قرار دیتے ہیں۔

اس بات کا بیان ذیل کی حدیث میں ملتا ہے :

صحیح مسلم میں عیاض بن حمار سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا : اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے بندوں کو یکسو (شرک سے دور) پیدا کیا تھا لیکن شیطان نے انہیں پکڑ لیا اور میری حلال کی ہوئی چیز کو حرام بتایا' نیز یہ حکم دیا کہ میرے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک کیا جائے جن کی کوئی دلیل نہیں۔

قرآن نے خود مشرکین کا قول نقل کیا ہے :

(عنقریب مشرک کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم نہ ہمارے باپ دادا کوئی شرک کرتے اور نہ کسی چیز کو اپنے اوپر حرام کرتے)۔ الانعام ۱۴۸

مشرکوں میں بعض لوگ غیر اللہ کی عبادت اللہ تعالیٰ کے تقرب کے لئے کرتے ہیں اور کچھ لوگ اپنے ایجاد کردہ دین کے ذریعہ اللہ کی عبادت کرتے ہیں' جیسا کہ نصاریٰ نے مختلف طرح کی عبادتوں کو ایجاد کر رکھا تھا۔

دنیا میں گمراہیوں کی جڑ صرف دو چیزیں ہیں۔ اول یہ کہ ایسا دین اختیار کیا جائے جسے اللہ تعالیٰ نے اتارا نہیں۔ دوم یہ کہ جن چیزوں کو اللہ نے حرام نہیں قرار دیا انہیں حرام مانا جائے۔

اسی لئے امام احمد رضی اللہ عنہ اور دیگر ائمہ رضی اللہ عنہم نے اپنے مذاہب کی بنیاد اس اصل پر رکھی ہے کہ اعمال کی دو قسمیں ہیں :

اول وہ عبادات جنہیں انہوں نے دین بتایا' ان سے انہیں صرف آخرت یا دنیا و آخرت دونوں میں فائدہ ہو گا۔

دوم وہ عادتیں جن سے صرف معیشت (کھانے' پینے' کمانے) میں فائدہ ہو گا۔

عبادات کا ضابطہ یہ ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے مشروع قرار دیا ہے اسی کو مشروع مانا جائے گا۔

چونکہ مذکورہ تقریبات میں دینی پہلو داخل ہو گیا ہے اس لئے ان سے نہی ثابت ہے' اس کا تذکرہ آئندہ آ رہا ہے۔

ایک اہم قاعدہ

کسی چیز کے بدعت ہونے سے اس کے مکروہ ہونے پر استدلال ایک عظیم قاعدہ ہے' جس کی تکمیل اس پر وارد اعتراض کے جواب سے ہوتی ہے۔

چنانچہ بعض لوگ بدعت کی دو قسم بتاتے ہیں' ایک حسن دوسری قبیح۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تراویح کی نماز کو "نعمت البدعۃ" سے تعبیر کیا ہے' یعنی یہ کتنی اچھی بدعت ہے۔ ان کی دلیل کچھ ایسے اقوال و افعال بھی ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وجود پذیر ہوئے اور ان پر اجماع یا قیاس کی دلیل سے عدم کراہت یا حسن ہونے کا حکم لگا ہے۔

بعض نا پختہ کار لوگ اس میں بہت سی عادتوں کو بھی داخل کر لیتے ہیں اور ان سے بعض بدعتوں کے مستحسن ہونے پر استدلال کرتے ہیں' معتاد چیزوں کو یہ لوگ اجماع کا درجہ

دیتے ہیں اور مسلمانوں کی اکثریت کے قول کی پرواہ نہیں کرتے' اللہ اور رسول ﷺ کی طرف بلانے پر کہتے ہیں کہ ہمارے لئے باپ دادا کا طریقہ کافی ہے۔ علم یا عبادت کی جانب منسوب بعض نا تجربہ کار لوگ ایسی دلیلیں پیش کرتے ہیں جن کا دین میں کوئی اعتبار نہیں۔

خلاصہ یہ کہ بدعت کی مذمت بتلانے والی عبارتیں بعض بدعتوں کو مستحسن قرار دینے والی دلیلوں سے متعارض ہیں۔

بدعت میں حسن کے قائل دو طرح کے ہیں۔ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب یہ ثابت ہے کہ بعض بدعتیں قبیح اور بعض مستحسن ہیں تو قبیح وہی ہوں گی جس سے شارع نے منع فرمایا ہے اور جن سے خاموشی اختیار کی ہے انہیں قبیح نہیں کہہ سکتے' بلکہ ممکن ہے وہ حسن ہوں۔

کچھ لوگ کسی متعین بدعت کو کسی مصلحت کی وجہ سے مستحسن کہتے ہیں ان کا قول ہے کہ ہر بدعت گمراہی نہیں ہے۔

اس طرز فکر کا جواب یہ ہے کہ نبی ﷺ کی یہ تصریح ہے کہ: نو ایجاد کام برے ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی کا انجام جہنم ہے۔ ایسی صورت میں کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ بدعت کی جو مذمت اس فرمان سے سمجھی جا رہی ہے۔ اس کا انکار کرے۔

بدعت کی تقسیم کرنے والے جو معارضہ پیش کرتے ہیں۔ اس کے جواب دو ہیں:

اول یہ کہا جائے کہ جس چیز کا حسن ثابت ہو چکا ہے وہ بدعت نہیں ہے اس طرح نبی ﷺ کے قول کا عموم بغیر تخصیص باقی رہے گا۔

دوم یہ کہا جائے کہ جس چیز کا حسن ثابت' ہو وہ عموم سے مخصوص ہے اور جس عام کو خاص کر لیا جاتا ہے وہ تخصیص والی صورت کے علاوہ کے لئے دلیل ہوتا ہے لہٰذا جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ بعض بدعتوں کو عموم سے مخصوص کر لیا گیا ہے انہیں تخصیص ثابت کرنے کے لئے مناسب دلیل کی ضرورت ہے ورنہ لفظی و معنوی عموم نہی کا موجب ہو گا اور تخصیص کی دلیل کا شرعی دلیلوں میں سے ہونا ضروری ہے یعنی کتاب و سنت اور اجماع' خواہ نص ہو یا استنباط۔ لیکن کسی علاقہ کی عادت یا علماء یا عوام کے اقوال میں یہ صلاحیت نہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے کلام کا مقابلہ کر سکے۔

سنت کی مخالف عادتوں کے بارے میں یہ تصور کہ ان پر اجماع ہے اور امت نے ان کو

ثابت رکھا ہے' غلط ہے' کیونکہ ہر دور میں سنت کی مخالف عادتوں سے روکنے والے موجود رہے ہیں پھر کسی ایک شہر یا علاقہ کی بات کو لے کر اجماع کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا چہ جائیکہ صرف کسی ایک جماعت کی بات ہو۔ بہت سے علماء نے اہل مدینہ کے علماء کے عمل اور اجماع کو معتمد نہیں مانا بلکہ ان کے خلاف سنت سے دلیل قائم کی' پھر دوسرے لوگوں کے عمل پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے؟ اس طرح کی دلیلوں سے حجت پکڑنا اہل علم کا طریقہ نہیں۔ بحث کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اقوال و اعمال کے باب میں جن چیزوں کے اندر دلیل بننے کی صلاحیت ہے انہیں کو دلیل بنایا جائے کیونکہ قول و عمل کے باب میں غیر معتمد چیز پر اعتماد کا اظہار کرنا علم و جدل اور کلام و عمل میں ایک طرح کا نفاق ہے۔

کل بدعة ضلالة کا مفہوم

نبی ﷺ کے قول "ہر بدعت گمراہی ہے" کو صرف اس بدعت پر محمول کرنا جس سے مخصوص طور پر روکا گیا ہو جائز نہیں کیونکہ اس طرح حدیث کا کوئی فائدہ نہ ہو گا' اسلام نے کفر' فسق اور معصیت کی مختلف صورتوں سے روکا ہے اس ہی سے ان چیزوں کا قبح اور حرمت ثابت ہوتی ہے۔ خواہ بدعت ہوں یا نہ ہوں' پس جب دین میں اسی چیز کو منکر مانا جائے گا جس سے خصوصیت کے ساتھ روکا گیا ہو خواہ عہد نبوی ﷺ میں اس پر عمل ہوا ہو یا نہ ہوا ہو اور جس چیز سے روکا گیا ہو وہی منکر ہو گی خواہ بدعت ہو یا نہ ہو تو ایسی صورت میں بدعت کا وصف بے اثر ہو جائے گا' اس کے وجود سے قبح اور عدم سے حسن نہیں سمجھا جائے گا۔ اس صورت میں کل بدعۃ ضلالۃ کا معنی تقریباً "کل عادۃ ضلالۃ" کا ہو جائے گا اور اس سے مراد یہ ہو گا کہ جس چیز سے روکا گیا ہے وہی گمراہی ہے اور یہ مفہوم ایک طرح کی تحریف اور الحاد ہو گا اس کو تاویل نہیں کہہ سکتے اس سے درج ذیل خرابیاں لازم آئیں گی:

اول یہ کہ اس حدیث پر اعتماد ختم ہو جائے گا کیونکہ جس چیز کا مخصوص طور پر منہی عنہ ہونا معلوم ہو گا اس کا حکم بھی اسی نہی سے معلوم ہو جائے گا اور جس کا حکم معلوم نہ ہو گا وہ اس حدیث کے ضمن میں داخل نہ ہو گا اور اس طرح حدیث کا کوئی فائدہ نہ ہو گا حالانکہ اسے نبی ﷺ ہر جمعہ کے خطبہ میں پڑھتے تھے اور "جوامع الکلم" میں شمار کرتے تھے۔

دوم یہ کہ بدعت کا لفظ اور اس کا معنی بے اثر ہو جائے گا پھر اس لفظ یا اس کے معنی

کے ساتھ کسی حکم کو معلق کرنا بے اثر چیز کے ساتھ معلق کرنے کے مترادف ہو گا۔

سوم یہ کہ اس طرح کا خطاب اگر منہی عنہ ہونے کا وصف نہ مقصود ہو واجب البیان چیز کا کتمان اور جس کا ظاہر مقصود نہ ہو اس کا بیان ہو گا کیونکہ بدعت اور مخصوص نہی کے مابین عموم و خصوص کی نسبت ہے کیونکہ ہر بدعت کے بارے میں مخصوص نہی نہیں ہے اور جن چیزوں کے بارے مخصوص نہی موجود ہے وہ سب بدعت نہیں ہیں اس لئے ایک اسم بول کر دوسرے کو مراد لینا کھلی تلبیس ہے' متکلم اگر مدلس نہ ہو تو ایسا کرنا اس کے لئے جائز نہیں۔ مثلاً شیر بول کر گھوڑا یا گھوڑا بول کر شیر مراد لینا۔

چہارم یہ کہ اگر حدیث کے الفاظ "کل بدعۃ ضلالۃ" اور "ایا کم و محد ثات الامور" سے صرف وہ بدعتیں مراد ہوں جن کے بارے میں کوئی خاص نہی ہو تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ نبی ﷺ نے اس حدیث سے مراد بدعت کو پہچاننے میں امیوں کو ایسی چیز کا حوالہ دیا جس کا امت کے خاص لوگوں کے علاوہ کوئی احاطہ نہیں کر سکتا اور ایسا کسی صورت میں جائز نہیں۔

پنجم یہ کہ جب اس قول سے وہ بدعتیں مراد ہوں گی جن کے بارے میں کوئی خاص نہی ہے تو یہ ان بدعتوں سے بہت کم ہوں گی جن کے بارے کوئی خاص نہی نہیں ہے کیونکہ جن بدعتوں سے بعینہ روکا گیا ہے ان کی تعداد ان بدعتوں سے کم ہے جس سے بعینہ نہیں روکا گیا ہے اور کسی عام لفظ سے قلیل و نادر صورتوں کا مراد لینا جائز نہیں۔

لہذا ان وجوہ سے مذکورہ تاویل قطعی طور پر باطل ہو جاتی ہے' حدیث کو اس پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ان کے پہلے موقف کا جواب ہے۔

رہا ان کا دوسرا موقف تو اس کے متعلق یہ توضیح ہے کہ بالفرض اگر بدعت کی تقسیم حسن اور قبح میں صحیح مان لی جائے تو بھی حدیث سے دونوں قسموں کے قبح کی دلالت میں رکاوٹ نہیں لیکن اکثر یہ کہا جاتا ہے کہ اگر کسی بدعت میں حسن ثابت ہو جائے تو اسے حدیث کے عموم سے مستثنیٰ کر لیا جائے گا۔ ورنہ قاعدہ یہی ہے کہ ہر بدعت گمراہی ہے اب مذکورہ معارضہ کا جواب یہ ہو گا کہ بدعت ہوتے ہوئے اگر کوئی چیز حسن ہے تو یا تو وہ بدعت نہیں یا اسے خاص کر لیا گیا ہے اس طرح حدیث کی دلالت صحیح رہ جائے گی اور یہ جواب اسی صورت میں دیا جائے گا جبکہ کسی بدعت کا حسن ثابت ہو لیکن بہت سی چیزیں ایسی ہوتی

ہیں جن میں حسن سمجھا جاتا ہے لیکن ایسا ضروری نہیں ہوتا لہٰذا ایسی کسی چیز کو پیش کر کے معارضہ نہیں کیا جا سکتا۔

مذکورہ دونوں جوابوں کی صورت میں حدیث کا مفہوم برقرار رہے گا اور کسی کو یہ حق نہیں پہنچے گا کہ نبی ﷺ کے جامع و کلی قول "کل بدعۃ ضلالۃ" کے عموم کو ختم کرتے ہوئے یہ کہے کہ ہر بدعت گمراہی نہیں ہے کیونکہ یہ آپ ﷺ کی کھلی مخالفت ہو گی بلکہ کسی ایسی چیز کا حسن ثابت ہونے کی صورت میں یہ ماننا ہو گا کہ وہ بدعت کے ضمن میں داخل نہیں یا حدیث کے عموم سے اسے مستثنیٰ کر لیا گیا ہے لیکن پہلا جواب زیادہ اچھا ہے۔

تراویح سنت ہے

شرعی اعتبار سے تراویح کو بدعت کہنا صحیح نہیں بلکہ یہ سنت ہے' نبی ﷺ کے قول و فعل سے اس کا ثبوت ہے اس کو آپ ﷺ نے جماعت سے بھی ادا فرمایا ہے شروع رمضان اور اخیر رمضان دونوں اوقات میں۔ سنن کی حدیث میں وارد ہے کہ تراویح کو امام کے ساتھ ادا کرنے والے کو پوری رات کے قیام کا ثواب ملتا ہے۔

اس حدیث سے امام احمد وغیرہ نے استدلال کیا ہے کہ جماعت کے ساتھ تراویح کی ادائیگی تنہا پڑھنے سے افضل ہے' اس سے امام کے پیچھے رمضان کے قیام کی فضیلت ثابت ہوتی ہے اور اس نماز کا مطلق سنت ہونا بقوت ثابت ہوتا ہے۔ نبی ﷺ کے عہد مبارک میں صحابہ رضی اللہ عنہم نے مسجد میں جماعت تراویح کی نماز ادا کی اور آپ ﷺ نے ان کو منع نہیں فرمایا اس طرح یہ تقریری سنت بھی ہوئی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کی توجیہہ

حضرت عمر نے تراویح کے بارے میں یہ فرمایا کہ "نعمت البدعۃ ھذہ" یعنی یہ کتنی اچھی بدعت ہے۔ اس قول کو اکثر لوگوں نے حجت نہیں قرار دیا ہے کیونکہ یہ رسول اللہ ﷺ کے قول کے خلاف ہے اس کو بطور معارضہ پیش کرنا صحیح نہیں۔ اگر صحابی کا کوئی قول حدیث رسول ﷺ کے مخالف نہ ہو تو اس سے حدیث کے عموم کی تخصیص ہو سکتی ہے۔

ہمارے خیال میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لغوی اعتبار سے تراویح کو بدعت سے تعبیر کیا

ہے' بدعت کا شرعی مفہوم ان کی مراد نہیں' کیونکہ لغت میں بدعت کا اطلاق ہر اس فعل پر ہوتا ہے جسے کسی سابقہ مثال کے بغیر کیا جائے اور شریعت میں بدعت اس کام کو کہتے ہیں جس کی کوئی شرعی دلیل نہ ہو۔

چنانچہ نبی ﷺ کے کسی قول سے آپ ﷺ کی وفات کے بعد یا مطلق کسی فعل کا استحباب یا وجوب ثابت ہو اور اس پر آپ ﷺ کی وفات کے بعد عمل ہو جیسے صدقہ کی کتاب جسے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نکالا تو ایسے کام کو لغوی اعتبار سے بدعت کہہ سکتے ہیں جیسا کہ نبی ﷺ کے لائے دین اسلام کو لغت میں بدعت اور محدث کہا گیا ہے' چنانچہ قریش کے سفراء جب نجاشی کے دربار میں گئے تو ہجرت کرکے وہاں جانے والے صحابہ کے بارے میں کہا کہ: **ان هؤلاء خرجوا من دين ابائهم' ولم يدخلوا فى دين الملك' جاء وا بدين محدث لايعرف۔** یعنی ان لوگوں نے اپنے آبائی دین کو چھوڑ دیا بادشاہ کا دین (نصرانیت) بھی نہیں اختیار کیا' بلکہ ایک نیا اور غیر معروف دین لائے۔

لہٰذا جس عمل کی دلیل کتاب و سنت میں موجود ہو اسے شرعی اعتبار سے بدعت نہیں کہہ سکتے خواہ لغوی اعتبار سے وہ بدعت ہو۔ بدعت کا لفظ لغوی اعتبار سے عام ہے اور شرعی اعتبار سے خاص۔

نبی ﷺ کے قول کل بدعۃ ضلالۃ سے ہر نیا عمل مراد نہیں ہے کیونکہ اسلام اور دوسرے رسولوں کے لائے ہوئے مذاہب بھی نئے عمل میں داخل ہیں بلکہ اس قول سے وہ نئے اعمال مراد ہیں جن کو نبی ﷺ نے مشروع قرار نہیں دیا ہے۔

کچھ نئے مستحسن اعمال

۱۔ نماز تراویح

مذکورہ وضاحت کی روشنی میں تراویح سے متعلق یہ متعین ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عہد نبوی ﷺ میں باجماعت اور تنہا دونوں طرح ادا کیا پھر نبی ﷺ نے تیسری یا چوتھی رات میں ان سے کہا کہ میں تراویح کے لئے اس ڈر سے نہیں آیا کہ فرض ہو جائے گی۔

اس حدیث میں نبی ﷺ نے نماز کے لئے نہ نکلنے کی علت فرضیت کے خوف کو بتایا جس سے یہ معلوم ہوا کہ نکلنے کا محرک و مقتضی موجود تھا لیکن فرضیت کے خوف سے آپ

ﷺ نے اس کے مطابق نہیں کیا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد میں لوگوں کو ایک امام کے پیچھے جمع کیا اور مسجد میں روشنی کی جس سے تراویح کی یہ ہیئت سامنے آئی جو پہلے نہ تھی' اسی لئے اسے بدعت کے نام سے یاد کیا گیا' یعنی لغوی اعتبار سے یہ بدعت تھی نہ کہ شرعی اعتبار سے۔ اسوۂ نبوی ﷺ کی رو سے یہ نیک عمل تھا لیکن فرضیت کے خوف سے نبی ﷺ نے اس پر مداومت نہ فرمائی پھر جب نبی ﷺ کی موت سے فرضیت کا خوف ختم ہو گیا تو اس کی جماعت سے ادائیگی مستحسن ہو گئی۔

۲۔ تدوین قرآن

قرآن کی تدوین بھی اسی قبیل سے ہے عہد نبوی ﷺ میں تدوین کی راہ میں یہ چیز مانع تھی کہ وحی کا سلسلہ جاری تھا اور احکام میں تبدیلی ممکن تھی اگر ایسے وقت میں قرآن کو کسی ایک مصحف میں جمع کر دیا جاتا تو تبدیلی میں دشواری پیش آتی پھر جب نبی ﷺ کی موت سے قرآن اور شریعت میں کمی یا زیادتی کا امکان ختم ہو گیا اور کسی نئے حکم کی توقع نہ رہی اور تدوین کا محرک موجود رہا تو ایسے وقت میں مسلمانوں نے جمع قرآن کی خدمت انجام دیں۔ اس خدمت کو لغوی اعتبار سے بدعت کہہ سکتے ہیں لیکن شرعی اعتبار سے یہ سنن نبویہ ﷺ میں داخل ہے۔

۳۔ یہود و نصاریٰ کی جلا وطنی

جزیرہ عرب سے خیبر کے یہود اور نجران کے نصاریٰ کی جلا وطنی بھی مذکورہ نوعیت میں داخل ہے کیونکہ نبی ﷺ نے مرض الموت میں فرمایا تھا کہ : یہود و نصاریٰ کو جزیرہ عرب سے نکال دو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے عہد خلافت میں اس حکم پر عمل نہ کر سکے کیونکہ آپ کے سامنے مرتدین' ایرانیوں اور رومیوں کے ساتھ جنگ کا مسئلہ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اپنے ابتدائی عہد خلافت میں ایرانیوں اور رومیوں کے ساتھ جنگ کی وجہ سے یہود و نصاریٰ کو نہ نکال سکے لیکن بعد میں آپ کو موقع ملا تو اسے انجام دیا۔ یہ کام لغوی اعتبار سے ضرور نیا اور بدعت تھا' جیسا کہ یہود نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ : **كيف تخرجنا وقد اقرنا ابو القاسم**؟ یعنی جب ہمیں ابو القاسم (رسول اللہ ﷺ) نے یہاں رہنے دیا تو آپ

کیسے نکالیں گے؟

یہود نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ان کی تحریر دکھا کر اپنی واپسی کا مطالبہ کیا تھا لیکن انہوں نے انکار کر دیا اس کی توجیہہ بھی یہی ہے کہ اس فعل کا مقتضی موجود تھا لیکن کسی وجہ سے عمل نہ ہو سکا تھا۔

۴۔ امراء کا عطیہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ مال عطیہ کی صورت میں قبول کرو' لیکن جب کسی دینی کام کے عوض اسے دیا جائے تو نہ لو' چنانچہ جب حکام اللہ کا مال اپنی خواہشات پر خواہ وہ معصیت ہی کیوں نہ ہوں' مدد کرنے والوں کو دینے لگے تو ایسی صورت میں جو شخص اسے لینے سے باز رہے اسے سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا پیرو مانا جائے گا' خواہ حکام کے عطیہ کو نہ قبول کرنا نئی بات ہو' حکام نے نئی بات ایجاد کی تو اس کے جواب میں سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک نیا حکم نکالا گیا۔

۵۔ تلوار توڑنا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اصبان بن صیفی کو تلوار دے کر فرمایا تھا کہ : اس کے ذریعہ مشرکوں سے جنگ کرنا اور جب دیکھنا کہ مسلمان آپس میں لڑنے لگیں تو اسے توڑ دینا۔ اس مثال سے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ تلوار کا توڑنا ایک نیا فعل ہے' اسے عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں مسلمانوں نے نہیں کیا تھا لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے بعد یہ نیا کام بھی سنت میں داخل ہو گیا۔

۶۔ مانعین زکوٰۃ سے جنگ

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے زکوٰۃ روکنے والوں سے جنگ کی' لغوی اعتبار سے یہ فعل بدعت تھا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ پر کسی سے جنگ نہیں کی تھی لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ : مجھے لوگوں سے جنگ کا حکم ہے یہاں تک کہ وہ لا الٰہ اللہ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت دیں' اس شہادت کے بعد ان کے مال اور ان کی جان محفوظ ہو جائے گی مگر یہ کہ ان میں کوئی حق ثابت ہو اور ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہو گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ مال میں ایک حق ہے جو اسے روکے گا اس کی جان اور مال محفوظ نہ ہو گا اس مسئلہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی

نیک دور کی سنت میں شامل کیا گیا ہے۔

اس سلسلہ میں ضابطہ یہ ہے کہ لوگ کسی کام کو ایجاد کرتے ہیں تو کسی مصلحت کے پیش نظر کرتے ہیں اگر اس کام میں مصلحت کے بجائے خرابی ہو تو اسے ایجاد نہیں کریں گے اب اس مصلحت والے کام کے سلسلہ میں یہ دیکھا جائے گا کہ اس کا سبب کیسا ہے' اگر یہ سبب نبی ﷺ کے بعد پیدا ہوا ہو اور اس میں کسی تقصیر کا شائبہ نہ ہو تو ضرورت کے مطابق اس کام کو کیا جا سکتا ہے اسی طرح اگر عہد نبوی ﷺ میں اس کام کا محرک موجود رہا ہو لیکن نبی ﷺ نے کسی رکاوٹ سے اسے نہ کیا ہو تو آپ ﷺ کی وفات کے بعد جب وہ رکاوٹ دور ہو جائے تو اس کام کو کر سکتے ہیں۔

البتہ جس کام کے وجود کا سبب نہ ہو یا بندوں کے بعض گناہ اس کا سبب ہوں تو ایسے فعل کو انجام نہیں دیا جائے گا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ عہد نبوی میں جس فعل کا محرک موجود ہو اگر اس میں مصلحت ہو لیکن اسے کیا نہ گیا ہو تو اس سے معلوم ہو جائے گا کہ اس میں مصلحت نہیں ہے۔ لیکن جس فعل کا محرک نبی ﷺ کی موت کے بعد پیدا ہوا ہو اور اس میں گناہ نہ ہو تو ایسا فعل مصلحت ہو سکتا ہے۔

عبادات کی تشریح اور قیاس و استحسان

مصلحت کی وجہ سے اگر کسی فعل کا محرک موجود ہو لیکن اس کے باوجود اگر اس فعل کو مشروع نہ قرار دیا گیا ہو تو ایسے فعل کو کرنا یا اس کا حکم دینا دین میں تبدیلی ہے' بادشاہ' علماء اور عوام میں سے جس نے بھی ایسا کیا وہ دین میں تبدیلی کا مرتکب ہے' نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ : مجھے تم پر سب سے زیادہ جس چیز کا ڈر ہے وہ ہے عالم کی لغزش' قرآن کے ذریعہ منافق کا جھگڑنا اور گمراہ ائمہ۔

اس صورت کی مثال عیدین کی اذان ہے اسے جب بعض حکام نے ایجاد کیا تو مسلمانوں نے اس کو ناپسند کیا کیونکہ یہ بدعت کا کام تھا اگر کوئی یہ سوچے کہ اذان کے ذریعہ مسلمانوں کو عبادت کے لئے بلایا جاتا ہے۔ لہٰذا عیدین کی اذان اللہ تعالیٰ کے قول (**واذكروا الله ذكرا كثير**) اور (**ومن احسن قولا ممن دعا الى الله**) کے عموم میں داخل ہو گی یا اسے جمعہ کی اذان پر قیاس کیا جائے گا۔ تو یہ خیال صحیح نہ ہو گا کیونکہ

محرک کے موجود ہوتے ہوئے نبی ﷺ نے عیدین کے لئے اذان کا حکم نہیں دیا اور جمعہ کے لئے حکم دیا تو عیدین میں اذان نہ دینا ہی سنت قرار پائے گا۔ قیاس کے ذریعہ اذان کے مواقع میں اضافہ کرنے والے کی مثال ایسی ہی ہو گی جیسے کوئی شخص نمازوں یا ان کی رکعتوں کی تعداد میں اضافہ کرے یا رمضان کے روزہ یا حج میں اضافہ کرے اور یہ دلیل پیش کرے کہ یہ نیک کام میں اضافہ ہے تو اس کا اعتبار نہ ہو گا اور اس کی دلیل رد کر دی جائے گی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص حج کے مقامات کے علاوہ ذکر اور دعا کے لئے کسی اور جگہ کو متعین کرے اور کہے کہ یہ بدعت حسنہ ہے تو اس کا یہ فعل اور تصور غلط ہو گا' اس کو بتایا جائے گا کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔ یہاں اس کے فعل کے لئے کسی خاص نہی یا اس میں خرابی کے علم کا سوال نہیں ہو گا۔

نماز عید سے پہلے خطبہ

لوگوں کی تقصیر کے باعث جن بدعتوں کو وجود میں لایا گیا ہے ان کی مثال میں عید کی نماز سے قبل خطبہ کی بدعت کو پیش کیا جا سکتا ہے بعض حکام نے جب یہ بدعت ایجاد کی تو مسلمانوں نے ان کے فعل پر نکیر کی' خطبہ کو مقدم کرنے والوں نے یہ عذر پیش کیا کہ لوگ نماز کے بعد خطبہ سننے سے پہلے چلے جاتے ہیں' حالانکہ نبی ﷺ کے عہد میں بغیر خطبہ سنے ہوئے کوئی نہیں جاتا تھا۔ انہوں نے یہ نہیں سوچا کہ نبی ﷺ مختصر اور مفید خطبہ دیتے تھے اس لئے لوگ اسے سنتے تھے اور بعد کے لوگوں نے عوام کی تبلیغ و ہدایت کے بجائے اپنی سرداری و برتری کو تقویت دینے کا مقصد پیش نظر رکھا اور اس طرح ایک گناہ سے دوسرا گناہ پیدا کیا۔ انسان اگر سنت کے صحیح طریقہ پر عمل کرے تو اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچ جائے گا خواہ لوگ اس کی موافقت کریں یا مخالفت کسی سنت کی مخالفت اس بات کا جواز نہیں فراہم کرتی کہ اس کی جگہ کوئی بدعت ایجاد کی جائے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ بہت سی بدعتیں اسی طرح پیدا ہوئی ہیں ایک حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ لوگ جب کوئی بدعت ایجاد کرتے ہیں تو اس کی جگہ اللہ تعالیٰ کوئی سنت اٹھا لیتا ہے۔ میں پہلے کسی مقام پر بتا چکا ہوں کہ دلوں کو شریعت سے غذا ملتی ہے اگر دلوں کو بدعت کی غذا فراہم کر دی جائے گی تو پھر ان میں سنت کے لئے جگہ باقی نہیں رہے گی۔

حکام کی تقصیر

اسلام میں ایسے حکام گزرے جنہوں نے جنایات و فوجداری مالیات کے باب میں ظالمانہ راہ اختیار کی' انہوں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ داری کو ادا نہیں کیا' اگر صرف جائز مال پر قناعت کرتے دینی شعائر کو قائم کرتے اپنی سرداری کو پیش نظر نہ رکھتے' حدود کو قائم کرنے میں شریعت ورذیل کے مابین فرق کرتے' ترغیب و ترہیب میں عدل و انصاف کو پیش نظر رکھتے تو طرح طرح کے ناجائز ٹیکسوں اور ظالمانہ سزاؤں کو تھوپنے کی ضرورت نہ پیش آتی نہ تحفظ کے لئے غلاموں اور خادموں کا سوال ہوتا' جیسا کہ خلفاء راشدین حضرت عمر بن عبدالعزیز اور بعض دوسرے عادل حکام کے احوال میں ہم دیکھتے ہیں۔

اسی طرح اگر علماء کتاب اللہ کو قائم کرتے' اس کے روشن دلائل کو سمجھتے ہدایت اور عمل صالح کی تبلیغ کرتے اور حکمت الٰہی یعنی سنت رسول اللہ ﷺ کو قائم کرتے تو مفید علم کی ایسی صورتیں ان کے سامنے آتیں جن سے عوام کو فائدہ ہوتا اور وہ حق و باطل کے مابین تمیز کرتے' شہادت کے اس مقام تک پہنچنے کے اہل بنتے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ کی آیت (۱۴۲) میں فرمایا ہے کہ:

(اور اسی طرح ہم نے تم کو بیچ کی یعنی بہتر امت بنایا تاکہ تم دوسرے لوگوں پر قیامت کے دن گواہ بنو)۔

تو یقیناً اہل بدعت کی بدعتوں' اہل کلام کی ان دلیلوں سے جن کو وہ بزعم خود اصل دین کی مدد سمجھتے ہیں اور اہل قیاس کی اس فاسد رائے سے جسے وہ بزعم خود فروغ دین کا اتمام سمجھتے ہیں' بے نیاز رہتے کیونکہ جملہ صحیح دلائل اور صحیح رائے کی اصل کتاب و سنت میں موجود ہے' سمجھنے والے اسے سمجھتے ہیں اور جنہیں توفیق نہیں وہ محروم ہیں۔

اسی طرح اگر عبادت گزار لوگ ظاہر و باطن میں صرف مشروع اقوال و اعمال کے ذریعہ عبادت کا فرض انجام دیتے' صحیح طور پر کلمہ طیبہ کے ذوق آشنا ہوتے اور رسول اکرم ﷺ کے بتائے ہوئے نیک اعمال کی پابندی کرتے تو بلند و پاکیزہ احوال و مقامات اور عظیم نتائج سے بہرہ مند ہوتے' پھر انہیں ان مبتدعانہ باتوں یعنی اور اوراد و اذکار کے سننے کی ضرورت نہ رہتی جو قرآن سے دور کر دیتے ہیں ایسے اور اوراد و اذکار درحقیقت ان لوگوں کی ایجاد ہیں

جو مشروع امور کی صحیح پابندی سے محروم ہیں اور اس نقص کو غیر مشروع امور سے دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

بہت سے علماء و عباد اپنے اجتہاد سے اس طرح کے اذکار ایجاد کرتے ہیں' ان کو اس سلسلہ میں معذور مانا جا سکتا ہے لیکن ہر عمل کی دلیل کا جاننا ضروری ہے' کیونکہ ان کے کسی بڑے مرتبہ پر پہنچنے کا یہ مطلب نہیں کہ اس کی تمام باتیں اور تمام اعمال صحیح ہوں یہ مرتبہ صرف رسول اکرم ﷺ کو حاصل ہے کسی امتی کو نہیں۔

دوسری وجہ: مبتدعانہ تہوار و تقریبات سے دین کا بگاڑ ہوتا ہے

اس نوعیت کی بدعتوں کی خرابی اکثر لوگ نہیں سمجھ پاتے' صرف اہل دانش ان کی خرابیوں سے واقف ہوتے ہیں۔

کتاب و سنت کی پیروی غیر مشروط ہے

کتاب و سنت کی پیروی ہر مسلمان کا فرض ہے' خواہ ان کے احکام کی مصلحت سے لوگ واقف ہوں یا نہ اگر ایسا نہ کیا جائے تو اس سے بہت سی خرابیاں لازم آئیں گی:

مثال کے طور پر اگر کوئی ماہ رجب کے پہلے پنجشنبہ کو روزہ رکھتا ہے اور آنے والی جمعہ کی رات میں جاہلوں کی نام نہاد "صلاۃ الرغائب" ادا کرتا ہے اور اس موقع پر خوراک و لباس کا اہتمام کرتا ہے تو یقیناً اس کے دل میں یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ یہ دن دوسرے دنوں سے اور یہ رات دوسری راتوں سے افضل ہے اور اسی طرح ان کی عبادت بھی دوسری عبادتوں سے افضل ہے اگر اس کا یہ اعتقاد نہ ہو تو پھر اس دن و رات کی تخصیص کا کوئی سبب نہیں۔

لیکن مذکورہ اعتقاد کھلی گمراہی ہے کیونکہ نبی ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم اور ائمہ دین سے مذکورہ دن و رات کی فضیلت کے بارے میں ایک حرف بھی وارد نہیں' اس سلسلہ کی جو حدیث پیش کی جاتی ہے وہ موضوع ہے اسلام میں اس طرح کی عبادت چوتھی صدی ہجری کے بعد وجود میں آئی ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ مذکورہ دن و رات کی کوئی فضیلت نہیں اور جو چیز نبی ﷺ' صحابہ' تابعین اور ائمہ دین کے علم میں نہ ہو اس میں نہ تو کسی طرح کی فضیلت ہو سکتی نہ ہی اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل ہو سکتا۔ کیا ہم یہ سوچ سکتے ہیں کہ نبی ﷺ اور

صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس کی فضیلت کا علم تھا لیکن انہوں نے بعد کے لوگوں کو اس سے آگاہ نہ کیا؟ ایسا تصور عظیم گناہ اور شدید بدبختی کا تصور ہے۔

اس نوعیت کی تمام بدعتیں گمراہ عقائد اور فاسد خیالات کی وجہ سے ظہور پذیر ہوتی ہیں اور انسان ان کا احترام کرنے لگتا ہے۔

بدعی اعمال کے احترام کا جو عقیدہ دل میں پیدا ہو جاتا ہے اس سے یہ خرابی بھی پیدا ہوتی ہے کہ صحیح عقیدہ کی دل میں گنجائش نہیں رہتی اللہ کے رسول ﷺ جو احکام لے کر آئے ہیں ان سے ٹکراؤ پیدا ہوتا ہے اور پھر دل کے اندر نفاق پیدا ہو جاتا ہے۔

اس کی مثال یہ ہو سکتی ہے کہ عصر نبوی ﷺ میں کچھ لوگ ریاست اور مال و نسب کی وجہ سے ابو جہل اور عبداللہ بن ابی کی عظمت کا اعتقاد رکھتے تھے جب رسول اللہ ﷺ نے ان کی مذمت کی' نقائص بیان فرمائے اور قتل یا توہین کا حکم دیا تو یہ بات غیر مخلص مومنوں کے دل میں نہ اتری اور وہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور اپنے نفس کی پیروی کے مابین کش مکش کا شکار ہو گئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بدعت میں ایسا زہر ہوتا ہے جس سے ایمان کمزور ہو جاتا ہے' چنانچہ کہا جاتا ہے کہ بدعت کفر سے مشتق ہے۔

اس مفہوم کا اعتبار ان تمام عبادتوں کے اندر ہے جن سے شریعت نے روکا ہے اور اس کی نظر میں ان کے اندر کوئی خصوصیت نہیں البتہ اس کے وہم کی گنجائش ہے' جیسے قبروں کے پاس نماز پڑھنا اور بتوں کے پاس ذبیحہ دینا' ایسا کرنے والا ممکن ہے کسی فضیلت کا اعتقاد نہ رکھے لیکن اس کے گمان کی گنجائش ہوتی ہے لہٰذا جس طرح شرعی فضیلت کا اثبات ایک مقصود امر ہے اسی طرح غیر شرعی فضیلت کی نفی بھی مقصود ہے۔

ایک سوال

اگر کوئی کہے کہ اس طرح کی تقریبات کا اہتمام علم و فضل والے صدیقین نے کیا ہے اور اہل ایمان کو ان میں فائدے محسوس ہوئے ہیں مثلاً دل میں طہارت و رقت پیدا ہوئی ہے گناہوں کا بوجھ کم ہوا ہے اور دعائیں قبول ہوئی ہیں۔ اس طرح نماز و روزہ کی فضیلت پر دلالت کرنے والی عام عبادتوں سے اس کی تائید ہوتی ہے پھر ان تقریبات کو خلاف شرع کیسے قرار دیا جا سکتا ہے؟

جواب

مذکورہ شبہ کا جواب یہ ہے کہ تاویل' اجتہاد یا تقلید کے طور پر اگر کسی نے ان تقریبات میں حصہ لیا ہو تو مشروع حصہ پر عمل کے سبب اسے اجر مل سکتا ہے' اور ان کی بدعی حیثیت میں وہ بہ سبب اجتہاد معذور مانا جائے گا اور ان تقریبات کے جو فوائد بتائے جاتے ہیں وہ اصل میں ان کی مشروع حیثیت کے باعث ہیں اور ان کے مکروہ پہلو کو اللہ تعالیٰ نے اس لئے معاف فرمایا ہے کہ اجتہاد کی غلطی پر مواخذہ نہیں۔ اس مفہوم کا وجود تمام مکروہ بدعتوں میں ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان سے روکا نہ جائے یہود و نصاریٰ کو بھی ان کی بہت سی عبادتوں میں فوائد کا احساس ہوتا ہے کیونکہ ان میں مشروعیت کا ایک پہلو موجود ہوتا ہے اور یہی حال ان کے اقوال کا بھی ہے یعنی ان میں کچھ سچے اقوال بھی ہیں لیکن اس کے باوجود ہمارے لئے جائز نہیں کہ ان کی عبادتوں کو بجا لائیں اور ان کے اقوال کو دوسروں تک پہنچائیں کیونکہ تمام بدعتوں میں شرک کا ایک ایسا پہلو ہوتا ہے جو ان کے خیر کے پہلو پر غالب ہوتا ہے اور اسی وجہ سے شریعت بدعتوں کو ممنوع قرار دیتا ہے۔ لہٰذا جب سے کسی کام کا بدعت ہونا ثابت ہو جائے تو اس سے روکنا ضروری ہو جاتا ہے کیونکہ اس میں خیر کا پہلو ہمیشہ مغلوب رہتا ہے۔

اگر کسی شخص نے اجتہادی غلطی کے طور پر ان بدعتوں کا ارتکاب کیا ہو اور اس پر گناہ لازم نہ آئے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان بدعتوں سے روکنا ترک کر دیا جائے گا یا ان کا سبھی لوگ ارتکاب کریں گے کیونکہ بدعتوں کے اندر جو مفاسد موجود ہوتے ہیں ان کے سبب وہ ہمیشہ ممنوع رہیں گی۔

اور جہاں تک بعض اہل علم و فضل کے ان پر عمل کا تعلق ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اکثر لوگوں نے ان سے اجتناب بھی کیا ہے اور تنازع کی اس صورت میں قرآن و سنت کی جانب رجوع کا حکم ہے اور دونوں سے بدعتوں کی ممانعت ثابت ہے مزید یہ کہ علماء متقدمین کا مرتبہ متاخرین سے بڑا ہے اور انہوں نے ہمیشہ ان بدعتوں کی مخالفت کی ہے۔

بدعت کے مفاسد

جو لوگ بدعت کے اندر منفعت محسوس کرتے ہیں انہیں بدعت کی درج ذیل خرابیوں

پر نظر کرنا چاہیے:

۱۔ عقیدہ کی خرابیوں کے علاوہ بدعت کی ایک خرابی یہ ہے کہ جب انسان کا دل کسی بدعت کو اچھا سمجھتا ہے تو اسکی جگہ بہت سی سنتوں کو نظرانداز کر دیتا ہے' لہٰذا دیکھا جاتا ہے کہ عوام میں سے بہت سے لوگ پنجگانہ نمازوں اور تراویح کے مقابلہ میں بدعتوں کا زیادہ اہتمام کرتے ہیں۔

۲۔ بدعتوں کے سبب فرائض و سنن سے توجہ ہٹ جاتی ہے اور اخلاص و انابت کا محور یہی بدعتیں بن جاتی ہیں جس کے نتیجہ میں بندہ اس رحمت و مغفرت' رقت و خشوع' قبولیت دعاء اور لذت مناجات سے محروم ہو جاتا ہے جس کا وعدہ فرائض و سنن کی بجا آوری پر کیا گیا ہے۔

۳۔ معروف منکر میں اور منکر معروف میں بدل جاتا ہے اور اکثر لوگ انبیاء کے دین سے ناواقف ہو جاتے ہیں اور جہالت عام ہو جاتی ہے۔

۴۔ شریعت میں مکروہ چیزوں کا رواج ہو جاتا ہے مثلاً افطار میں تاخیر' عشاء کی نماز بغیر خشوع و خضوع ادا کرنا' بغیر سہو کے سلام کے بعد سجدہ سہو کرنا' بے اصل اذکار و اوراد پر عمل کرنا۔

۵۔ طبیعت کا دائرہ اتباع سے نکل کر آزاد ہو جانا اور صراط مستقیم سے ہٹ جانا کیونکہ انسانی نفس میں ایک طرح کا تکبر ہوتا ہے وہ حتی الامکان اتباع و عبودیت سے گریز کی کوشش کرتا ہے۔ ابو عثمان نیشا پوری کا قول ہے کہ: انسان اپنی طبیعت کے تکبر کے باعث رسول اکرم ﷺ کی اتباع سے دور ہوتا ہے تو اس کے اندر تکبر اور ایمان کی کمزوری پیدا ہو جاتی ہے لیکن انسان اس دھوکہ میں رہتا ہے کہ وہ اچھا کام کر رہا ہے۔

۶۔ اہل کتاب کے تہواروں کے ضمن میں جن مفاسد کا ذکر گزر چکا ہے وہ بھی بدعتوں کے اندر موجود ہوتے ہیں۔

فصل

زمانی بدعتوں کے بیان میں

ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ لفظ عید (تہوار) کا اطلاق جگہ' وقت اور اجتماع ہر ایک کے لئے

ہوتا ہے اور ان میں سے ہر ایک میں بہت سی بدعتوں کا رواج ہوا ہے۔
زمانی بدعتوں کی تین قسمیں ہیں جن میں بعض مکانی و فعلی بدعتیں بھی شامل ہو گئی ہیں۔

پہلی قسم

ایسا دن جس کی شریعت میں قطعاً تعظیم نہ وارد ہو' نہ سلف نے اس کا ذکر کیا ہو نہ اس کی تعظیم کا کوئی موجب ہو' جیسے ماہ رجب کا پہلا پنجشنبہ اور اس کے بعد جمعہ کی رات جسے "رغائب" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس دن اور رات کی تعظیم کا سلسلہ چوتھی صدی کے بعد شروع ہوا ہے اور باتفاق علماء ایک موضوع حدیث میں اس کے روزہ اور رات کی نماز کی فضیلت کا بیان ہے لیکن علماء محققین نے ایسے روزہ اور ایسی نماز سے منع کیا ہے اور خوراک و لباس میں کسی طرح کے اہتمام کو بھی غلط قرار دیا ہے۔
اسی طرح وسط رجب کے ایک دن میں "صلاۃ ام داؤد" کے نام سے جو نماز ادا کی جاتی ہے اس کی بھی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے۔

دوسری قسم

ایسا دن جس میں کسی معمولی واقعہ کا ظہور ہوا ہو لیکن اس واقعہ سے اس دن کو تقریب کی حیثیت دینا لازم نہ ہو' نہ سلف نے اس کی تعظیم کی ہو' جسے ۱۸ ر ذی الحجہ کا دن جس میں نبی ﷺ نے حجتہ الوداع سے واپس ہوتے ہوئے غدیر خم کے مقام پر خطبہ دیا تھا جس میں کتاب و سنت کی پیروی اور اہل بیت کے سلسلے میں وصیت تھی صحیح مسلم میں یہ روایت مذکور ہے لیکن بعض ہوا پرستوں نے اس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ نبی ﷺ نے اس خطبہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے خلافت کی وضاحت سے وصیت کی تھی اس موقع کی بہت سی باتیں اور بہت سے کام انہوں نے ذکر کئے ہیں جو بلا شبہ وقوع پذیر نہیں ہوئے۔ ہوا پرستوں کا گمان ہے کہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے مل کر نبی ﷺ کی اس بات کو چھپا دیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حق خلافت غصب کر لیا یہ لوگ صحابہ کی تکفیر و تفسیق بھی کرتے ہیں۔
لیکن اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو جو طبیعت بخشی ہے امانت و دیانت میں صحابہ کا جو مقام تھا

اور شریعت نے حق کو بیان کرنے کی جو پابندی ڈالی ہے اس کے پیش نظر یہ محال ہے کہ صحابہ نے ایسی کوئی بات چھپائی ہو۔

اس موقع پر مسئلہ امامت کا ذکر مقصود نہیں بلکہ صرف یہ بتانا ہے کہ مذکورہ دن کو تہوار بنانا بے بنیاد ہے' سلف' اہل بیت یا اور کسی نے ایسا نہیں کیا۔ عید کی حیثیت شرعی عمل کی ہے اس میں اتباع رسول ﷺ کے سوا کسی بھی ایجاد و ابتداع کی گنجائش نہیں۔

نبی ﷺ نے مختلف موقعوں پر خطبے دیئے معاہدے کئے اور متعدد دنوں میں متعدد واقعات پیش آئے مثلاً بدر' حنین' خندق' فتح مکہ' ہجرت کا وقت اور مدینہ میں داخلہ۔ لیکن ہمیں کسی بھی دن اور موقع کو تہوار بنانے کا حکم نہیں دیا گیا۔ اس طرح کے دنوں کو تہوار بنانا دراصل یہود و نصاریٰ کی عادت ہے لیکن اسلام میں تہوار ایک شرعی حکم ہے' جس دن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہو گا اسی کو تہوار بنایا جائے گا۔ دوسرے کو نہیں۔

کرسمس کی تقلید

نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یوم پیدائش مناتے ہیں ان کی تقلید میں نبی ﷺ کی محبت و تعظیم کے خیال سے مسلمان بھی یوم ولادت نبوی ﷺ کو تہوار کی حیثیت دیتے ہیں' نبی ﷺ کی محبت بلا شبہ باعث اجر ہے لیکن یوم ولادت کو تہوار بنانا بدعت ہے یوم ولادت میں لوگوں کا اختلاف ہے سلف نے اس کا کوئی اہتمام نہیں کیا ہے جبکہ اس کا مقتضی موجود تھا اگر میلاد النبی ﷺ کے اہتمام میں کوئی خیر یا ثواب ہوتا تو سلف اس سے باز نہ رہتے کیونکہ انہیں نبی ﷺ کے ساتھ غایت درجہ محبت تھی اور ہر نیکی کے کام کا حد درجہ خیال تھا۔

نبی ﷺ کی محبت و تعظیم کا معیار و مقتضی اس وقت آپ کا یوم ولادت منانے میں نہیں بلکہ آپ ﷺ کے اسوہ کی پیروی' سنتوں کے احیا' دین کی اشاعت اور زبانی و عملی جہاد میں ہے یہی مہاجرین' انصار اور ان کے متبعین کا طریقہ ہے۔

عید میلاد اور دوسری بدعتوں کا اہتمام کرنے والوں کی نیت نیک ہو سکتی ہے ان کی سعی و کوشش بھی قابل ذکر ہے لیکن باعث افسوس یہ ہے کہ یہی لوگ رسول اللہ ﷺ کے اسوہ حسنہ کی پیروی میں ست نظر آتے ہیں' جیسے آج کل لوگ مسجدوں کو مزین کرتے ہیں لیکن ان میں نماز پڑھنے کا اہتمام نہیں کرتے لمبی لمبی تسبیحیں اور خوبصورت مصلے رکھتے ہیں

لیکن ذکر الٰہی سے غافل رہتے ہیں حدیث میں آیا ہے کہ : جب کسی امت میں بدعملی پیدا ہوتی ہے تو وہ مسجدوں کی آرائشگی پر متوجہ ہو جاتی ہے۔

بعض اعمال میں شرعی حکم کے مطابق ہونے کی وجہ سے خیر ہوتا ہے لیکن کسی طرح کی بدعت کے باعث اس میں شر کا پہلو بھی ہوتا ہے۔ بعد کے ادوار میں امت کے سامنے اس طرح کے بہت سے اعمال پیش آئے ہیں' اس صورت حال میں دو باتوں کی پابندی ضروری ہے

اول یہ کہ ظاہری و باطنی ہر صورت میں سنت کی پابندی کا خیال رکھا جائے اور معروف و منکر کو پہچان کر ان کے مقام پر رکھا جائے۔

دوم یہ کہ لوگوں کو حتی الامکان سنت کی دعوت دی جائے۔ اگر کوئی شخص ایک برے کام کو چھوڑ کر اس سے زیادہ برے کام کو اختیار کر لیتا ہو تو اس کو پہلے کام کے چھوڑنے کی دعوت نہ دینا بہتر ہے اگر کسی بدعت میں خیر کا پہلو ہو تو اس سے انسان کو باز رکھنے کی صورت یہ ہے کہ اس سے زیادہ خیر کا کام اس کے سامنے پیش کیا جائے کیونکہ انسانی طبیعت اسی وقت کسی کام کو چھوڑتی ہے جب اس کے بدلہ میں دوسرا کام اختیار کرے' بھلا کام بھی اسی وقت چھوڑنا چاہیے جب اس سے زیادہ بھلائی کا کام انجام دینا مقصود ہو۔

عادات و عبادات کی بدعتوں کا انکار کرنے والے بہت سے لوگ سنتوں پر عمل اور ان کا حکم دینے میں تقصیر کے مرتکب ہوتے ہیں اور بسا اوقات ان میں سے بہتوں کا حال عبادات کی بدعتوں کا ارتکاب کرنے والوں سے زیادہ برا ہوتا ہے۔

دین در حقیقت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا نام ہے ان دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کے بغیر وجود پذیر نہیں ہو سکتا' کسی برائی سے روکنا اسی وقت مفید ہو سکتا ہے جب اس کی جگہ کسی بھلی بات کا حکم دیا جائے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم دیا جاتا ہے تو غیر اللہ کی عبادت سے روکا جاتا ہے۔ انسان کو اصل میں عمل کے لئے پیدا کیا گیا ہے کسی عمل سے باز رہنا مقصود لغیرہ ہے' جب تک انسان نیک عمل کی بجا آوری میں مشغول نہ ہو برا کام اس سے چھوٹ نہیں سکتا اور چونکہ برے اعمال سے نیک اعمال میں خرابی پیدا ہوتی ہے اس لئے لوگوں کو برے اعمال سے روکا گیا ہے تاکہ نیک اعمال محفوظ رہ سکیں۔

بعض اعمال کو خرابی کے باوجود اس لئے برداشت کر لیا جاتا ہے کہ انسان اس سے بڑی

خرابی کا شکار نہ ہو جائے' چنانچہ امام احمد سے جب بعض حکام کے بارے میں بیان کیا گیا کہ اس نے قرآن کریم پر ایک ہزار دینار خرچ کر دیا ہے تو قرآن کی تزئین کو مکروہ سمجھتے ہوئے انہوں نے جواب دیا کہ چھوڑ دو ان کے مال کا یہ بہتر مصرف ہے اگر قرآن پر پیسہ خرچ نہیں کریں گے تو پھر فسق و فجور اور قصہ و کہانی کی کتابوں پر خرچ کریں گے جس سے اور زیادہ خرابی پیدا ہو گی۔

معروف و منکر کے مراتب

معروف و منکر کے مراتب اور دلائل کی قوت و ضعف کا جاننا ضروری ہے اسی کے ذریعہ انبیاء کی لائی ہوئی شریعتوں کا صحیح علم ہو سکتا ہے یہ مرتبے تین ہیں:

اول وہ مشروع عمل صالح جس میں کوئی کراہت نہ ہو۔

دوم وہ عمل جو بعض یا اکثر وجوہ سے صالح ہو اچھے قصد کے باعث یا مشروع عمل کی قسموں پر مشتمل ہونے کی وجہ سے۔

سوم وہ عمل جس میں خیر و صلاح کا کوئی پہلو نہ ہو' یا تو اس لئے اس سے عمل صالح کا ترک لازم آئے یا خود اس میں سراپا خرابی ہو۔

پہلا مرتبہ نبی کریم ﷺ کی سنتوں کا ہے یعنی ان کا ظاہر و باطن اور قول و عمل سب کچھ خواہ علمی امور سے متعلق ہوں یا عملی۔ اس قسم کا سیکھنا' سکھانا' حکم دینا اور کرنا ضروری ہے۔ مہاجرین و انصار میں سے سابقین اولین اور ان کے متبعین کے اعمال کا تعلق اسی قسم سے ہے۔

دوسرا مرتبہ علم و عبادت سے تعلق رکھنے والے متاخرین اور عوام کے یہاں بکثرت موجود ہے یہ لوگ ان لوگوں سے بہتر ہیں جو مشروع یا غیر مشروع نیک عمل نہیں کرتے یا جو حرام کاموں میں سے کفر' جھوٹ' خیانت اور جہالت جیسے اعمال کے مرتکب ہوتے ہیں۔

پھر جو لوگ مکروہ اعمال مثلاً روزہ میں وصال' شادی سے گریز' بغیر خصوصیت کسی رات کی عبادت' کے ذریعہ عبادت کرتے ہیں ان کا حال تیسرے مرتبہ والے اس بیکار شخص کے حال سے بہتر ہو سکتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت کا کوئی ذوق نہیں' بلکہ ان میں سے بہت سے وہ لوگ جو ان چیزوں کا انکار کرتے ہیں خود اللہ کی عبادت' نفع بخش علم

اور نیک عمل سے کنارہ کش رہتے ہیں۔

لیکن سچا مومن معروف و منکر کو جانتا ہے اور کسی کی پرواہ کے بغیر وہ معروف کی دعوت دیتا ہے اور منکر سے روکتا ہے۔

تیسری قسم

ایسے امور جن کی شریعت میں عظمت ہے مثلاً عاشورا کا دن' عرفہ کا دن' عیدین کے دن' رمضان کے آخری دس دن' ذی الحجہ کے پہلے دس دن' جمعہ کی رات اور دن' محرم کے پہلے دس دن اور دوسرے وہ تمام اوقات جن کی فضیلت ثابت ہے۔ ان دنوں میں کبھی کبھی ایسے اعمال ایجاد کر لئے جاتے ہیں جن کو فضیلت سمجھا جاتا ہے حالانکہ وہ منکر اور منہی عنہ ہوتے ہیں مثلاً عاشورا کے دن بعض ہوا پرست پانی نہیں پیتے اور اکٹھا ہو کر غم کا اظہار کرتے ہیں اور بدعت کے ایسے کام انجام دیتے ہیں جو نہ تو مشروع ہیں نہ انہیں اہل بیت اور سلف وغیرہ میں سے کسی نے کیا ہے اس دن سبط نبی ﷺ اور جوانان جنت کے دو سرداروں میں سے ایک یعنی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا تھا مسلمانوں کا فرض تھا کہ اس مصیبت کو شرعی طریقہ کے مطابق برداشت کرتے' یعنی انا للہ وانا . . پڑھتے اور صبر کرتے لیکن بدعت پرستوں نے شریعت کی مخالفت کی' جھوٹ میں ملوث ہوئے' صحابہ کو برا بھلا کہنا شروع کیا حالانکہ ان کا اس حادثہ سے کوئی تعلق نہ تھا اسی طرح اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کے دوسرے کام بھی کرنے لگے۔ حالانکہ خود حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی لڑکی فاطمہ سے بروایت حسین علی رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص پر کوئی مصیبت آئی ہو اور وہ اسے یاد کر کے انا للہ پڑھے تو خواہ وہ مصیبت پرانی ہی کیوں نہ ہو اسے اللہ تعالیٰ اسی دن کا اجر دے گا جب وہ مصیبت نازل ہوئی تھی اور انسان نے شریعت کے مطابق صبر کیا تھا۔ احمد' ابن ماجہ

شہادت حسین رضی اللہ عنہ کو آنکھوں سے دیکھنے والی خاتون اس حدیث کی راویہ ہیں' لہٰذا ہمیں اس پر بہت زیادہ غور کی ضرورت ہے۔ آج جس طرح مصیبت کے دنوں کو ماتم بنا لیا گیا ہے وہ مسلمانوں کا نہیں بلکہ اہل جاہلیت کا دین ہے۔

شریعت میں عاشورا کے روزہ کا حکم تھا اس کو نظر انداز کر کے بدعتوں پر توجہ کی گئی ہے

موضوع و بے اصل حدیثوں کا سہارا لے کر اس دن غسل کرنے' سرمہ لگانے اور مصافحہ کرنے کو رواج دیا گیا ہے۔

اہل و عیال کے لئے اس دن میں وسعت کرنے سے متعلق بھی بعض آثار مروی ہیں' ان میں سب سے اعلیٰ روایت ابراہیم بن محمد بن منتشر کی ہے' اس میں مذکور ہے کہ جو عاشورا کے دن اہل و عیال کے لئے وسعت پیدا کرے اس کے لئے اللہ تعالیٰ پورے سال وسعت پیدا کرے گا۔ اسے ابن عیینہ نے روایت کیا ہے' یہ ایک منقطع قول ہے جس کے قائل کا علم نہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس قول کو ناصبی اور رافضی لوگوں کے مابین عداوت ظاہر ہونے کے بعد وضع کیا گیا ہے کیونکہ رافضہ نے عاشورا کو ماتم کا دن قرار دیا تھا' اس کے جواب میں ناصبہ نے اس دن کو تہوار بنانے اور اس میں کھانے پینے کے اہتمام کی بات کو فروغ دیا۔ لیکن حقیقت میں دونوں اقوال اور رویے باطل ہیں اور شریعت میں دونوں میں سے کسی کا بھی حکم نہیں' لہٰذا ناصبہ اور رافضہ دونوں گمراہ اور بدعتی ہیں البتہ رافضہ میں جھوٹ اور بدعملی زیادہ ہے لیکن کسی کو اس کی وجہ سے یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ان کی مخالفت کے لئے شریعت میں کسی عمل کو داخل کرے۔

عاشورا سے متعلق فضائل کی بعض دوسری حدیثیں بھی ہیں جس میں غسل کرنے اور سرمہ لگانے وغیرہ کا ذکر ہے۔ ان حدیثوں کو بعض لوگوں نے صحیح کہا لیکن ان میں سے کوئی بھی صحیح نہیں' بعض لوگوں نے ان کو صحیح سمجھ کر عمل کیا لیکن درحقیقت وہ سب جھوٹی حدیثیں ہیں۔ بعض لوگ شیعوں کی مخالفت میں عاشورا کے دن کی تعظیم کرتے ہیں' یہ بھی غلط ہے' شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ بندوں کو راہ راست سے ہٹا دے' خواہ وہ دائیں جائیں یا بائیں۔ لہٰذا اس طرح کے انتقامی رویہ سے بھی بچنے کی ضرورت ہے کیونکہ یہ سب امور بھی بدعت میں داخل ہیں۔

ماہ رجب

مذکورہ امور ہی سے رجب کا مہینہ بھی ہے یہ ایک حرمت والا مہینہ ہے' نبی ﷺ سے مروی ہے کہ جب رجب کا مہینہ آتا تھا تو آپ ﷺ فرماتے تھے :

اے اللہ ہمارے لئے رجب اور شعبان میں برکت دے اور ہمیں رمضان تک پہنچا۔

رجب کی فضیلت میں اس کے علاوہ کوئی اور حدیث ثابت نہیں' عام طور پر اس سلسلہ کی جو حدیثیں بیان کی جاتی ہے وہ سب جھوٹ ہیں اور جس حدیث کا جھوٹ ہونا معلوم ہو جائے اس کی روایت بغیر نشاندہی سے جائز نہیں' اگر کوئی ایسا کرے تو وہ بزبان رسالت جھوٹا ہے۔

نصف شعبان کی رات

اس رات کی فضیلت میں متعدد مرفوع احادیث اور آثار مروی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک فضیلت والی رات ہے سلف میں سے بعض لوگ اس میں نماز پڑھتے تھے۔
ماہ شعبان کے روزہ کے بارے میں بھی صحیح احادیث وارد ہیں' لیکن مدینہ کے علماء سلف نے اور دوسرے علماء خلف نے مذکورہ رات کی فضیلت کا انکار کیا ہے اور اس سلسلہ کی حدیثوں پر کلام کیا ہے۔
لیکن اکثر اہل علم اس رات کی فضیلت کے قائل ہیں' امام احمدؒ نے بھی اس کی وضاحت کی ہے۔
البتہ تنہا پندرھویں تاریخ کا روزہ رکھنا بے اصل اور مکروہ ہے' اسی طرح اس دن میں کھانے پینے اور پہننے کا اہتمام کرنا بھی بے اصل اور بدعت ہے۔

ہزاری نماز

شعبان کی پندرھویں رات کو مسجدوں میں جمع ہو کر لوگ "صلاۃ الفیتہ" یعنی ہزاری نماز ادا کرتے ہیں یہ بدعت ہے اور جو حدیث اس سلسلہ میں وارد ہے وہ موضوع ہے۔
بعض علاقوں میں مغرب کے بعد جماعت سے مزید تین رکعت نماز "صلاۃ برالوالدین" کے نام سے پڑھتے ہیں اور بعض لوگ ہر رات وفات پائے مسلمانوں کی نماز جنازہ با جماعت ادا کرتے ہیں لیکن یہ سب نمازیں غیر مشروع ہیں لہٰذا ان سے کسی ثواب کی امید غلط ہے اور انسان انکی بدعی حیثیت کو جان کر اگر ان کی پابندی کرے گا تو گناہ کا مرتکب ہو گا۔
اس موقع پر یہ جاننا ضروری ہے کہ اگر کسی متعین وقت میں با جماعت یا تنہا کسی نفل عبادت کو مستحب قرار دیا گیا ہے تو اس سے کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی غیر مشروع

نفل نماز کو با جماعت ادا کرنے کا اہتمام کرے۔ دونوں چیزوں میں واضح فرق ہے کیونکہ نفل نماز' سماع قرآن یا ذکر الٰہی کے لئے کبھی کبھی جمع ہونا نبی ﷺ سے ثابت ہے۔ جو لوگ کسی مجلس میں بیٹھ کر کتاب اللہ کی تلاوت یا مطالعہ اور اللہ کا ذکر کرتے ہیں ان کی فضیلت میں بعض حدیثیں وارد ہیں' ملائکہ ایسی مجلسوں کی تلاش میں رہتے ہیں اور جب اسے دیکھتے ہیں تو دوسرے فرشتوں کو اس کی طرف بلاتے ہیں۔

لیکن دن' ہفتے اور مہینہ کی تعین کر کے غیر مشروع اجتماعات منعقد کرنا جو نماز' جمعہ اور عیدین کے اجتماعات کے مشابہ ہوں کھلی بدعت ہے' سنت و عادت کے مابین فرق ہے' اسے سمجھنا چاہیے اور کسی عادت کو سنت کے مقام پر نہیں رکھنا چاہیے۔ امام احمدؒ کے ایک قول میں اس بات کی طرف اشارہ ہے' اسحاق بن منصور نے ان سے پوچھا کہ اگر کچھ لوگ جمع ہو کر اللہ سے ہاتھ اٹھا کر دعا کریں تو کیا یہ مکروہ ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اگر خاص اس اجتماع کے قصد کے بغیر جمع ہوں تو مکروہ نہیں لیکن اگر اسے عادت بنا لیں تو پھر مکروہ ہے۔

احمد بن قاسم کی روایت کے مطابق امام احمد سے مدینہ وغیرہ کی زیارت گاہوں سے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے بتایا کہ اگر صحابی ابن مکتوم کے اس واقعہ کو دیکھا جائے جس میں مذکور ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ سے اپنے گھر میں نماز پڑھنے کی درخواست کی تھی تاکہ وہ اسی جگہ نماز پڑھا کریں۔

اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کے اس فعل کو دیکھا جائے کہ وہ سفر میں بھی نبی ﷺ کے افعال کی پیروی کرتے تھے چنانچہ اگر کسی جگہ آپ ﷺ نے استنجاء فرمایا تو وہ بھی وہاں استنجاء کرتے تھے تو اس بنیاد پر مذکورہ زیارت میں کوئی حرج نہیں' اس کی رخصت ہے۔

راوی کا بیان ہے کہ اس مسئلہ میں لوگوں کی طرف سے بہت زیادتی ہوئی ہے' امام حسین کی قبر کے پاس لوگ طرح طرح کے اعمال کا ارتکاب کرتے ہیں' ایسی عادتیں مناسب نہیں' چنانچہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مذکور ہے کہ جب ان کے شاگردوں نے ذکر کے لئے ایک جگہ جمع ہونے کا اہتمام کیا تو انہوں نے ان کو مخاطب کر کے کہا کہ: لوگو! تم اصحاب رضی اللہ عنہم محمد ﷺ سے بڑھ کر ہدایت پر ہو گے یا گمراہی کے کسی درجہ پر پہنچے ہو گے۔

اس سلسلہ میں ضابطہ یہ ہے کہ مشروع عبادتوں میں جو اپنے اوقات میں مکرر ہوتی ہیں بندوں کے لئے کفایت ہے' اب اگر ان کے علاوہ کوئی اور اجتماع ایجاد کیا جائے تو یہ تشریع

الٰہی کا مقابلہ ہو گا جس کی خرابیاں بہت زیادہ ہیں- اسی وجہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے مخصوص طور پر ماہ رجب کے روزہ کو مکروہ قرار دیا ہے کیونکہ اس سے رمضان کی مشابہت ہوتی ہے اور اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیعت رضوان والے درخت کو کٹوا دیا کیونکہ مسجد حرام اور مسجد نبوی کی طرح وہاں جا کر لوگ نماز ادا کرتے تھے- اسی طرح ایک مقام پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی وہاں پر لوگوں نے جب قیام و اعتکاف شروع کر دیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں منع کیا اور کہا کہ کیا تم انبیاء کے آثار کو مسجد بنانا چاہتے ہو؟

جس طرح نفل نماز تنہا اور جماعت کے ساتھ مشروع ہے لیکن اس کے لئے جمعہ اور عیدین کی طرح عام اور مکرر اجتماع مناسب نہیں' اسی طرح قرات' ذکر اور دعاء کا بھی حال ہے- کسی چیز کو لازمی عادت بغیر شرعی حکم کے نہیں بنایا جا سکتا اور نہ ایسی چیز کی نذر مناسب ہے جو ظاہری طور پر معروف نیکی نہ ہو-

پھر مذکورہ تقریبات میں جو خلاف شرع کام ہوتے ہیں مثلاً مسجد میں آواز بلند کرنا' مردوں اور عورتوں کا اختلاط' ضرورت سے زیادہ روشنی اور مصلیوں کو کسی بات یا کام سے تکلیف پہنچانا' ان کی قباحت بالکل عیاں ہے' یہ ان بدعتوں میں سے ہے جن سے مساجد کو محفوظ رکھنے کا حکم ہے-

ہزاری نماز

نصف شعبان کی رات میں ہزاری نماز کا ذکر آ چکا ہے' اس میں ایک ہزار بار قل ہو اللہ احد پڑھا جاتا ہے' اس سے متعلق جس حدیث کا سہارا لیا جاتا ہے وہ موضوع ہے' اس کے لئے اگر ان عام روایات سے استدلال کیا جائے جن میں نماز کو مستحب بتایا گیا ہے تو یہ صحیح نہیں' اس نماز کو چاشت اور تراویح کی نماز پر بھی قیاس نہیں کر سکتے- شریعت نے جس عمل کو جس وقت کے ساتھ خاص کیا ہے- اس کو اسی وقت تک محدود رکھا جائے گا اور جس عمل کو مخصوص نہیں کیا ہے اس کو مخصوص نہیں کیا جائے گا- نفل روزے اور قیام میں کوئی تخصیص شریعت کی طرف سے نہیں کی گئی ہے' اب اگر کوئی شخص کسی دن کو روزہ کے لئے اور کسی رات کو قیام کے لئے مخصوص کر لے تو یہ چیز شریعت کی نظر میں مکروہ ہو گی-

خلاصہ

نتیجہ یہ نکلا کہ عبادتوں کی تین قسمیں ہیں ایک وہ جو بحیثیت مخصوص مستحب ہے' جیسے وہ نفل جسے کسی قید سے مقید کیا گیا ہو مثلاً فجر کی دو رکعتیں' قیام رمضان' نماز استسقاء وتر وغیرہ۔

عبادت کی دوسری قسم وہ ہے جو عمومی معنی کے لحاظ سے مستحب ہو' جیسے مطلق نفل' کیونکہ جب سورج طلوع ہوتا ہے تو اس وقت سے عصر تک فرشتے نمازوں میں حاضر ہوتے ہیں۔

تیسری قسم وہ ہے جو مخصوص طور پر مکروہ ہو' جیسے جمعہ کی رات کا قیام کہ یہ مطلقاً مکروہ ہے اور ممنوع اوقات میں نماز کہ یہ مخصوص حالات میں جائز ہے۔

فصل

کسی جگہ سے متعلق بدعی تہوار کے بیان میں

قبر پر اجتماع

کسی فضیلت والے دن میں نو ایجاد عملی تہوار کے ساتھ کسی جگہ سے متعلق تہوار کی ایجاد بھی کر لی جاتی ہے' اور اس طرح شریعت کی مخالفت لازم آتی ہے اور خرابی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ مثلاً عرفہ کے دن لوگ کسی نیک شخص کی قبر پر جاتے ہیں اور وہاں بڑی تعداد میں اکٹھا ہوتے ہیں اور عرفہ جیسا اجتماع منعقد ہوتا ہے' یہ غیر مشروع بدعی حج شرعی کے مقابلہ میں ادا کیا جاتا ہے' اور اس میں قبر کو میلہ بنانے کا گناہ لازم آتا ہے۔

بیت المقدس کا سفر

نماز اور اعتکاف کے لئے بیت المقدس کی زیارت مستحب ہے' اس کا شمار ان تین مسجدوں میں ہے جن کے لئے سفر کی اجازت ہے' اب اگر کوئی حج کے دنوں میں عرفہ کا دن منانے کے لئے بیت المقدس کا قصد کرے تو یہ مکروہ ہو گا' اس وقت میں بیت المقدس کی

زیارت کی کوئی خصوصیت نہیں ہے۔

اس عمل میں مسجد حرام کے حج کی مشابہت اور بیت المقدس کو کعبہ شریف سے تشبیہ دینے کی خرابی ہے' اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ایسا کرنیوالے کی شریعت اسلامی شریعت سے الگ ہے' اس موقع پر بعض گمراہ افراد صخرہ کا طواف کرتے ہیں' بال منڈاتے ہیں اور قربانی دیتے ہیں۔

حج کے ایام میں مسجد اقصیٰ میں لوگ جمع ہو کر گاتے بجاتے ہیں' یہ اور زیادہ بڑا گناہ ہے' اس میں خرابی کا ایک پہلو یہ ہے کہ جو کام مسجد کے باہر بھی ناجائز ہے اسے مسجد میں اور وہ بھی مسجد اقصیٰ میں کیا جاتا ہے۔ دوسری خرابی یہ ہے کہ باطل کام کو دین بنایا جاتا ہے۔ تیسری خرابی یہ ہے کہ ایسا گناہ حج کے موسم میں کیا جاتا ہے۔

اگر کوئی شخص عرفہ کے دن ذکر اور دعاء کے لئے شہر کی مسجد کا قصد کرے تو اس میں علماء کا اختلاف ہے' صحابہ میں ابن عباس اور عمرو بن حریث نے ایسا کیا ہے' امام احمد نے اس کی رخصت دی ہے لیکن اسے مستحب نہیں مانا ہے' کوفہ اور مدینہ کے علماء میں سے ابراہیم نخعیؒ ابو حنیفہؒ اور مالکؒ وغیرہ نے اسے حرام کہا ہے۔

یہ اختلاف شہر کی مسجد کے سلسلے میں ہے جس کا قصد انسان کسی خصوصیت کے باعث نہیں کرتا' لیکن اگر کسی قبر یا مسجد اقصیٰ کا اس کی خصوصیت کے باعث قصد کیا جائے تو اس کو سبھی حرام مانتے ہیں۔

کسی بھی قبر کے پاس عرفہ کا دن منانا اس کو میلہ و تہوار بناتا ہے' جو بذات خود حرام ہے' خواہ اس میں شد رحال (سفر) ہو یا نہ ہو' خواہ عرفہ کے دن یہ کام کیا جائے یا کسی اور دن میں۔ اس فعل کا شمار مکانی و زمانی دونوں تہواروں میں ہوتا ہے۔

باجے بجانا

میلوں کی ایک بدعت باجے بجانا بھی ہے' یہ کام میلہ میں اور اس کے علاوہ دیگر اوقات میں بھی مکروہ ہے' اسی طرح ریشم پہننا اور دوسرے ممنوع کاموں کا ارتکاب کرنا شریعت کے خلاف ہے۔

لہٰذا نماز' جمعہ' تکبیر' صدقہ فطر' قربانی اور دیگر تمام عبادتوں کو اسی طرح ادا کرنا چاہیے

جس طرح انہیں سلف صالح نے ادا کیا۔ بعض لوگ مشروع تکبیر میں کمی کرتے ہیں' بعض لوگ خطبہ چھوڑ دیتے ہیں' یا اس میں مسنون کام نہیں کرتے بلکہ بے فائدہ چیزیں لاتے ہیں' بعض لوگ نماز کے بعد عید گاہ میں قربانی نہیں کرتے۔ یہ سب امور خلاف شرع ہیں' دین میں جن چیزوں کا حکم ہے انہیں بجا لانا اور اس کا حکم دینا' اور جن چیزوں سے منع کیا گیا ہے ان سے باز رہنا اور دوسروں کو باز رکھنا ضروری ہے۔

فصل

مکانی بدعتوں کی تقسیم

مکانی تہوار بھی زمانی تہواروں کی طرح تین قسموں میں تقسیم ہوتے ہیں۔

اول وہ جن کی شریعت میں کوئی خصوصیت نہیں۔

دوم وہ جن کی خصوصیت تو ہے لیکن ایسی نہیں کہ عبادت کے لئے ان کا قصد کیا جائے۔

سوم وہ جن میں عبادت مشروع ہے لیکن انہیں میلہ و تہوار بنانا جائز نہیں۔

احادیث و آثار میں ان تینوں قسموں کا ذکر ہے۔

ایک آدمی نے مقام بوانہ میں ذبح کی نذر مانی تھی' نبی ﷺ نے اس سے دریافت فرمایا کہ کیا وہاں مشرکین کا کوئی بت یا ان کا کوئی میلہ لگتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں' نبی ﷺ نے فرمایا کہ اپنی نذر پوری کرو۔

اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری قبر کو میلہ نہ بنانا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انبیاء کے آثار کو میلہ بنانے سے منع کیا۔

جس جگہ کی شریعت میں کوئی فضیلت وارد نہ ہو' اور نہ وہاں فضیلت واجب کرنے والی کوئی چیز ہو' ایسی جگہ کا قصد کرنا' یا وہاں نماز پڑھنا یا ذکر و دعاء کرنا کھلی گمراہی ہے۔ اور اگر اس جگہ پر کافروں کا کوئی اثر ہو تو اس کی قباحت میں مزید اضافہ ہو جائے گا' یہ کھلی بت پرستی ہے' بت پرست لوگ بھی اسی طرح کسی خاص مقام پر جا کر بتوں کی عبادت کرتے ہیں۔

دور جاہلیت کے بڑے بڑے بت یعنی لات ' عزیٰ اور مناۃ مخصوص مقامات پر نصب تھے۔

لات کو طائف والے پوجتے تھے' عزیٰ کو مکہ والے اور مناۃ کو مدینہ والے۔ ان کا تذکرہ جاہلی تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہے' اسلام میں ان بتوں کو منہدم کر دیا گیا۔
نبی ﷺ کی سیرت اور عربوں کے احوال کا مطالعہ کرنے سے قرآن کریم کی آیتوں کے مفہوم پر روشنی پڑتی ہے اور اندازہ ہوتا ہے کہ اس دور کے لوگ کس قدر سخت گمراہی میں مبتلا تھے۔

ذات انواط

مشرکین ایک درخت پر جسے "ذات انواط" کہتے تھے' اپنے ہتھیار آویزاں کرتے تھے' بعض صحابہ ؓ نے نبی ﷺ سے درخواست کی کہ ہمارے لئے بھی اس طرح کا کوئی درخت مقرر فرما دیجئے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ اکبر' تمہارا یہ مطالبہ موسیٰ علیہ السلام جیسا ہے جنہوں نے کہا تھا کہ (**اجعل لنا الٰھا کما لھم الھۃ**) یعنی ان کے معبودوں کی طرح ہمارے لئے بھی معبود بنا دیجئے' تم یقیناً سابقہ قوموں کی طریقوں پر چلو گے۔ نبی ﷺ کے اس جواب سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ کسی درخت کے پاس محض بیٹھنے اور اس پر ہتھیار لٹکانے میں کفار کی مشابہت کو آپ ﷺ نے ناپسند فرمایا' پھر اس سے بڑی چیزوں اور شرک کے کاموں میں ان کی مشابہت کو کیوں کر ناپسند نہیں فرمائیں گے؟
اگر کوئی شخص کسی خاص درخت' چشمہ' نہر' پہاڑ' یا غار کا قصد کرے جس کی شریعت میں جگہ نہ ہو اور وہاں نماز ادا کرے یا دعا کرے یا قرآن پڑھے یا اللہ کا ذکر کرے یا قربانی کرے تو یہ شریعت کی نظر میں معیوب ہو گا۔ اور اگر یہ نذر مانے کہ وہاں تیل لیجا کر روشنی کرے گا تو اور زیادہ قبیح ہو گا' ایسی نذری قباحت پر تمام علماء متفق ہیں' اسے پوری کرنا جائز نہیں۔

نذر کے بعض احکام

اگر ایسے کسی چشمہ یا کنویں کی مچھلیوں کے لئے کھانا دینے کی' یا کسی جگہ کے مجاوروں

کے لئے مال کی نذر مانے تو یہ بھی جائز نہیں' اسی طرح کے مجاورین لات و عزیٰ کے مجاورین کی مانند ہیں جو لوگوں کا مال بیجا طور پر کھاتے تھے اور اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکتے تھے' یہ مجاورین ان مجاوروں کی طرح ہیں جن سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا۔ کہ (ماھذہ التماثیل التی انتم لہا عاکفون) الانبیاء ۵۲

یہ مورتیں جن کے پوجنے پر تم جمے بیٹھے ہو کیا چیز ہیں!

اور (افرایتم ماکنتم تعبدون' انتم و اباء کم الا قدمون' فانہم عدولی الارب العالمین) الشعراء ۷۵-۷۷

کچھ سمجھے جن کو تم اور تمہارے اگلے باپ دادا پوجتے آئے' وہ سب میرے دشمن ہیں' مگر وہ جو سارے جہان کا مالک ہے' یعنی وہ ایسا نہیں۔

اور جن کا ذکر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سلسلہ میں اس آیت میں فرمایا ہے (وجاوزنا ببنی اسرائیل البحر فاتو اعلی قوم یعکفون علی اصنام لہم) الاعراف ۱۳۸

اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر کے پار اتارا تو وہ ایسے لوگوں پر سے ہو کر گذرے جو اپنے بتوں پر جمے بیٹھے تھے۔

لہٰذا شریعت میں جس جگہ کی مجاورت کی کوئی فضیلت نہیں وارد ہے وہاں کے مجاوروں اور کاہنوں پر خرچ کی نذر گناہ کا کام ہے' اور اس نذر کے مشابہ ہے جس میں صلیب پرستوں اور ہندوستان کے بت پرستوں پر خرچ کیا جاتا ہے۔

اس طرح کی نذر کے مال کو اگر مشروع عبادت مثلاً مسجد کی تعمیر اور نیک فقیروں پر خرچ کر دے تو یہ بہتر ہو گا

فرضی مقامات

بہت سے مقامات میں کسی نبی یا نیکو کار کی قبر یا اس کی اقامت گاہ کا دعویٰ کیا جاتا ہے' لیکن حقیقت اس کے برخلاف ہوتی ہے۔

دمشق میں اس طرح کی کئی جگہیں ہیں۔ مشرقی دروازہ سے باہر ایک مقام کو حضرت ابی بن کعب کا مشہد بتایا جاتا ہے' حالانکہ اہل علم اس بات پر متفق ہیں کہ ابی بن کعب کی وفات

مدینہ میں ہوئی ہے نہ کہ دمشق میں' جس قبر کے سلسلہ میں یہ دعویٰ کیا جاتا ہے یقیناً کسی اور شخص کی قبر ہے۔

اسی طرح دمشق کی جامع مسجد میں قبلہ کی جانب کی دیوار میں ایک جگہ کے بارے میں دعویٰ ہے وہاں ہود علیہ السلام کی قبر ہے۔ لیکن مجھے معلوم نہیں کہ کس عالم نے دمشق میں ان کی وفات کا ذکر کیا ہے' بلکہ ایک قول یہ ہے کہ وہ یمن میں فوت ہوئے' اور ایک قول ہے کہ مکہ میں۔ یہ البتہ معلوم ہے کہ ان کی بعثت یمن میں تھی' پھر اپنی قوم کی ہلاکت کے بعد وہ ہجرت کر کے مکہ آئے تھے' لیکن شام نہ تو ان کا گھر تھا نہ ہجرت کی جگہ اس لئے وہاں پر ان کی وفات کی داستان بعید از قیاس نظر آتی ہے خصوصاً جبکہ اہل علم نے اس کا ذکر نہیں کیا ہے بلکہ اس کے خلاف گئے ہیں۔

اسی طرح دمشق کے مغربی دروازہ کے باہر ایک مشہد ہے جسے حضرت اویس قرنیؒ کی قبر کہا جاتا ہے' میرے علم کے مطابق کسی نے دمشق میں اویس قرنی کی وفات یا وہاں پر ان کی آمد کا ذکر نہیں کیا ہے' بلکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ یمن سے عراق آئے تھے' کہا جاتا ہے کہ وہ جنگ صفین میں مارے گئے' یا ایران کی سرزمین پر وفات پائی' بعض دوسرے اقوال بھی مذکور ہیں' لیکن کسی نے شام میں ان کی موت کا یا وہاں ان کی آمد کا ذکر نہیں کیا۔

اسی مقام پر ایک قبر کے بارے میں دعویٰ ہے کہ وہ ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی قبر ہے' لیکن باتفاق یہ ثابت ہوا کہ ام سلمہ کی وفات مدینہ میں ہوئی تھی' اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کہیں کا سفر ہی نہیں کیا تھا۔

اسی طرح قاہرہ کے ایک مشہد میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر بتایا جاتا ہے' اس کی بنیاد یہ ہے کہ عسقلان کے ایک مشہد کے بارے میں یہ کہا جاتا تھا کہ وہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر تھا جسے بعد میں مصر منتقل کر دیا گیا۔ لیکن یہ بات سرے سے باطل ہے' علماء میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر عسقلان میں تھا' اس کے بارے میں جو اقوال وارد ہیں ان میں سے کوئی قول بھی اس کے مطابق نہیں۔

اسی طرح بہت سے مقبرے شخصیتوں کی جانب منسوب ہیں' لیکن حقیقت میں وہ ان کے مقبرے نہیں ہیں۔ پھر اس طرح کی جگہوں کے بارے میں جاہلوں کو فضیلت کا جو اعتقاد ہوتا ہے اس کی بھی کوئی اصل نہیں' اگر کسی قبر کے بارے میں ثابت ہو جائے کہ وہ کسی

مسلمان کی قبر ہے تو بھی اس کے لئے کسی فضیلت و خصوصیت کا ثبوت نہیں مانا جا سکتا۔ جب صحیح قبروں کو میلہ بنانا جائز نہیں تو جو چھوٹی قبریں ہیں ان کے پاس مختلف قسم کی رسموں کو ادا کرنا کیسے جائز ہو گا؟

قدم رسول ﷺ

بعض مقامات کے بارے میں یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ وہاں پر نبی ﷺ کے قدم کا نشان ہے، جس طرح مکہ میں مقام ابراہیم میں ہے، جاہلوں کا کہنا ہے کہ بیت المقدس کی چٹان (صخرہ) پر نبی ﷺ کے قدم کے نشانات ہیں، بلکہ میں نے بعض جاہلوں سے سنا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قدم کا نشان ہے۔ دمشق کی ایک مسجد کو مسجد قدم کے نام سے موسوم بھی کیا جاتا ہے، اور کہا جاتا ہے کہ اس میں موسیٰ علیہ السلام کے قدم کا نشان ہے۔ یہ بات باطل و بے اصل ہے، موسیٰ علیہ السلام کا دمشق یا اس کے اطراف میں آنا ہی ثابت نہیں۔

بعض زیارت گاہوں کے بارے میں یہ معروف ہے کہ وہاں کسی نبی یا نیک شخص کو کسی نے خواب میں دیکھا تھا، یہ بات اگر صحیح بھی مان لی جائے تو اس سے اس مقام کی کوئی فضیلت ثابت نہیں ہو سکتی۔

دمشق ہی کی ایک مسجد میں ہتھیلی تمثال بنی ہوئی تھی جس کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہتھیلی ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس بت کو وہاں سے زائل فرمایا۔ اس طرح کے مقامات دوسرے شہروں میں بھی موجود ہیں۔

چنانچہ حجاز میں بدر سے مکہ جاتے ہوئے دائیں طرف غار واقع ہے جس کے بارے میں معروف ہے کہ نبی ﷺ اور ابو بکر اسی غار میں تھے اور (**ثانی اثنین اذھما فی الغار**) میں اسی کا ذکر ہے۔ حالانکہ اہل علم اس بات پر متفق ہیں کہ قرآن کریم میں جس غار کا ذکر ہے وہ مکہ کے قریب جبل ثور کا غار ہے۔

مزعومہ خصوصیت والے مقامات

جن مقامات کے بارے میں کسی خصوصیت کا دعویٰ کیا جاتا ہے اگر شریعت میں ان کی تعظیم کا حکم نہیں ہے تو پھر ان کی تعظیم اس جگہ کی تعظیم سے زیادہ بری ہے جن کی تعظیم کا

حکم نہیں۔ کیونکہ جسم والی کسی چیز کی تعظیم بمقابلہ وقت کی تعظیم کے بت پرستی سے زیادہ قریب ہے' اس لئے ایسی جگہ نماز پڑھنے سے بچنا چاہئے خواہ مصلی تعظیم کا قصد نہ رکھتا ہو تاکہ وہاں پر بعد میں خصوصیت کے ساتھ نماز نہ پڑھی جانے لگے' جیسا کہ قبروں کے پاس نماز سے منع کیا گیا ہے خواہ مصلی کا قصد قبر نہ ہو۔

ایسے مقامات اصل میں مسجد ضرار سے مشابہ ہیں جو کفر کی بنیاد پر اس لئے بنائی گئی تھی کہ مسلمانوں کو نقصان پہنچایا جائے' ان کے اندر تفریق پیدا کی جائے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دشمن کو پناہ دی جائے' اسی لئے نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اس میں نماز سے منع فرما دیا اور اسے منہدم کرنے کا حکم فرمایا۔

مذکورہ زیارت گاہوں کو بیوت اللہ کی مشابہت میں بتایا گیا ہے تاکہ ان کی بے ثبوت تعظیم کی جائے' جو چیزیں نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتی ہیں ان پر جم کر بیٹھا جائے اور مخلوق کو اللہ کی راہ سے روکا جائے جس کی پیروی کا حکم اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ دیا ہے۔

آج روئے زمین کی اکثر زیارت گاہوں کی نسبت غیر یقینی ہے' صحیح قبریں اور صحیح مقامات بہت کم ہیں۔ اکثر اہل علم کا قول ہے کہ انبیاء کی قبروں میں سے نبی ﷺ کی قبر کے علاوہ کسی کا ثبوت نہیں' خود حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبر کا معاملہ مشکوک ہے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی قبر کا بھی ثبوت نہیں اور اگر کسی قبر کا کسی جگہ وجود ثابت بھی ہو جائے تو وہاں جو کچھ کیا جاتا ہے اس کی کوئی شرعی حیثیت نہ ہو گی۔

قبروں کے مجاور دولت اینٹھنے اور راہ حق سے روکنے کے لئے ایسی داستانیں گھڑ لیتے ہیں جن سے قبروں اور مزاروں کی تاثیر کا پتہ چلتا ہے' مثلاً کہا جاتا ہے کہ وہاں پر دعا قبول ہوتی ہے یا نذر پیش کرنے سے ضرورت پوری ہوتی ہے بتوں کو پوجنے والے بھی اس طرح کے دعوے کرتے ہیں اور اسے بت پرستی کے لئے دلیل بناتے ہیں۔ یہ واقعہ ہے کہ بت پرستوں اور ہندوستان وغیرہ کے پروہتوں کی بہت سی ضرورتیں پوری ہوتی رہتی ہیں لیکن اس سے بت پرستی کی صحت و تاثیر پر استدلال غلط ہے اسی طرح کے تصور کی وجہ سے آفتاب و ماہتاب کی پرستش ہونے لگی اور اسی طرح کے شبہات کے باعث دنیا میں شرک کو رواج حاصل ہوا۔

نذر کے بارے میں نبی ﷺ کا فرمان بالکل واضح ہے کہ اس سے کوئی بھلائی حاصل نہیں ہوتی' صرف بخیل کی جیب سے مال نکالنے کا یہ ذریعہ ہے۔ اور جب اللہ کی اطاعت سے متعلق نذر میں کوئی فائدہ اور بھلائی نہیں تو نفع و نقصان نہ پہنچانے والی چیزوں کے لئے نذر کی کیا حیثیت ہو گی؟

جہاں تک کسی جگہ دعاؤں کی قبولیت کا سوال ہے تو اس کی وجہ دعاء کرنے والے کی مجبوری اور اخلاص' اللہ کی رحمت' اس کا کوئی فیصلہ یا کوئی بھی دوسرا سبب ہو سکتا ہے خواہ اس کا مقصد دعاء کرنے والے کی آزمائش ہی ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ سن لیتا تھا اور انہیں بارش' رزق اور مدد سے بہرہ مند بنا دیتا تھا حالانکہ یہ لوگ بتوں کے پاس اور ان کے واسطے سے دعا کرتے تھے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(کلا نمد ھؤلاء وھؤلاء من عطاء ربک' وما کان عطاء ربک محظورا)

الاسراء ۲۰

ہر ایک کو ہم تیرے پروردگار کی بخشش سے مدد دیتے ہیں اور تیرے مالک کی بخشش کسی پر بند نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو چیزیں مقدر کی گئی ہیں ان کے اسباب کی بحث طویل ہے یہاں اس کا موقع نہیں۔

انسانوں کا یہ فرض ہے کہ وہ رسولوں کی لائی ہوئی شریعت کی پیروی کریں اور اس بات کا یقین رکھیں کہ اسی میں دنیا و آخرت کی بھلائی ہے۔

ان شاء اللہ میں مذکورہ قسم کی بعض تاثیرات کو کسی اور مقام پر بیان کروں گا۔

فصل

دوسری قسم کے مقامات

مقامات کی دوسری قسم وہ ہے جس کی خصوصیت ضروری ہے لیکن اس کا تقاضا یہ نہیں کہ اسے میلہ بنا لیا جائے یا وہاں پر نماز وغیرہ ادا کی جائے۔ انبیاء اور صلحاء کی قبریں اسی ضمن میں آتی ہیں۔ نبی ﷺ اور سلف سے ایسی قبروں کو میلہ بنانے کی ممانعت آئی ہے'

اس کام سے عمومی اور خصوصی دونوں طریقوں سے روکا گیا ہے۔

عمومی نہی میں ابو داؤد کی روایت ہے جس میں حضرت ابو ہریرہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے گھروں کو قبر نہ بناؤ اور میری قبر کو میلہ نہ بناؤ اور مجھ پر درود بھیجو' تم جہاں بھی رہو تمہارا درود مجھ کو پہنچے گا۔

اس حدیث کے شواہد دوسرے طریق سے بھی مروی ہیں' کیونکہ یہ حدیث مختلف صورتوں سے مروی ہے اور نبی ﷺ سے اس کے ہر جملہ کی روایت معروف سندوں کے ساتھ کی گئی ہے' یہاں مقصد یہ ہے کہ مسجد نبوی ﷺ کو میلہ بنانے سے روکا جائے۔

چنانچہ ابو یعلی موصلی نے اپنی مسند میں علی بن حسین سے روایت کی ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ ایک شگاف سے نبی ﷺ کی قبر کے پاس داخل ہو کر دعاء کرتا ہے انہوں نے اسے منع کیا اور کہا کہ میں تمہیں اپنے دادا کے واسطے سے اپنے نانا رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث سناتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری قبر کو میلہ نہ بنانا اور نہ اپنے گھروں کو قبر بنانا' جہاں بھی تم رہو تمہارا سلام مجھے پہنچے گا۔ اسے محمد المقدسی نے مختارہ میں جس کی شرط مستدرک میں حاکم کی شرط سے بہتر ہے' روایت کیا ہے۔

اسی حدیث کو سعید نے سنن میں روایت کیا ہے انہوں نے ابو سہیل کا واقعہ بھی نقل کیا ہے کہ انہیں حسن بن حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے قبر نبوی ﷺ کے پاس دیکھا تو بلایا اور کہا کہ آؤ کھانا کھاؤ۔ ابو سہیل نے کہا کہ خواہش نہیں' حسن نے کہا کہ کیا سبب ہے کہ میں تمہیں قبر کے پاس دیکھتا ہوں؟ ابو سہیل نے کہا کہ سلام کے لئے گیا تھا۔ حسن نے کہا کہ مسجد میں داخل ہوتے ہوئے سلام کر لو' پھر مذکورہ حدیث ذکر کی اور یہ اضافہ کیا کہ : تم اور اندلس میں رہنے والے برابر ہیں۔

اس حدیث سے ہمارے مدعا پر یوں دلالت ہوتی ہے کہ نبی ﷺ کی قبر روئے زمین کی سب سے بہتر قبر ہے لیکن جب اسے میلہ بنانے سے منع کر دیا گیا تو دوسری کسی قبر کو خواہ وہ کسی کی بھی ہو میلہ بنانا کیسے صحیح ہو گا؟

مذکورہ حدیث میں گھروں کو قبر بنانے کی بھی ممانعت ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ گھروں میں نماز' دعاء اور تلاوت کا سلسلہ رہنا چاہیے تاکہ وہ قبروں جیسے نہ ہو جائیں۔ اس طرح نبی ﷺ نے گھروں میں عبادت کا حکم فرمایا اور قبروں کے پاس عبادت سے منع فرمایا

لیکن نصاریٰ اور ان سے مشابہ مشرکین اس کے برعکس کرتے تھے۔

صحیحین میں ابن عمر سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اپنے گھروں میں بھی نماز (سنت و نفل) پڑھا کرو اور انہیں قبر نہ بناؤ۔

صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ شیطان اس گھر سے بھاگتا ہے جس سے سورۃ بقرہ پڑھنے کی آواز اسے سنائی دیتی ہے۔

قبر کو میلہ بنانے سے روکنے کے بعد نبی ﷺ نے فرمایا کہ تم جہاں ہو وہیں سے مجھ پر سلام پڑھو وہ مجھے پہنچ جائے گا۔

اس حدیث میں اس بات کی جانب رہنمائی ہے کہ صلوٰۃ و سلام پہنچنے میں قربت و دوری کا کوئی اثر نہیں اس لئے قبر کو میلہ بنانے کی کیا ضرورت ہے؟

نبی ﷺ تک امتیوں کے سلام و درود پہنچائے جانے کا ذکر متعدد صحیح حدیثوں میں وارد ہے۔

ابو داؤد میں مسلم کی شرط پر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ تم میں سے کوئی جب مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح لوٹا دیتا ہے تاکہ میں سلام کا جواب دوں۔

نسائی کی ایک روایت میں نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری قبر پر فرشتوں کو مقرر کر رکھا ہے جو میری امت کا سلام مجھ تک پہنچاتے ہیں۔

ایک قابل غور بات یہ ہے کہ اہل بیت کے ایک فرد اور تابعین میں افضل حضرت علی بن حسین نے قبر نبوی ﷺ کے پاس دعاء سے منع فرمایا اور اس کے لئے اپنی روایت کی ہوئی حدیث سے استدلال کیا۔ ظاہر ہے کہ دوسروں کے مقابلے میں انہیں اس حدیث کے مفہوم کی زیادہ واقفیت تھی۔ انہوں نے واضح کر دیا کہ دعاء کے لئے قبر نبوی ﷺ کا قصد کرنا بھی اسے میلہ بنانے کے مترادف ہے۔

علی بن حسین کی طرح ان کے چچا زاد بھائی حسن بن حسن رضی اللہ عنہ نے جنہیں اہل بیت کے شیخ کا لقب دیا گیا تھا۔ مسجد نبوی ﷺ میں داخل ہونے والے کے لئے اس بات کو مکروہ سمجھتے تھے کہ قبر نبوی ﷺ کے پاس جا کر سلام پڑھے ان کا خیال تھا کہ ایسا کرنا قبر کو میلا بنانا

ہے۔ اس طرح ہم سمجھ سکتے ہیں کہ مذکورہ حدیث اہل مدینہ اور اہل بیت کے درمیان پورے طور پر معروف تھی۔ چونکہ انہیں نبی ﷺ کے ساتھ نسب اور پڑوس دونوں کی قربت حاصل تھی۔ اس لئے اس حدیث کو یاد رکھنے کی ضرورت انہیں زیادہ تھی۔

مکانی عید

عید (تہوار' میلہ) کا اطلاق اگر کسی جگہ پر کیا جاتا ہے تو اس سے وہ جگہ مراد ہوتی ہے جہاں عبادت وغیرہ کے لئے اجتماع ہو اور لوگ آمدورفت رکھیں۔ چنانچہ مسجد حرام' منیٰ' مزدلفہ اور عرفہ کو اللہ تعالیٰ نے عید بنایا ہے۔ لوگ ثواب کی نیت سے یہاں آکر جمع ہوتے ہیں اور مختلف اوقات میں دعاء ذکر اور قربانی کے لئے آتے ہیں۔ مشرکین نے بھی اپنے لئے اس طرح کے مقامات بنا رکھے تھے لیکن اسلام کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں مٹا دیا۔

انبیاء اور صلحاء کی قبریں

اسی قسم کے مقامات میں انبیاء اور صلحاء کی قبریں بھی داخل ہیں۔ کسی بھی مسلمان کی قبر ہو شریعت میں اس کا احترام ثابت ہے کیونکہ وہ مردہ مسلمان کا گھر ہے لہٰذا نہ تو اس پر نجاست ڈالی جائے گی نہ چلا جائے گا نہ روندا جائے گا نہ ٹیک لگائی جائے گی۔ اس کے قائل تمام علماء ہیں۔ اسی طرح وہاں پر ایسے قول و فعل کا ارتکاب نہیں کیا جائے گا جس سے مردوں کو تکلیف پہنچے اور یہ بات مستحب ہے کہ وہاں پہنچ کر آدمی مردہ کے لئے دعا کرے اور اللہ سے اس کے لئے سلامتی طلب کرے۔ اگر مردہ اچھا شخص ہو تو اس کے لئے ایسا کرنا اور زیادہ ضروری ہے۔

بریدۃ بن حصیب کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ قبر پر جانے کے وقت ہمیں یہ کہنے کی تعلیم فرماتے تھے: **السلام علیکم اهل الدیار من المومنین و المسلمین' و انا ان شاء الله بکم للاحقون' نسال الله لنا ولکم العافیة۔** رواہ مسلم

(قبر والے مسلمانو! تم پر سلامتی ہو ان شاء اللہ ہم بھی تم سے ملیں گے ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے اور تمہارے لئے عافیت مانگتے ہیں)۔

یہی حدیث الفاظ کے معمولی اختلاف سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی

ہے۔

نبی ﷺ سے متعلق ثابت ہے کہ آپ ﷺ غزوہ احد کے آٹھ سال بعد شہداء کی قبروں کے پاس گئے اور نماز جنازہ کی طرح نماز ادا فرمائی۔

ابو داؤد نے عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ جب میت کے دفن سے فارغ ہوتے تو فرماتے تھے کہ اپنے بھائی کے لئے مغفرت طلب کرو اور ثابت قدمی کی دعا مانگو کیونکہ اس وقت اس سے سوال کیا جاتا ہے۔

یہ نبی ﷺ کا فعل تھا اور آپ ﷺ نے امت کو بھی یہی حکم فرمایا کہ وہ دفن کے بعد اور قبروں کی زیارت کے وقت ایسا ہی کریں' میت کے لئے یہی تحفہ ہے اور میت کے لئے دعاء کے ضمن میں مسلمانوں کے لئے بھی دعاء کی جاتی ہے۔ یہ نبی ﷺ کی سنت ہے۔ اگلے مسلمان اسی طریقہ پر تھے اور یہی تمام مسلمانوں کے لئے صحیح طریقہ ہے۔

ابن بطہ نے صحیح سند سے روایت کیا ہے کہ نافعؒ سے ایک شخص نے پوچھا کہ کیا ابن عمر قبر پر آ کر سلام کرتے تھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں میں نے انہیں سو بار سے زیادہ دیکھا کہ قبر نبوی کے پاس آ کر اس طرح کہتے تھے : السلام علی النبی السلام علی ابی بکر' السلام علی ابن خطاب۔ ایک روایت میں جسے امام احمد نے بطور حجت ذکر کیا ہے کہ : **ثم ینصرف**' یعنی وہ مذکورہ طریقہ پر سلام پڑھ کر واپس ہو جاتے تھے۔

فصل

قبروں سے متعلق احکام و مسائل

زیارت قبور کا حکم

اجمالی طور پر قبروں کی زیارت جائز ہے اس میں مسلمانوں کی قبر کی تخصیص نہیں۔

چنانچہ مسلم شریف میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے اپنی ماں کے لئے دعاء مغفرت کی اجازت طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے اجازت نہ دی اور ان کی قبر کی زیارت کی اجازت مانگی تو دے دی۔

مسلم ہی کی ایک دوسری روایت میں یہ بھی ذکر ہے کہ زیارت کے وقت آپ ﷺ

روئے تو آپ ﷺ کے ساتھ جو لوگ تھے وہ بھی رونے لگے۔

صحیح مسلم ہی میں بریدۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تم کو قبروں کی زیارت سے روک دیا تھا۔ لیکن ان کی زیارت کر سکتے ہو۔

امام احمد کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ قبریں آخرت کو یاد دلاتی ہیں۔

اس طرح معلوم ہوا کہ موت اور آخرت کی یاد دلانے کے سبب قبروں کی زیارت کی اجازت دی گئی ہے اور یہ اجازت مسلمان اور کافر دونوں کی قبر کے سلسلہ میں ہے۔

البتہ مردوں کے لئے دعاء و استغفار صرف مسلمانوں کی قبروں کی زیارت کے وقت کی جائے گی جیسا کہ نبی ﷺ بقیع اور شہداء احد کی قبروں کی زیارت کے وقت کرتے تھے۔

زیارت کے لئے سفر

امام احمد کے اصحاب کا قبروں کی زیارت کے لئے سفر کے سلسلہ میں اختلاف ہے۔

ایک جماعت زیارت قبور کے لئے سفر کو ناجائز اور معصیت بتاتی ہے اور ایسے سفر میں نماز کے قصر کو بھی جائز نہیں سمجھتی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اس طرح کا سفر بدعت ہے' اس کا وجود سلف کے دور میں نہیں تھا اور صحیحین کی ایک روایت میں مسجد حرام' مسجد اقصیٰ اور مسجد نبوی ﷺ کے علاوہ کے لئے سفر سے منع کیا گیا ہے۔

اس ممانعت میں تمام مساجد و مقامات داخل ہیں اور وہ جگہ بھی داخل ہے جہاں کا مخصوص طور پر تبرک کے لئے سفر کیا جائے۔ دلیل یہ ہے کہ بصرہ بن ابو بصرہ غفاری نے ابو ہریرہ کوہ طور سے جہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ سے کلام کیا تھا' واپس آتے ہوئے دیکھا تو ان سے کہا کہ اگر میں آپ کو وہاں جانے سے پہلے دیکھ لیتا تو نہ جاتے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ تین مسجدوں کے علاوہ کسی اور جگہ کا سفر نہ کیا جائے۔

اس واقعہ سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ شد رحال والی حدیث کے راوی نے حدیث سے یہ سمجھا کہ کوہ طور اور اس طرح کے نبیوں کے دوسرے مقامات اس کے عموم میں داخل ہیں اور ان کے لئے سفر جائز نہیں' جس طرح تین مسجدوں کے سوا کسی اور مسجد کے لئے سفر جائز نہیں۔

اور جب تین مسجدوں کے علاوہ اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر کے لئے سفر جائز نہیں

حالانکہ مساجد کے قصد کی فضیلت وارد ہے تو بندوں کے گھروں میں سے کسی گھر کے لئے سفر بدرجہ اولیٰ ناجائز ہو گا۔

دوسرا قول متاخرین کی ایک جماعت کا ہے' وہ کہتے ہیں کہ مساجد و مقامات کی زیارت کے لئے جائز ہے۔ حدیث میں جو ممانعت وارد ہے اس سے عمومی طور پر تمام مساجد مراد نہیں ہیں۔ متقدمین میں سے کسی سے یہ قول منقول نہیں ملا۔

کچھ اور بدعتیں

متعلقہ بدعتوں میں سے قبروں کے پاس نماز پڑھنا' ان کو مسجد بنانا اور ان پر مسجد تعمیر کرنا ہے' متواتر احادیث میں نبی ﷺ نے اس سے سختی سے منع فرمایا ہے۔ امام احمد' امام مالک اور امام شافعی کے متبعین نے قبروں پر مساجد کی تعمیر کو حرام قرار دیا ہے اور بعض علماء کراہت کے قائل ہیں لیکن حدیثوں پر نظر کرتے ہوئے اس کی حرمت قطعی معلوم ہوتی ہے۔

صحیح مسلم میں جندب بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وفات سے پانچ روز پہلے میں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ : میں اللہ تعالیٰ کے سامنے برائت کا اظہار کرتا ہوں کہ تم میں سے میرا کوئی دوست ہو' اللہ نے مجھے ابراہیمؑ کی طرح دوست بنایا ہے' اگر میں اپنی امت سے کسی کو دوست بناتا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دوست بناتا۔ آگاہ رہو تم سے پہلے کے لوگ اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجد بنا لیا کرتے تھے لیکن تم قبروں کو مسجد نہ بنانا' میں تم کو ایسے کام سے منع کر رہا ہوں۔

صحیحین کی ایک روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے ایک بار فرمایا کہ : یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو' انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجد بنا لیا تھا۔ راوی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ یہ فرما کر اپنی امت کو یہود و نصاریٰ کی روش سے بچنے کی تلقین فرما رہے تھے۔

صحیحین ہی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے مرض الموت میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت فرمائے' ان لوگوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجد بنا لیا تھا۔ حضرت عائشہ آگے کہتی ہیں کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو آپ ﷺ کی قبر نمایاں کر دی جاتی۔ لیکن مسجد بنانے کے خوف سے ایسا نہیں کیا گیا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں' قبروں کو مسجد بنانے والوں اور ان پر چراغ جلانے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔ احمد' ابو داؤد' ترمذی' نسائی

اس مفہوم کی متعدد حدیثیں اور اقوال مروی ہیں' یہاں ان سب کا احاطہ مقصود نہیں۔

قبروں پر بنی مساجد کا گرانا

مذکورہ حدیثوں کی بنا پر انبیاء صلحاء اور بادشاہوں کی قبروں پر بنی ہوئی مسجدوں کا گرانا ضروری ہے اس میں علماء کا کوئی اختلاف نہیں اور ایسی مسجدوں میں بغیر اختلاف نماز مکروہ ہے' بلکہ امام احمد کے ظاہری مذہب میں ایسی نماز فاسد ہے۔ کیونکہ اس سے روکا گیا ہے اور ایسا کرنے والوں پر لعنت بھی بھیجی گئی ہے۔ اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں۔

اگر کسی عالم یا نیک آدمی کی قبر کے پاس غصب کی ہوئی زمین میں مسجد' مدرسہ' سرائے یا زیارت گاہ بنائی جائے تو اس سے متعدد حرام کاموں کا ارتکاب لازم آئے گا:

اول یہ کہ اللہ کی راہ میں وقف کسی مخصوص مقبرہ سے دفن کے علاوہ بغیر معاوضہ کوئی فائدہ حاصل کرنا جائز نہیں' ایسی جگہ کسی مسجد' مدرسہ یا قیام گاہ کا بنانا مسجد میں مردہ کو دفن کرنے کے مشابہ ہے۔

دوم یہ کہ اس سے مسلمانوں کی قبروں کو کھودنے اور مردوں کی ہڈیوں کو باہر نکالنے کی خرابی لازم آئے گی۔

سوم یہ کہ صحیح مسلم میں حضرت جابر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر تعمیر سے منع فرمایا ہے۔

چہارم یہ کہ مسلمانوں کے قبرستان میں طہارت خانے بنانا جن میں نجاستیں ہوتی ہیں' قبروں کے پاس ہونے والے کاموں میں بے حد قبیح فعل ہے۔

پنجم قبروں پر مسجدیں بنانا' اس کی حرمت کا بیان گزر چکا ہے۔

ششم قبروں پر چراغ جلانا' جس کے مرتکب پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے۔

ہفتم بہت سے اقوال و اعمال میں اہل کتاب کی مشابہت۔ اس کے علاوہ اور بھی خرابیاں موجود ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبر پر جو عمارت موجود تھی اسے چوتھی صدی تک بند رکھا گیا تھا کوئی وہاں جا نہیں پاتا۔ پھر جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے خلفاء کی بعض عورتوں نے کوئی خواب دیکھا' اس کے بعد اس عمارت میں راستہ بنایا گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ نصاریٰ نے اس علاقہ پر قبضہ کے بعد وہ راستہ بنایا تھا' پھر اسے بعد کی فتوحات کے بعد مسجد کی حیثیت سے رکھ چھوڑا گیا۔ ہمارے فاضل اساتذہ میں سے کوئی بھی اس پوری عمارت میں نماز نہیں پڑھتا تھا اور اپنے ساتھیوں کو وہاں نماز پڑھنے سے وہ لوگ منع کرتے تھے اور ایسا نبی ﷺ کی پیروی کے لئے اور آپ ﷺ کی مخالفت سے بچنے کے لئے کرتے تھے۔

اس طرح ان مقامات پر چراغ جلانا بھی بالاتفاق ناجائز ہے ایسے چراغوں میں اگر کسی نے تیل وغیرہ دینے کی نذر مانی ہو تو اسے پورا کرنا بھی جائز نہیں۔

قبروں کے پاس نماز کی ممانعت اور اس کا سبب

ایک بدعت قبروں کے پاس نماز پڑھنا ہے خواہ وہاں مسجد نہ بنی ہو کیونکہ مسجد بنانے کا مفہوم صرف مسجد کی تعمیر نہیں ہے بلکہ نماز ادا کرنے کا مفہوم بھی مسجد بنانا ہے' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو فرمایا تھا کہ "اگر مسجد بنانے کا خوف نہ ہوتا تو آپ کی قبر نمایاں کر دی جاتی" اس قول میں مسجد بنانے سے ان کی مراد صرف تعمیر نہیں بلکہ نماز کی ادائیگی بھی ہے کیونکہ صحابہ کی طرف سے یہ اندیشہ نہ تھا کہ وہ لوگ آپ ﷺ کی قبر کے پاس مسجد تعمیر کریں گے۔ مسجد کا اطلاق جس طرح تعمیر شدہ جگہ پر ہوتا ہے۔ اسی طرح ہر اس جگہ کو بھی مسجد کہتے ہیں جہاں نماز ادا کی جائے خواہ وہاں پر کوئی عمارت نہ ہو۔ حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ زمین میرے لئے مسجد اور ذریعہ طہارت بنائی گئی ہے۔

بعض فقہاء کا خیال ہے کہ قبرستان میں نماز کو مکروہ قرار دینے کا سبب یہ ہے کہ اس کی نجاست کا شبہ ہوتا ہے کیونکہ وہاں کی مٹی میں مردوں کی پیپ وغیرہ ملی رہتی ہے' اس لئے ان لوگوں نے نئے اور پرانے قبرستان میں فرق کیا ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ زمین اگر نجس ہو تو اس پر نماز پڑھنا مکروہ ہے لیکن قبرستان میں نماز کو مکروہ قرار دینے کا سبب زمین کی نجاست کا احتمال نہیں کیونکہ حدیث میں یہ توجیہہ مذکور ہے کہ یہود و نصاریٰ نیک آدمی کی قبر پر مسجد تعمیر کر لیتے تھے۔ اسی طرح نبی ﷺ نے دعاء

فرمائی ہے کہ اللہ! میری قبر کو بت نہ بنانا جس کی لوگ پوجا کریں۔ ایک حدیث میں ہے کہ: قبروں کو مساجد نہ بنانا میں اس سے روکتا ہوں۔

ان حدیثوں سے صاف طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ نجاست کے احتمال کے باعث قبروں کے پاس نماز کو مکروہ نہیں قرار دیا گیا ہے بلکہ اس کراہیت کا اصل سبب یہ اندیشہ ہے کہ قبروں کو بت نہ بنا لیا جائے۔ امام شافعی کا قول ہے کہ میں کسی مخلوق کی ایسی تعظیم کو مکروہ سمجھتا ہوں کہ اس کی قبر کو مسجد بنا لیا جائے اس مفہوم کو ابوبکر اثرم نے بھی ذکر کیا ہے۔

نبی ﷺ کی درج ذیل حدیثوں سے اس علت کا علم ہوتا ہے جس کی وجہ سے قبروں کے پاس یا ان کے اوپر نماز سے روکا گیا ہے:

○ اے اللہ میری قبر کو بت نہ بنا جسے پوجا جائے۔

○ جو لوگ تم سے پہلے تھے وہ قبروں کو مسجد بنا لیتے تھے۔ لیکن تم قبروں کو مسجد نہ بنانا۔ ظاہر ہے کہ یہ لوگ جن قبروں کو مسجد بناتے تھے ان کے پاس نجاست نہ تھی۔

○ قبروں کی جانب رخ کر کے نماز نہ پڑھو اور نہ ان پر بیٹھو۔

○ اگلے لوگوں میں جب کوئی نیک آدمی مر جاتا تھا تو اس کی قبر پر وہ مسجد بنا لیتے تھے اور اس میں ان کی تصویریں کھینچ لیتے تھے' قیامت کے دن یہ اللہ تعالٰی کے نزدیک سب سے برے ہوں گے۔ اس حدیث میں مجسموں (تماثیل) اور قبور دونوں کا ذکر ہے۔

بت پرستی کا سبب

جاہلیت کے مشہور بت لات کی عبادت کا سبب یہ بتایا جاتا ہے کہ ایک نیک آدمی کی قبر کی تعظیم سے بت پرستی کا یہ مرض پیدا ہوا یہ بھی مذکور ہے کہ ود' سواع' یغوث' یعوق اور نسر سب کے سب اپنے اپنے وقت کے نیک لوگ تھے' ان کا زمانہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے مابین تھا۔

ابن جریر نے محمد بن قیس سے روایت کی ہے کی یعوق و نسر حضرت آدم و نوح علیہما السلام کے درمیانی دور کے نیک لوگ تھے' لوگ ان کی پیروی کرتے تھے' ان کی موت کے بعد عقیدت مندوں نے کہا کہ اگر ہم ان کی تصویر بنا لیں تو اس سے عبادت کے شوق میں

اضافہ ہو گا' چنانچہ ان کی تصویریں بنا لی گئیں- تصویر بنانے والی یہ نسل جب گزر گئی تو شیطان نے بعد کی نسل والوں سے آکر کہا کہ : تمہارے آباء و اجداد ان تصویروں کو پوجتے تھے' انہیں کے سبب ان کو بارش ملتی تھی' شیطان کی یہ بات سنکر ان لوگوں نے تصویروں کو پوجنا شروع کر دیا- قتادۃ وغیرہ کا بیان ہے کہ قوم نوح نے جن بتوں کو پوجا تھا انہیں کی بعد میں عربوں نے بھی پرستش شروع کر دی-

شرک کا محرک

اسی علت کی وجہ سے شارع علیہ السلام نے قبروں کے اس نماز سے روکا اور اسی نے بہت سی قوموں کو شرک کی چھوٹی یا بڑی کسی نہ کسی قسم میں مبتلا کر دیا' نیک لوگوں کے مجسموں کے باعث لوگوں نے شرک کیا اور ان مجسموں کو ستاروں کا طلسم تصور کیا اور جب نیک لوگوں کے نام پر بنے ہوئے لکڑی اور پتھر کے مجسموں سے انسان شرک تک پہنچ چکا ہے تو قبروں کے باعث شرک میں واقع ہونے کا اندیشہ زیادہ قوی ہے- چنانچہ آج بہتوں کو دیکھتے ہیں کہ قبروں کے پاس گریہ و زاری کرتے ہیں' خشوع و خضوع کا اظہار کرتے ہیں اور مسجد میں اللہ کی عبادت سے بڑھ کر وہاں عبادت کرتے ہیں' بہت سے لوگ قبروں پر سجدہ کرتے ہیں' وہاں پر نماز سے برکت کی امید رکھتے ہیں اور دعاؤں کی قبولیت کی توقع رکھتے ہیں-

شرک کا ابطال

شرک کی اسی خرابی کی بیخ کنی کے لئے نبی ﷺ نے قبروں کے پاس نماز سے منع فرمایا خواہ مصلی اس جگہ کی برکت کا معتقد نہ ہو' جیسا کہ سورج کے طلوع و غروب اور نصف النہار کے وقت میں نماز سے منع کیا گیا ہے' کیونکہ اس وقت میں مشرکین سورج کی عبادت کرتے ہیں اور اسے بابرکت سمجھتے ہیں' مسلمان اگر ان کی طرح کا عقیدہ نہ بھی رکھے تو ان اوقات میں اس کے لئے نماز ممنوع ہے-

لیکن اگر کوئی شخص کسی نبی یا نیک آدمی کی قبر کے پاس نماز کی برکت کا معتقد ہو تو یہ اللہ اور رسول ﷺ کی ٹھیٹھ دشمنی' دین کی مخالفت اور بدعت کی ایجاد ہے کیونکہ مسلمانوں کا

اس بات پر اتفاق ہے کہ کسی بھی قبر کے پاس نماز کی کوئی فضیلت اور خوبی نہیں۔

انبیاء کے ساتھ یہود و نصاریٰ کا رویہ

نصاریٰ نے انبیاء کی تعظیم میں اس قدر غلو کیا کہ ان کی اور ان کے مجسموں کی پرستش کرنے لگے اور یہود نے انبیاء کی اتنی تحقیر کی کہ ان کو قتل کر بیٹھے البتہ امت وسط یعنی مسلمانوں نے ان کے مرتبہ کو سمجھا لہٰذا نہ تو نصاریٰ جیسا غلو کیا نہ یہود کی طرح بدسلوکی کے مرتکب ہوئے' اس لئے صحیح حدیث میں نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ :

نصاریٰ نے جس طرح عیسیٰ بن مریمؑ کو حد سے بڑھایا اس طرح تم مجھے نہ بڑھانا۔

لہٰذا اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ ایسے مقام کی نماز دوسری جگہوں کی نماز سے زیادہ رحمت کا سبب ہے تو بھی ایسی نماز سے پیدا ہونے والی خرابی اس سے حاصل ہونے والی خوبی سے زیادہ ہو گی اور اس سے عذاب لازم آئے گا۔ اس لئے جس شخص کے اندر اس نماز سے پیدا ہونے والی خرابی کو سمجھنے کی بصیرت نہ ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ رسول اللہ کی اتباع کرے کیونکہ اگر قبروں کے پاس نماز کی خرابی اس کی خوبی پر غالب نہ ہوتی تو اس سے منع نہ کیا جاتا۔ یہ ممانعت ایسی ہی ہے جیسی طلوع و غروب و زوال آفتاب کے وقت نماز کی اور عیدین کے دنوں میں روزہ کی ممانعت ہے' بلکہ جس طرح شراب کو حرام قرار دیا گیا ہے' کیونکہ اگر شراب میں نقصان کا پہلو نفع کے پہلو پر غالب نہ ہوتا تو اسے حرام نہ قرار دیا جاتا۔

مومن کا فرض

مومن کا فرض نہیں اور نہ اس کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ رسول سے احکام کی خوبیوں اور خرابیوں کی توضیح کا مطالبہ کرے بلکہ صرف اس پر رسولوں کی اطاعت فرض ہے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

دوسری آیت میں ارشاد ہے :

امیوں پر انبیاء کا حق یہ ہے کہ امتی ان کی توقیر و عزت کریں' جان و مال سے زیادہ ان سے محبت کریں اور ان کی اطاعت و اتباع کریں' جس شخص میں یہ صفات موجود ہوں گی

وہ نہ تو انبیاء کی عبادت کرے گا نہ ان کو شریک کرے گا اور جو لوگ انبیاء کی عبادت کرتے ہیں وہ ان کی اطاعت سے دور ہو جاتے ہیں پھر شرک و بدعت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

صدیقوں کے حقوق میں سے امت پر یہ ہے کہ ان سے محبت کی جائے اور ان کی عزت کی جائے کتاب و سنت میں اسی کا ذکر ہے اور سلف کی یہی روش تھی۔

مقبرہ کی نماز

مقبرہ کی نماز کے سلسلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے کچھ لوگ اسے حرام کہتے ہیں اور کچھ لوگ مکروہ' اگر اسے حرام مانا جائے تو پھر سوال ہوتا ہے کہ کیا نماز صحیح ہو گی یا نہیں؟ ہمارا مشہور مذہب یہ ہے کہ ایسی نماز حرام ہے اور صحیح بھی نہیں' گزری ہوئی عبارتوں پر غور کرنے سے حرمت والے اور عدم صحت والے قول کی تائید ہوتی ہے۔

قبروں کے پاس دعا

اس مقام پر ہمارا مقصد موضوع سے متعلق مخفی مسائل کی توضیح ہے اس سلسلہ کا ایک مسئلہ دعاء کے لئے قبروں کا قصد ہے' اس طرح کی دعاء دو قسموں میں منقسم ہے۔

پہلی قسم

اول یہ کہ اس مقام پر اتفاقاً" دعا ہو جائے' دعا کرنے والے کا ایسا قصد نہ ہو' مثلاً کوئی شخص راستہ چلتے ہوئے اللہ سے دعا کر رہا ہو اور اتفاقاً" قبرستان سے اس کا گزر ہو جائے' یا قبروں کی زیارت کرنے والا سلام کرے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے اور مردوں کے لئے عافیت طلب کرے جیسا کہ حدیث میں وارد ہے' اس طرح کی دعا میں کوئی حرج نہیں۔

دوسری قسم

دوم یہ کہ اس مقام پر دعا کا قصد کرے اور یہ سمجھے کہ وہاں پر دعا زیادہ قبول ہو گی۔ ایسا کرنا حرام ہے کیونکہ شریعت کی رو سے اس طرح کے مقامات کی کوئی فضیلت ثابت نہیں' دعا کے لئے کسی قبر کا قصد کرنا دوسرے مقامات کے قصد سے زیادہ برا ہے' اس لئے کہ نبی

ﷺ نے قبروں کو مسجد یا میلہ بنانے یا وہاں پر نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے جبکہ دیگر مقامات سے متعلق اس طرح کی ممانعت وارد نہیں ہے۔

قبر والوں سے مدد طلب کرنا

بعض لوگ درج ذیل قول کو نبی ﷺ کی طرف منسوب کرتے ہیں:

اذا تحیر تم فی الامور فاستعینوا باهل القبور' یعنی جب معاملات میں تمہیں حیرت لاحق ہو تو قبر والوں سے مدد طلب کرو۔

اس قول کی نبی ﷺ کی طرف نسبت کو علماء نے باتفاق موضوع اور جھوٹ قرار دیا ہے اور اس کی توضیح درج ذیل ہے:

۱۔ قبروں کے پاس نماز سے روکنے کی اصل وجہ یہ ہے کہ وہاں پر اعتکاف کر کے یا ان کے ساتھ امید و خوف کا تعلق پیدا کر کے انسان شرک کا ارتکاب نہ کرے۔

کیونکہ مصیبت آنے یا بارش اور مدد وغیرہ کی ضرورت پڑنے پر دعا کرنے والا انسان اگر قبروں کے پاس قبولیت کی امید رکھے تو اس کے فتنہ میں پڑنے کا اندیشہ اس شخص کے مقابلہ میں زیادہ ہے جو قبروں کے پاس عافیت کے وقت میں نماز یا کوئی اور فرض ادا کرتا ہے' آرام کے وقت میں دل کے فتنہ میں پڑنے کا خطرہ نہیں ہوتا' لیکن مصیبت کے وقت میں لغزش کا اندیشہ قوی ہوتا ہے اور جب شریعت نے نماز سے فتنہ کی کمی کے باوجود روکا ہے تو دعا وغیرہ کی ممانعت بدرجہ اولیٰ ثابت ہو گی کیونکہ اس میں فتنہ کا احتمال زیادہ ہے۔

جو لوگ دین کی سمجھ رکھتے ہیں اللہ کے لئے ملت حنیفی کے اخلاص سے واقف ہیں توحید کے اثبات اور شرک کی نفی میں نبی ﷺ کی سنت مبارکہ سے باخبر ہیں انہیں مذکورہ توجیہہ کو سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں۔

۲۔ دعا کے لئے قبروں پر جانا اور دوسری جگہوں کے مقابلہ میں وہاں کی دعا کے لئے زیادہ قبولیت کی امید رکھنا نہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مشروع ہے نہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے' نہ اسے کسی صحابی نے کیا ہے نہ تابعی نے نہ کسی امام نے نہ عالم نے' بلکہ اس سلسلہ میں دوسری صدی کے بعد کے متاخرین سے بعض باتیں منقول ہیں لیکن امت کو اس کا پابند نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم متعدد بار قحط کا شکار ہوئے اور ان کے اوپر دوسری

مصیبتیں نازل ہوئیں لیکن کسی بھی وقت بارش طلب کرنے یا مدد مانگنے کے لئے وہ نبی ﷺ کی قبر کے پاس نہیں آئے' بلکہ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے پانی کے لئے دعاء کی اور رسول اللہ ﷺ کی قبر پر نہیں آئے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بارش کے لئے نبی ﷺ کی قبر کو اس خیال سے کھول دیا تھا کہ وہاں پر رحمت کا نزول ہوتا ہے لیکن خود انہوں نے آپ ﷺ کی قبر کے پاس کبھی نہ تو بارش کے لئے دعاء کی نہ کسی اور مدد کے لئے۔ تابعین کے عہد میں جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کی تعمیر ہوئی تو آسمان کی طرف ایک روشندان چھوڑ دیا گیا جو اب تک باقی ہے۔

۶۵۰ھ میں حجاز میں عظیم آتش زنی کا جو واقعہ پیش آیا تھا اور جس کے بعد تاتاری فتنہ رونما ہوا اس وقت مسجد اور اس کی چھت سابقہ حالت پر تعمیر کر دی گئی اور حجرہ نبویہ کے گرد لکڑی کی دیوار بنا دی گئی' پھر اس کے کئی سال بعد حجرہ کی چھت پر قبہ تعمیر کیا گیا اور متعدد لوگوں نے اس پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔

دانیال کا قصہ

مغازی ابن اسحاق میں مروی ہے کہ جب تستر فتح ہوا تو مسلمانوں کو ہرمزان کے بیت المال میں ایک تخت ملا جس پر ایک مردہ شخص لیٹا تھا' اس کے سر کے پاس ایک کتاب رکھی تھی' لوگ اسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لائے' انہوں نے حضرت کعب کو بلا کر عربی زبان میں منتقل کرایا۔ راوی ابو العالیہ کا بیان ہے کہ سب سے پہلے میں نے اسے پڑھا' اس میں انسانوں کی تاریخ' ان کے احوال' کلام کی غلطیاں اور آئندہ کے واقعات درج تھے۔ ابو العالیہ سے پوچھا گیا کہ تخت پر جو آدمی تھا اس کا کیا ہوا؟ انہوں نے بتایا کہ ہم نے دن میں تیرہ متفرق قبریں کھودیں اور رات میں اس آدمی کو ایک قبر میں دفن کر دیا اور تمام قبروں کو برابر کر دیا تاکہ کوئی کھود کر لاش کو نکال نہ سکے۔ پوچھا گیا کہ لوگوں کو اس مردہ شخص سے کیا امید تھی؟ جواب ملا کہ جب بارش رک جاتی تھی تو لوگ اس تخت کو باہر نکال دیتے تھے تو بارش ہو جاتی تھی۔ لوگوں نے پوچھا کہ یہ کون شخص تھے' راوی نے بتایا کہ ان کا نام دانیال تھا' ان کو فوت ہوئے تقریباً تین سو سال گزر چکے ہیں لیکن جسم کا کوئی حصہ بدلا نہیں کیونکہ

انبیاء کے گوشت کو زمین سڑاتی نہیں نہ ہی اسے درندے کھاتے ہیں۔ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ فتنہ کے ڈر سے مہاجرین و انصار قبروں کو پوشیدہ کر دیتے تھے' جس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ دعاء وغیرہ کے لئے قبروں پر جانا ناپسند کرتے تھے۔

ابو ایوب انصاری کی قبر

قسطنطنیہ میں ابو ایوب انصاریؓ کی قبر کا حال بھی کچھ اسی طرح کا ہے لیکن ایسا کوئی فعل ہمارے لئے دلیل نہیں' مختلف شہروں میں بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم کی قبریں تھیں' وہاں تابعین اور دوسرے ائمہ تھے لیکن ان میں سے کسی نے کبھی کسی قبر کے پاس آ کر نہ تو بارش طلب کی نہ اور کوئی مدد مانگی' حالانکہ اس طرح کے حالات اکثر پیش آئے کہ بارش رک گئی یا لوگ کسی مصیبت میں پھنس گئے۔ کتابوں کو پڑھنے اور سلف کے حالات کو جاننے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کبھی بھی قبروں کے پاس مدد طلب نہیں کرتے تھے' نہ وہاں دعا کے قصد سے جاتے تھے بلکہ جو لوگ ایسا کرتے تھے انہیں اس سے روکتے تھے۔

اگر اس طرح کی جگہوں پر دعا کی کوئی فضیلت ہوتی تو ممکن نہیں کہ صحابہؓ تابعین اور تبع تابعین اس سے نا واقف ہوں اور تین بہترین صدیوں کے لوگ ایک نیکی کے کام سے محروم رہیں۔

اور اگر وہ اس فضیلت سے واقف تھے تو ممکن نہیں کہ قبروں سے بے نیاز رہیں کیونکہ ان کو تو چھوٹی چھوٹی نیکیوں کی بے حد طلب ہوا کرتی تھی۔ پھر جب انسان مجبور ہوتا ہے تو وہ ہر طرح کا سہارا ڈھونڈھتا ہے خواہ اس میں کوئی قباحت ہی کیوں نہ ہو۔ لہٰذا یہ کیسے ممکن ہے کہ دعا کے لئے سخت مجبوریوں کی حالت میں قبروں کے پاس دعا کی فضیلت کو سمجھتے ہوئے وہ وہاں نہ جائیں؟ یہ شرعاً" و طبعاً" محال ہے۔

اور اگر اس مقام پر دعا افضل نہ ہو تو وہاں دعا کے ارادہ سے جانا گناہ و گمراہی ہو گا جس طرح کوئی شخص دعا کے لئے ان مقامات کا قصد کرے جن کی کوئی فضیلت نہیں مثلاً کسی دریا کا کنارا' کسی درخت کے اگنے کی جگہ' بازاروں کی کوئی دکان یا راستوں کے کنارے۔

قبروں پر دعا گمراہی ہے

قرآن کریم کی متعدد آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ قبروں پر دعا کرنا کھلی گمراہی ہے۔

درجہ ذیل آیات ملاحظہ ہوں :

۱۔ کیا ان لوگوں نے اللہ کے شریک بنا رکھے ہیں جو ان کو دین کا وہ رستہ بتلاتے ہیں جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا۔ الشوریٰ ۲۱

اللہ کی شریعت میں قبروں کے پاس دعا نہ تو واجب ہے نہ مستحب' پس اگر کوئی شخص قبر کے پاس دعا کو مشروع قرار دے تو وہ اللہ کے حکم سے خارج ہو گی۔

۲۔ کہدے میرے مالک نے تو صرف بے شرمی کے کاموں کو حرام کیا ہے کھلا ہو یا چھپا اور گناہ کو اور ناحق ستانے کو اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرنے کو وہ چیز جس کی اس نے کوئی سند نہیں اتاری اور اللہ تعالیٰ پر وہ بات لگانے کو جو تم کو معلوم نہیں۔ الاعراف ۳۳

اب جو شخص قبروں کے پاس دعا کرے جو عبادت میں داخل ہے' تو اس پر یہ بات صادق آئے گی کہ بے دلیل چیز کو اللہ کے ساتھ شریک کیا' کیونکہ اللہ کی اتاری ہوئی کسی بھی دلیل میں مذکور نہیں کہ قبروں کے پاس دعا کی کوئی فضیلت ہے اور جس نے ایسی دعا کو اللہ کا دین ٹھہرایا اس نے بے جانی ہوئی بات کو اس کی طرف منسوب کیا۔

آیت میں "**مالم ینزل به سلطانا**" ال عمران ۱۵۱۔ فرما کر ان تمام معیاروں اور کہانیوں کا سد باب کر دیا گیا ہے جن سے لوگ استدلال کیا کرتے تھے۔

۳۔ حضرت ابراہیم کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا :

اور اس کی قوم اس سے **بحثنے** لگی' ابراہیم نے کہا کہ کیا تم اللہ کی وحدانیت میں مجھ سے **بحثتے** ہو وہ تو مجھ کو راہ پر لگا چکا اور جن کو تم اس کا شریک سمجھتے ہو میں ان سے نہیں ڈرتا ہوں ہاں اگر میرا مالک کچھ چاہے' میرے مالک کے علم میں سب چیزیں سما گئی ہیں' کیا تم غور نہیں کرتے؟ اور جن کو تم اللہ کا شریک بناتے ہو میں ان سے کیوں ڈرنے لگا' حالانکہ تم اللہ کے ساتھ ان چیزوں کو شریک کرنے سے نہیں ڈرتے جن کی اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نہیں اتاری' بتاؤ دونوں طرف والوں سے امن کا کوئی حقدار ہے اگر تم جانتے ہو' جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان میں شرک نہیں ملایا انہیں کے لئے امن ہے اور وہی راہ پر ہیں اور یہ ہماری دلیل تھی جو ہم نے ابراہیم کو اس کی قوم کے مقابلہ میں بتلائی' ہم جس کو چاہیں اس کے درجے بلند کر دیتے ہیں۔ بے شک تیرا مالک حکمت والا علم والا ہے۔ الانعام ۸۰۔ ۸۳

شرک اکبر اور شرک اصغر کا ارتکاب کرنے والے مشرکین مخلص مومنوں کو اپنے سفارشیوں سے ڈراتے تھے' آیت میں ان کو خطاب کیا گیا ہے کہ ہمیں ان سفارشیوں کا خوف نہیں کیونکہ وہ بھی اللہ کی مخلوق ہیں' بغیر اللہ کے حکم کے کسی کو نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتے' ایسے مخلوق لوگوں سے جن کو تم نے سفارشی بنایا ہے ہم کیسے ڈر سکتے ہیں جبکہ تم اللہ سے ڈرتے ہو' حالانکہ تم نے اس کے دین میں ایسی چیز کو شریک کیا ہے جس پر آسمان کی وحی نہیں ہے' اب غور کرو کہ امن کا حقدار کون ہے؟ جو صرف اللہ سے ڈرتے ہیں اور شرک کی بدعت سے بچتے ہیں' یا وہ لوگ جو شرک کے مرتکب ہیں؟ بلا شبہ شرک سے بچنے والے مومن ہی امن و سلامتی کے مستحق اور راہ راست پر گامزن ہیں۔

اہل علم کو اللہ تعالٰی ہمیشہ اسی طرح کی دلیلوں سے نوازتا ہے۔

باطل استدلال

بعض لوگوں نے معروف کرخی کی قبر کو تریاق مجرب کہا ہے۔ معروف سے یہ بھی مروی ہے کہ انہوں نے اپنے بھتیجے کو اپنی قبر کے پاس دعا کی وصیت کی تھی۔ ابو علی خرقی نے ان لوگوں کے واقعات میں جنہیں امام احمد نے چھوڑ دیا تھا' ذکر کیا ہے کہ ان میں سے بعض لوگ امام کی قبر کے پاس آ کر دعا کرتے تھے۔ انبیاء اور صلحاء اہل بیت وغیرہ کی قبروں کے پاس آ کر دعا اور اس کی قبولیت بعض لوگوں کی طرف منسوب ہے۔

مناسک حج پر کتاب لکھنے والوں نے ذکر کیا ہے کہ قبر نبوی کی زیارت کے وقت آدمی وہاں پر دعا کر سکتا ہے۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ قبر نبوی کے پاس کھڑے ہو کر ستر بار درود پڑھ کر جو دعا کرے قبول ہو گی۔ بعض فقہاء نے قبر کے پاس سلام' ذکر' دعا وغیرہ کے جواز سے وہاں پر قرآن کی تلاوت کے جواز پر استدلال کیا ہے۔

بعض شیوخ کی قبروں کے پاس دعا کی بابت بعض لوگوں نے خواب دیکھے ہیں' کچھ لوگوں کو مخصوص قبروں کے پاس دعا کی قبولیت کا تجربہ ہے جیسے ابو الفرج شیرازی وغیرہ کی قبر۔

ہمارے دور کے بعض اصحاب علم و فضل کو بھی دیکھا گیا ہے کہ وہ قبروں کے پاس دعا کرتے اور وہاں اعتکاف کرتے ہیں' حالانکہ ان کا علم و فضل معروف ہے اور بعض کرامت

والے بھی ہیں' اب سوال یہ ہے کہ یہ لوگ دین کی مخالفت کیسے کر سکتے ہیں؟
یہ سوال علم و دین کی راہ سے بعید ہے پھر بھی میں نے اس لئے اس کو ذکر کیا ہے کہ قبر پرستوں کی آخری دلیل اسی طرح کی باتیں ہوا کرتی ہیں۔

جواب

ہم نے جن امور کو مکروہ کہا ہے ان کو مستحب قرار دینے کی بابت ان تین صدیوں سے کوئی ثبوت منقول نہیں جن کی تعریف میں نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ : میری بہترین امت اس صدی کے لوگ ہیں جس میں میری بعثت ہوئی' پھر اس کے بعد کے لوگ' پھر اس کے بعد کے لوگ۔

حالانکہ تقاضا یہ تھا کہ اگر ایسا کوئی ثبوت ہو تو اسے نقل کیا جائے اور مذکورہ امور کی کوئی فضیلت ہو تو اسے بیان کیا جائے۔ لیکن جب تقاضے کے باوجود نہ تو ان کاموں کا حکم دیا گیا نہ ان کی کوئی فضیلت بیان کی گئی تو اس سے قطعی طور پر یہ ثابت ہوا کہ ان کاموں کی شریعت میں کوئی فضیلت ثابت نہیں۔

اور جہاں تک تیسری صدی کے بعد کے لوگوں کا تعلق ہے تو زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان امور سے متعلق امت میں اختلاف ہوا' پھر بہت سے علماء یا صدیقین نے ان امور کی بجا آوری کا حکم دیا اور بعض لوگوں نے ان سے منع کیا' لہٰذا اب یہ نہیں کہا جا سکتا کہ امت کو ان امور کے مستحسن ہونے پر اتفاق ہے اس کی دو وجہ ہیں :

اول یہ کہ قدیم و جدید دونوں دور میں امت کی ایک بڑی تعداد نے ان امور کو مکروہ قرار دیا ہے اور ان کی بجا آوری پر ناپسندیدگی ظاہر کی ہے۔

دوم یہ کہ محال ہے کہ امت کسی ایسے عمل کے مستحسن ہونے پر اتفاق کر لے جس کو پہلے کے لوگوں نے نہ کیا ہو' یہ اجماع کا تناقض ہے' حالانکہ ایسے تناقض کا وقوع نہیں ہونا چاہیے اور ایسے کسی کام میں متاخرین کا اختلاف ہو گیا تو فیصلہ کا معیار کتاب و سنت اور متقدمین کا اجماع ہو گا اور اس مسئلہ میں کسی امام یا عالم سے جواز کی بات منقول نہیں' کذب بیانی کے طور پر امام شافعی کی بابت مذکور ہے کہ وہ مصیبت کے وقت امام ابو حنیفہ کی قبر پر آ کر دعا کرتے تھے تو دعا قبول ہو جاتی تھی۔ جنہیں روایت کا علم ہے وہ اس قول کے جھوٹے

ہونے کی شہادت دیں گے کیونکہ امام شافعی جب بغداد آئے تو وہاں کوئی ایسی قبر ہی نہ تھی جہاں لوگ دعا کے لئے آئیں اور نہ یہ چیز امام شافعی کے دور میں معروف تھی۔ امام شافعی حجاز' یمن' شام' عراق اور مصر میں انبیاء صحابہ اور تابعین کی قبریں دیکھ چکے تھے ان کا درجہ ابو حنیفہ اور ان جیسے علماء سے بڑا تھا لیکن کسی بھی قبر کے پاس انہوں نے دعا کا قصد نہیں کیا۔

خود امام ابو حنیفہ کے شاگرد جنہیں ان سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا مثلاً ابو یوسف' محمد' زفر' حسن بن زیاد' ان میں سے کسی سے متعلق یہ مذکور نہیں کہ وہ امام کی قبر کے پاس گیا اور وہاں پر دعا کی' یا کسی اور قبر پر جا کر دعا کی۔

امام شافعی کی کتاب میں تو یہ قول ثابت ہے کہ کسی مخلوق کی قبر کی تعظیم جائز نہیں کیونکہ اس سے فتنہ کا اندیشہ ہے لہٰذا ان کی طرف قبر پر جانے کی بات وہی منسوب کر سکتا ہے جس کا تدین مشکوک ہو۔

سوال میں بعض حکایتیں مجہول افراد سے منقول ہیں اس طرح کی بلا سند روایات اگر نبی ﷺ کی طرف بھی منسوب ہوں تو ہمیں ان کا قبول کرنا جائز نہیں اور جب غیر سے منقول ہوں تو تسلیم کرنے کا سوال ہی نہیں۔

بعض اقوال و افعال ایسے ہوتے ہیں جنہیں کہنے یا کرنے والا اپنے اجتہاد سے کرتا ہے جس میں خطا اور صواب دونوں کا احتمال ہوتا ہے' یا ایسی بات بہت سی قیود و شرائط کے ساتھ کہی جاتی ہے جن سے قباحت کا پہلو دور ہو جاتا ہے لیکن اس قول یا فعل کو روایت کرنے والے تحریف کر کے ان قیود و شرائط کو حذف کر دیتے ہیں' چنانچہ نبی ﷺ نے زیارت قبور سے منع کرنے کے بعد پھر زیارت کی اجازت دے دی تو باطل پرستوں نے یہ تصور کیا کہ یہ ان کی مزعومہ زیارت ہے جس میں قبروں کا قصد کر کے جاتے تھے وہاں نمازیں پڑھتے تھے اور ان سے مدد طلب کرتے تھے۔

مذکورہ افعال کے استحباب کی جو دلیلیں دی جاتی ہیں ان کا تعلق ایسی روایت سے ہے جس سے شرعی حکم ثابت نہیں ہو سکتا یا ایسے قیاس سے جس کے ذریعہ ایسی عبادتوں کو مستحب نہیں قرار دیا جا سکتا۔ پھر ہمیں یہ علم ہے کہ نبی ﷺ نے ان اعمال کو مشروع نہیں قرار دیا ہے اور تقاضا کے باوجود اگر کسی کام کو نہیں کیا گیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کام

شریعت میں ممنوع ہے۔ نصاریٰ اور ان جیسے دوسرے لوگ اس طرح کی حکایتوں اور ایسے معیاروں سے عبادتوں کو ثابت کرتے ہیں مسلمانوں کا یہ عمل نہیں۔

اہل بدعت کے شبہات

اللہ تعالیٰ کے احکام ثابت کرنے کے لئے معروف طریقہ کتاب اللہ' سنت رسول اللہ اور سلف کا طریقہ ہے' ان تین اصلوں کے بغیر کوئی شرعی حکم ثابت نہیں ہو سکتا۔ مذکورہ شبہات کا جواب مجمل و مفصل دونوں طرح دیا گیا ہے :

مجمل جواب

یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کے یہاں اس طرح کی بہت سی حکایتیں مشہور ہیں' بلکہ رسول اللہ ﷺ کے دور کے مشرکین بھی بتوں کے پاس دعا کرتے تھے تو ان کی دعا کبھی کبھی قبول ہو جاتی تھی۔ آج کے نصاریٰ کی بعض دعائیں بھی قبول ہوتی ہیں۔ اگر تنہا دعا کی قبولیت اللہ کی رضا اور محبت کی دلیل ہو تو پھر بہت سے حرام کاموں کو بھی اس فہرست میں داخل ماننا پڑے گا جس سے کھلے طور پر کفر لازم آئے گا۔

پھر قبر وغیرہ کے پاس مدد طلب کرنے والوں میں سے بہتوں کو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ کسی نہ کسی بت کو اختیار کرکے اس سے حسن ظن قائم کئے ہوئے ہے اور دوسرے بتوں سے بد گمانی رکھتا ہے' پھر اس کا یہ گمان بھی ہے کہ اس کے بت کے پاس دعا قبول ہوتی ہے دوسرے کے پاس نہیں۔ اب ہم ہر ایک کو صحیح نہیں مان سکتے اور اگر کسی ایک کو صحیح مانیں تو ترجیح بلامرجح لازم آئے گی اور سب کو دین ماننا جمع بین الاضداد ہے۔ مشرکین کے حالات سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ پانی کے لئے یا مدد کے لئے ان کی دعا کبھی کبھی قبول ہو جایا کرتی تھی اس چیز کو وہ اپنے بتوں کی جانب منسوب کرتے تھے۔

مفصل جواب

یہ ہے کہ قبروں وغیرہ پر دعا میں فوائد کا عقیدہ رکھنے والوں کے شبہات کا دار و مدار دو چیزوں پر ہے۔

ایک کا تعلق نقل سے ہے یعنی بعض معروف لوگوں سے اس طرح کی دعا کا فعل منقول ہے۔

دوسری چیز عقل سے متعلق ہے' یعنی تجربوں اور اندازوں سے اس طرح کی دعا میں فائدے کا عقیدہ۔

لیکن جہاں تک نقل کا تعلق ہے اس سلسلہ کی تمام چیزیں غلط اور جھوٹ ہیں ان کو دلیل نہیں بنایا جا سکتا' مزید یہ کہ معتبرائمہ سے اس کے برعکس فعل منقول ہے۔

مراد کا حصول

عقل سے متعلق ہمارا یہ کہنا ہے کہ عام طور پر جن فوائد کا ذکر کیا جاتا ہے سب جھوٹ ہیں' جو لوگ قبروں کے پاس دعا کرتے ہیں ان کی دعائیں شاذ و نادر قبول ہوتی ہیں' بہت سی دعاؤں میں سے کوئی ایک قبول ہوتی ہے اور بہت سے لوگوں میں سے کسی ایک کی دعا قبول ہوتی ہے۔ لیکن اس کے مقابلہ میں جو لوگ سحر کے وقت' سجدہ کی حالت میں' نمازوں کے بعد اور اللہ کے گھروں میں دعا کرتے ہیں ان میں سے بعض دعاؤں کو چھوڑ کر سب قبول ہوتی ہیں' بشرطیکہ اخلاص و تضرع سے دعا کریں اور دعا کی قبولیت میں کوئی رکاوٹ کی چیز نہ پیدا ہو گئی ہو۔ اس سلسلہ میں نبی ﷺ نے ایک حدیث میں فرمایا ہے کہ: کوئی بھی بندہ جب ایسی کوئی دعا کرتا ہے جس میں قطع رحمی یا گناہ نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے نتیجہ میں اسے تین چیزوں میں سے کوئی ایک چیز ضرور دیتا ہے' یا تو جو کچھ وہ مانگتا ہے وہ اسے مل جاتا ہے یا اسی طرح کی بھلائی اس کے لئے ذخیرہ کر دی جاتی ہے یا کوئی شر اس سے ہٹا دیا جاتا ہے' یہ سن کر صحابہ نے عرض کیا: پھر تو ہم بہت دعا کریں گے' نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے پاس کوئی کمی نہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحیح طور پر اللہ سے مانگنے والے ہمیشہ فائدے میں رہتے ہیں۔

اس کے بالمقابل قبروں پر دعا کرنے والوں کی کوئی دعا اگر قبول بھی ہو جائے تو اس کے باوجود ان کی توحید میں کمزوری پیدا ہو جاتی ہے' اللہ تعالیٰ سے ان کا تعلق ختم ہو جاتا ہے اور انہیں ایمان کی وہ لذت نہیں حاصل ہوتی جس سے اولین مسلمان بہرہ اندوز تھے اس کے علاوہ ان سے اللہ تعالیٰ کی برکت اٹھ جاتی ہے۔

شریعت نے جن کاموں کو حرام قرار دیا ہے ان کے اندر کسی طرح کی تاثیر کا عقیدہ مثلاً جھاڑ پھونک' نفسیاتی تدبیریں وغیرہ' یہ سب کام فائدہ سے زیادہ نقصان کا سبب بنتے ہیں' دنیا کا ایک کام ان سے بنتا ہے تو دوسرا بگڑ جاتا ہے' پھر آخرت کی خرابی اس کے علاوہ ہے۔

جائز طریقے کا فائدہ

اس کے برعکس جو لوگ اپنے مقاصد کے حصول کے لئے شریعت کے جائز کئے ہوئے وسائل مثلاً تجارت و زراعت وغیرہ اختیار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرکے اس سے دعا کرتے ہیں دعا کے لئے غلط جگہ کا قصد نہیں کرتے اور صدقہ و خیرات کرتے ہیں انہیں عام طور پر بھلائی ملتی ہے اور اگر بھلائی کو کرنے یا برائی کو چھوڑنے سے انہیں کوئی تکلیف بھی پہنچتی ہے تو بھلائی کے مقابلہ میں اس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔

ہماری یہ بات کتاب و سنت سے بھی ثابت ہے اور تجربات و قیاسات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے' نماز اور زکوٰۃ وغیرہ عبادتوں میں اللہ تعالیٰ نے ایسی برکت رکھی ہے کہ ان کے زریعہ انسان کو ہر طرح کی بھلائی اور سکون حاصل ہوتا ہے اور وہ پریشانیوں سے محفوظ رہتا ہے۔

فلسفہ کی راہ

اس بات کو سمجھ لینے کے بعد تاثیر کے اسباب کی چھان بین ہمارا کام نہیں کیونکہ اسباب بہت زیادہ ہیں' ان کی تعداد یا نوعیت کو سمجھنا مخلوق کے بس کی بات نہیں' اسی لئے انبیا علیہم السلام کا طریقہ یہ تھا کہ وہ لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے تھے اور برائی سے روکتے تھے اور اسی طرح کائنات کے اسباب میں فلاسفہ کی طرح الجھنے سے بھی منع کرتے تھے کیونکہ اس میں فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہے۔

ایک مثال

نبی ﷺ کی مثال اس طبیب جیسی ہے جو مریض کو دیکھ کر اس کا حال سمجھ لے اور دوا تجویز کر دے جس سے اسے شفا حاصل ہو جائے۔ اس کے مقابلہ میں اگر مریض کسی فلسفی

کے پاس جائے تو وہ مرض کے اسباب و اغراض کی تشریح میں بہت سا وقت لگا سکتا ہے لیکن اگر مریض اس سے یہ پوچھے کہ مجھے اس مرض سے چھٹکارا کیسے ہو گا؟ تو وہ شاید کوئی جواب نہ دے سکے۔

کائنات کے اسباب کی تاثیر کا موضوع ان لوگوں کے لئے مفید نہیں ہو سکتا جن کی عقل یا دین کمزور ہے' عقل مند کے لئے صرف یہ جاننا کافی ہے کہ جو امر مشروع نہیں وہ اگر موثر نہ ہو تو اس میں کوئی فائدہ نہیں اور اگر وہ موثر ہو بھی تو اس کا نقصان نفع سے زیادہ ہوتا ہے۔

دعا کی قبولیت

حرام دعا کرنے والے بعض لوگوں کی دعا اس لئے قبول ہو جاتی ہے کہ وہ اضطرار و مجبوری کی ایسی حالت میں ہوتا ہے جس میں اگر مشرک کسی بت کے پاس بھی دعا کرے تو اللہ تعالیٰ اسے قبول کر لیتا ہے کیونکہ ایسی صورت میں انسان صدق دل سے اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے' بت کے پاس دعا کا قصد بلا شبہ شرک ہے لیکن اس طرح کی قبولیت بھی ہوتی ہے۔

بہت سے لوگ غیر مباح دعا کرتے ہیں اور وہ قبول ہو جاتی ہے اور وہی دعا دنیا و آخرت میں اس آدمی کی ہلاکت کا سبب بنتی ہے' کبھی تو اس لئے کہ انسان ایسی چیز مانگتا ہے جو اس کے مناسب حال نہیں ہوتی' جیسے بنی اسرائیل کے بلعام اور بہت سے دوسرے لوگوں کے ساتھ پیش آیا اور کبھی تو اس لئے کہ جس طرح مانگنا چاہیے ویسے نہیں مانگتا یعنی ایسی دعا کرتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے سامنے جرات کا اظہار ہوتا ہے' یا اس کے احکام کی خلاف ورزی ہوتی ہے ایسے لوگوں کی دعا قبول کرکے اللہ تعالیٰ انہیں آزمائش میں مبتلا کر دیتا ہے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ سحر اور طلسم وغیرہ اللہ کے حکم ہی سے اثر کرتے ہیں اور ان کے ذریعہ بہتوں کی ضرورت پوری ہوتی ہے' لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

(اور البتہ یہود کو یہ معلوم ہے کہ جو کوئی جادو خریدے وہ آخر کار میں بے نصیب ہے' اگر وہ سمجھتے ہوتے تو برا بدلہ ہے جس کے عوض انہوں نے اپنی جانوں کو بیچا اور اگر وہ

حضرت محمد ﷺ پر ایمان لاتے اور پرہیز کرتے اور ان کو سمجھ ہوتی تو اللہ کے پاس جو ثواب ملتا وہ ان کے حق میں بہتر تھا)۔ البقرۃ ۱۰۲، ۱۰۳

ان لوگوں کو اعتراف تھا کہ یہ جادو آخرت میں نفع کے بجائے نقصان کا باعث ہے پھر بھی اس کی دنیوی منفعت کے لئے اسے سیکھتے تھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(اور ایسی باتیں سیکھتے ہیں جن میں فائدہ کچھ نہیں نقصان ہی نقصان ہے) البقرۃ ۱۰۲

اسی طرح بہت سے دعا کرنے والے حرام دعا کرتے ہیں اور وہ قبول ہو جاتی ہے لیکن انہیں اس سے نقصان پہنچتا ہے کبھی مکروہ دعا قبول ہو جاتی ہے۔ پھر کبھی داعی کو اس تحریم و کراہت کا علم ہوتا ہے اور کبھی علم نہیں ہوتا ہے اور نہ جاننے کی صورت میں وہ کبھی مغرور ہوتا ہے اور کبھی نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ کسی شرعی کراہت پر مشتمل دعا کا حال بقیہ عبادتوں جیسا ہے، جن کے بارے میں معلوم ہے کہ عبادت کسی مکروہ وصف پر مشتمل ہوتی ہے اس کی کراہت کو اللہ تعالیٰ کبھی معاف کر دیتا ہے عابد کے اجتہاد یا تقلید کی وجہ سے یا اس کی نیکیوں پر نظر کرتے ہوئے، لیکن اس کے باوجود بندہ کا یہ فرض ہے کہ وہ سمجھے کہ کراہت کا سبب کیا ہے۔

قبروں کے پاس دعا کی قبولیت سے دھوکہ

بہت سے لوگ اس لئے غلطی میں پڑ جاتے ہیں کہ انہیں بعض صلحاء کے بارے میں یہ علم ہوتا ہے کہ انہوں نے فلاں عبادت یا فلاں دعا کی اور اس کا اثر انہیں محسوس ہوا، اثر کے ظہور کو لوگ اس عبادت یا دعا کے مستحسن ہونے کی دلیل بنا لیتے ہیں اور اسے سنت سمجھ لیتے ہیں گویا وہ نبی کا فعل ہے، لیکن جیسا کہ ہم نے بتایا یہ تصور غلط ہے۔

اس قبیل سے بعض شیوخ سے متعلق وہ آثار ہیں جو بدعی سعی کے دوران حاصل ہوئے اس کے سبب ممکن ہے کوئی قلبی حالت ہو جو ان شیوخ کے اندر موجود ہو لیکن اس کا متبعین میں پایا جانا ضروری نہیں۔

اور جیسا کہ بعض مشائخ کے متعلق منقول ہے کہ انہیں موت کے بعد کسی نے دیکھا تو پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا کیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے سامنے مجھے کھڑا کر کے فرمایا کہ: اے برے شیخ! تم میرے سلسلہ میں سعدی اور لبنیٰ کی مثالیں

پیش کرتے تھے اگر مجھے تمہارے صدق کا علم نہ ہوتا تو ضرور تم کو عذاب دیتا۔

شریعت میں مکروہ دعا یا مناجات کی قبولیت کے جو تذکرے ہمارے سامنے آتے ہیں وہ اس قبیل سے ہوتے ہیں اس لئے شریعت کا علم رکھنے والے ائمہ نے اس طرح کی دعا اور مناجات کو ہمیشہ مکروہ سمجھا خواہ اس کا کتنا ہی اثر اس دعا کرنے والے کی زندگی میں ظاہر ہو۔

اس طرح کی اکثر حکایتوں کے راوی کوتاہ علم لوگ ہوتے ہیں اگر یہ چیز شریعت یا دین ہوتی تو اہل معرفت اسے پہلے جانتے۔

اس موقع پر یہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ غیر مشروع دعاؤں پر حرمت یا کرامت کا جو حکم لگایا جاتا ہے اس کی وجہ کبھی تو مطلوب ہوتا ہے اور کبھی خود وہ طلب ہوتی ہے۔ اسی طرح حرام اور مکروہ استعاذہ کا بھی حال ہے' ان صورتوں میں انسان ایک برائی سے نجات پا کر اس سے بڑی برائی میں پڑ جاتا ہے۔

حرام مطلوب

اس کی مثال یہ ہے کہ انسان ایسی چیز طلب کرے جو اسے دنیا یا آخرت میں نقصان پہنچائے خواہ اسے اس کا علم نہ ہو اور اس کی یہ دعا قبول ہو جائے جیسے وہ شخص جس کی عیادت کے لئے نبی ﷺ تشریف لے گئے تو دیکھا کہ وہ سوکھ کر چوزہ کی طرح ہو گیا ہے' آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم اللہ تعالیٰ سے کوئی دعا کرتے تھے؟ اس نے بتایا کہ ہاں میں یہ دعا کرتا تھا کہ اے اللہ تو مجھے آخرت میں کوئی سزا دینے والا ہو تو اسے دنیا ہی میں دے دے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ سبحان اللہ' تمہارے اندر اس کے برداشت کی طاقت کہاں' تمہیں کہنا چاہیے تھا کہ:

ربنا اتنا فی الد نیا حسنۃ' وفی الاخرۃ حسنتہ و قنا عذ اب النار' یعنی اے اللہ ہمیں دنیا اور آخرت دونوں کی بھلائی دے اور جہنم کے عذاب سے محفوظ رکھ۔

اسی طرح جب جابر بن عتیک کا انتقال ہوا تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ اپنے حق میں صرف بھلائی کی دعا کرو اس لئے کہ تمہاری دعا پر فرشتے آمین کہتے ہیں۔

جو لوگ صرف دنیا طلب کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا:

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اے رب ہمیں دنیا میں دے' ان کے لئے آخرت میں کوئی

حصہ نہیں۔ البقرۃ ۲۰۰

اہل دل میں سے بہت سے لوگ کسی کی محبت یا دشمنی سے مغلوب ہو کر اس کے حق میں نا مناسب دعا کر بیٹھتے ہیں اور وہ قبول ہو جاتی ہے اور اس دعا پر انسان کو سزا ملتی ہے' یا تو ایمان کی لذت سے محروم ہو جاتا ہے یا اس کا ایمان سلب ہو جاتا ہے پھر وہ کافر یا منافق ہو جاتا ہے۔

احوال قلبی والے متاخرین چونکہ دین کی سمجھ کم رکھتے ہیں اس لئے اس مرض میں زیادہ مبتلا ہوتے ہیں بعض لوگوں پر کسی قلبی حالت کا ایسا غلبہ ہو جاتا ہے کہ شریعت کے احکام میں تقصیر واقع ہونے لگتی ہے اور کبھی کسی اجتہادی غلطی میں پڑ جاتا ہے جسے اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے۔

اس طرح کے لوگوں کو یہ دھوکہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی دعاؤں کی قبولیت کسی طرح کی بزرگی اور کرامت ہے۔ حالانکہ یہ کوئی بزرگی نہیں' بزرگی صرف اس چیز میں ہے جو آخرت میں نفع بخش ہو یا کم از کم آخرت میں نقصان نہ پہنچائے اور دنیا میں نفع دے۔

اس کی مثال کافروں اور فاسقوں کو ملنے والی نعمتوں کی ہے مثلاً مال و دولت اور سرداری وغیرہ' اگر ان سے آخرت میں ان کے مالک کو نقصان نہ پہنچے تو پھر یہ حقیقی نعمت بن جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(کیا یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم جو ان کی مال اور اولاد سے مدد کرتے ہیں تو ان کو بھلائی پہنچانے میں جلدی کرتے ہیں؟ ہرگز نہیں' ان لوگوں کو (ہمارا اصل مطلب) معلوم نہیں)۔ المومنون ۵۵' ۵۶

دوسری جگہ ارشاد ہے:

(پھر جب وہ اس مصیبت کو بھول بیٹھے جو خبردار کرنے کے لئے آئی تھی تو ہم نے بھی ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ وہ ان چیزوں پر جو ان کو ملی تھیں مست ہو گئے اس وقت ایک دم سے ہم نے ان کو پکڑ لیا اور وہ نا امید ہو کر رہ گئے۔ الانعام ۴۴

ایک حدیث میں آیا ہے کہ: جب تم دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کسی بندے کو گناہ پر جمے رہنے کے باوجود نوازتا ہے تو سمجھ لو کہ وہ استدراج (ڈھیل) ہے۔

حرام طلب

طلب کے اعتبار سے حرمت اس لئے ہوتی ہے کہ اس میں انسان غیر اللہ کو پکارتا ہے جس طرح جادوگر ستاروں کو خطاب کرتے ہیں اور ان کو پوجتے ہیں' اہل ایمان کی دعا اور عبادت سے اس کا معارضہ نہ ہو تو اس کے احکام متنوع ہو جاتے ہیں- اس لئے یہ چیز رسولوں کی درمیانی مدت میں اور کفر و نفاق والے علاقوں میں دارالایمان کے مقابلہ میں زیادہ موثر ہوتی ہے-

مجھے ایسے لوگوں کا علم ہے جو سختی میں بعض زندہ افراد سے مدد طلب کرتے تھے اور ان کی سختی دور ہو جاتی تھی- حالانکہ جس آدمی سے مدد طلب کی جاتی تھی اسے اس کا علم بھی نہ ہوتا تھا- اس طرح کچھ لوگوں کے حق میں کوئی شخص بد دعا کرتا ہے یا انہیں تکلیف پہنچانا چاہتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ بعض زندہ یا مردہ اشخاص اس راہ میں حائل ہو جاتے ہیں-

ان صورتوں میں جو چیز حائل نظر آتی ہے اسے حقیقت میں کوئی علم نہیں ہوتا سب کچھ اللہ تعالیٰ کے فعل سے کسی ایسے سبب کے ذریعہ ہوتا ہے جو مصیبت کے شکار اور اس کو دور کرنے والے کے درمیان ہوتا ہے خواہ اللہ تعالیٰ کے احکام میں اس کی اتباع و طاعت ہو یا اس طرح کی کوئی دوسری چیز-

بت پرستوں کو کبھی اس طرح کے حرام مطلوب بطور آزمائش مل جاتے ہیں- ظاہر ہے کہ بت سنتے نہیں لہٰذا اس چیز کے حصول کا سبب نہیں بن سکتے' ماننا پڑے گا کہ بتوں سے دعا یا ان کی عبادت اس مطلوب کے حصول کا سبب نہیں-

ایک مثال پر غور کرنے کی ضرورت ہے زہر کھانا حرام ہے' لیکن اس کے کھانے کے بعد اللہ تعالیٰ ان اثرات کو ضرور پیدا کر دیتا ہے جو زہر کا نتیجہ ہیں- اس طرح غیر اللہ کو پکارنے یا حرام کلمات کے ذریعہ دعا کرنے سے اس کے اثرات کا ظہور ہو سکتا ہے- لیکن دعا کرنے والے کے حق میں مقصود کے حصول کی منفعت سے دعا کی خرابی زیادہ ہے- جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت نہیں دی اور دل نور ایمان سے منور نہیں کیا ہے اور انہیں تکوینی و تشریعی امور کے مابین فرق کی صلاحیت نہیں ہے اور نہ تقدیر و تشریع کے مابین تمیز کرتے

ہیں ان کے حق میں یہ چیز آزمائش بن جاتی ہے۔

یہاں یہ جاننا ضروری ہے کہ مسئلہ کی تین قسمیں ہیں :

۱۔ ایسے امور جن کو اللہ تعالیٰ نے مقدر فرمایا ہے لیکن ان کو پسند نہیں کرتا نہ ان سے راضی ہے' ان امور کے حصول کے اسباب حرام اور عذاب الٰہی کے موجب ہوتے ہیں۔

۲۔ ایسے امور جن کو اللہ تعالیٰ نے مشروع قرار دیا ہے اور انہیں پسند کرتا ہے لیکن ان کے حصول کے لئے بندوں کی مدد نہیں فرمایا ایسے امور اسکے نزدیک محمود و پسندیدہ ہیں خواہ ان کا وجود نہ ہو۔

۳۔ یہ کہ اللہ تعالیٰ ان امور میں بندہ کی مدد فرمائے جن کو اس کی طرف سے پسند فرماتا ہے۔

پہلی قسم میں اللہ تعالیٰ کی اعانت ہے' دوسری قسم میں اس کی عبادت ہے اور تیسری قسم عبادت و اعانت کا مجموعہ ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے :**ایاک نعبد وایاک نستعین**۔

لہٰذا اگر کوئی غیر مباح دعا موثر ہو تو از قبیل اعانت ہو گی نہ کہ از قبیل عبادت جیسے کافروں کی دعاء۔

رحمت الٰہی کا ایک مظہر یہ ہے کہ شرک پر مشتمل دعا سے دعا کرنے والے کے صرف چھوٹے چھوٹے مقاصد حاصل ہوتے ہیں۔ قحط کے وقت بارش یا نازل شدہ عذاب دفعیہ وغیرہ جیسے بڑے مقاصد میں شرک کچھ کام نہیں دیتا' اس سلسلہ میں درج ذیل آیات پر غور کیجئے :

(اے پیغمبر کہہ دے بھلا بتلاؤ اگر اللہ کا عذاب آ جائے یا قیامت آن کھڑی ہو تو کیا اس وقت اللہ کے سوا کسی کو پکارو گے اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو' بلکہ خاص اللہ تعالیٰ ہی کو پکارو گے پھر اگر وہ چاہے گا تو اس مصیبت کو جس کے لئے پکارتے تھے دور کر دے گا اور تم بھول جاؤ گے ان کو جنہیں اللہ کا شریک ٹھہرایا تھا)۔ الانعام ۴۰' ۴۱

(اور جب سمندر میں تم آفت میں گرفتار ہوتے ہو تو اللہ کے سوا جن جن کو تم پکارتے تھے سب کو بھول جاتے ہو' پھر جب تم کو خشکی میں بچا لاتا ہے تو اعتراض کر بیٹھتے ہو اور آدمی بڑا ناشکرا ہے)۔ الاسراء ۶۷

(بھلا مصیبت کا مارا شخص بے قراری میں جب اس کو پکارے تو کون اس کی دعا قبول کرتا ہے اور تکلیف دور کرتا ہے اور کون تم کو زمین میں ایک دوسرے کا جانشین بناتا ہے؟)

نمل ۶۲

(اے پیغمبر کہدے اللہ کے سوا تم جن کو (اللہ کا شریک) سمجھتے ہو وہ تو اتنا بھی اختیار نہیں رکھتے کہ تمہاری کوئی تکلیف دور کر دیں یا اس کو سرکا دیں جن لوگوں کو یہ مشرک پکارتے ہیں وہ خود اپنے رب کی طرف ذریعہ تلاش کرتے ہیں کہ کون اللہ کے زیادہ قریب ہوتا ہے اور اس کی مہربانی کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں' اس لئے کہ تیرے مالک کا عذاب ڈرنے ہی کی چیز ہے) الاسراء ۵۶' ۵۷

(کیا ان کافروں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنا سفارشی بنا رکھا ہے؟ اے پیغمبر کہہ دے کیا سفارش کریں گے وہ جو نہ اختیار رکھتے ہیں اور نہ ان کو عقل ہو' کہدے سفارش تو ساری اللہ کے اختیار میں ہے) الزمر ۴۳' ۴۴

جب یہ ثابت ہوا کہ ان عظیم مقاصد میں صرف اللہ تعالیٰ ہی دعا قبول کرتا ہے تو اس سے توحید ثابت ہوتی ہے اور شرک کے شائبے ختم ہو جاتے ہیں' نیز یہ پتہ چلتا ہے کہ چھوٹے مقاصد کی دعائیں بھی وہی قبول کرتا ہے خواہ اسباب حرام ہوں یا مباح۔ جس طرح اس نے آسمان' زمین' ہوا اور بادل جیسی عظیم مخلوقات پیدا کی ہیں اسی طرح وہ چھوٹی چھوٹی چیزوں کا بھی خالق ہے کیونکہ ان کے وجود کے اسباب کا بنانے والا وہی ہے۔

شرک کے اقسام

گذشتہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ شرک کی دو قسمیں ہیں۔

ربوبیت میں شرک

اول **شرک فی الربوبیة**' یعنی یہ ماننا کہ کائنات کی تدبیر میں اللہ کے ساتھ دوسرا شریک ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

(اے پیغمبر کہدے تم جن کو اللہ کے سوا معبود سمجھتے ہو بھلا ان کو پکارو تو سہی ان کو تو ایک ذرے برابر بھی اختیار نہیں نہ آسمان میں نہ زمین میں اور نہ آسمان و زمین کو بنانے میں ان کا کوئی حصہ ہے اور نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے) سبا ۲۲

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرما دی کہ باطل معبودوں کی ملکیت میں آسمان و

زمین کا ایک ذرہ بھی نہیں نہ کسی چیز میں ان کی خیر و برکت ہے نہ وہ اللہ کی مدد کرتے ہیں پھر ان کا اللہ تعالیٰ سے کیا تعلق یا جوڑ ہو سکتا ہے؟

۲۔ الوہیت میں شرک

اس کی صورت یہ ہے کہ آدمی اللہ کے علاوہ کسی اور کو عبادت کے طور پر پکارے یا اس سے کچھ مانگے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(ہم تیری ہی بندگی کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں) الفاتحہ ۴

اب اگر مخلوقات کو سبب بنایا جائے تو اس سے یہ لازم نہیں آ سکتا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق نہیں اور نہ عبادت کے طور پر مخلوق کو پکارنے یا اس سے مدد طلب کرنے کا جواز ملتا ہے' جیسا کہ شرک وغیرہ جیسے بعض حرام افعال کو سبب ماننے سے یہ نہیں لازم آتا کہ اللہ تعالیٰ دین خالص کا مستحق نہیں ہے اور اس کے حق میں شرکیہ کلمات کا استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اس قاعدہ کو قرآن کی عام آیتوں میں ثابت کیا گیا ہے اسی لئے یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر شفاعت ممکن اور موثر نہیں۔

قرآن اور توحید الوہیت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(اس کے حکم کے بغیر کون اس کے پاس سفارش کر سکتا ہے؟) البقرۃ ۲۵۵

دوسری جگہ ارشاد ہے:

(اے پیغمبر قرآن کے ذریعہ سے ان لوگوں کو ڈرا جو قیامت کے دن اپنے مالک کے پاس اکٹھا ہونے کا خوف رکھتے ہیں وہاں اللہ کے سوا نہ کوئی حمائتی ہو گا اور نہ سفارش کرنے والا)

الانعام ۵۱

ایک آیت میں ارشاد ہے:

(اے پیغمبر کہہ دے کیا ہم اللہ تعالیٰ کے سوا ان کو پکاریں جو ہمارا نہ بھلا کر سکتے ہیں نہ برا کر سکتے ہیں) الانعام ۷۱

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

(کافروں سے اللہ تعالیٰ کہے گا تم تو اکیلے اکیلے ہمارے پاس آئے جیسے پہلے ہم نے تم کو پیدا کیا تھا اور جو سامان ہم نے تم کو دیا تھا وہ اپنی پیٹھ پیچھے چھوڑ آئے اور تمہارے سفارشی تو ہم کو تمہارے ساتھ نظر نہیں آتے جن کو تم اپنے کاموں میں ہمارا شریک سمجھتے تھے' اب تمہارے آپس کے رشتے کٹ گئے اور جو کچھ تم سمجھتے تھے وہ کھو گیا) الانعام ۹۴

سورہ انعام ایسی عظیم سورت ہے جس میں اصول ایمان کا بیان ہے اور اسی طرح سورہ زمر بھی۔

ایک آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(اور لوگوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کو ایک کنارے رہ کر پوجتا ہے پھر جو اس کا بھلا ہوا تو اپنے دین پر جما رہا اور جو کوئی مصیبت اس پر آن کھڑی ہوئی تو جدھر سے آیا تھا ادھر ہی لوٹ گیا اس نے اپنی دنیا اور آخرت کھو دی یہ کھلا گھاٹا ہے' اللہ تعالیٰ کے سوا ان چیزوں کو پکارتا ہے جو نہ اس کا برا کر سکتی ہیں اور نہ بھلا کر سکتی ہیں' یہی تو پرلے سرے کی گمراہی ہے۔ یہ تو ان چیزوں کو پکارتا ہے جن کا نقصان نفع سے کہیں نزدیک ہے' بیشک یہ برا دوست اور برا رفیق ہے) الحج ۱۱۔ ۱۳

اور فرمایا:

(جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے سرپرست بنا رکھے ہیں ان کی مثال مکڑی کی ہے وہ بھی ایک گھر بناتی ہے' حالانکہ سب سے بودا مکڑی کا گھر ہے' کاش یہ لوگ سمجھتے ہوتے) العنکبوت ۴۱

قرآن میں اسی طرح عام طور پر اس قاعدہ کو ثابت کیا گیا ہے ایسی دعا اگر موثر بھی ہو اور اس سے مقصد بھی حاصل ہو پھر بھی اس کے حرام ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

دعا کے سلسلہ میں ایک مغالطہ

کسی مطلوب کے حصول سے قبل کی جانے والی دعا کے سلسلہ میں لوگوں کا اختلاف ہے باطل پرست فلاسفہ و متصوفہ میں سے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ اللہ کی مشیت اور علوی اسباب نے اگر اس مطلوب کے وجود کا فیصلہ کر دیا ہو گا تو پھر دعا کی کوئی ضرورت نہیں اور اگر ان کے فیصلہ میں وہ مطلوب نہ ہو گا تو دعا سے کوئی فائدہ نہیں

یعنی مطلوب وجود میں نہیں آ سکتا۔

متکلمین میں کچھ لوگوں کا قول ہے کہ دعا مطلوب کے حصول کی علامت اور اس کی دلیل ہے ان لوگوں نے مطلوب سے اس کے تعلق کو مدلول سے دلیل کے تعلق جیسا مانا ہے۔ مسبب سے سبب کے تعلق جیسا نہیں۔

مغالطہ کا جواب

لیکن صحیح مذہب جمہور کا ہے وہ کہتے ہیں کہ دعا مطلوب کے حصول کا سبب ہے خواہ اس میں خیر ہو یا نہ ہو' جیسے تمام مقدر و مشروع اسباب' خواہ ان کو سبب کہا جائے یا سبب کا جز یا شرط' مقصود ایک ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کے حق میں کسی بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے دل میں دعا اور اللہ سے مدد طلب کرنے کی بات ڈال دیتا ہے' اب بندہ کی یہی دعا اور اللہ سے مدد کی طلب اس بھلائی کا سبب بن جاتی ہے جس کا فیصلہ اللہ نے اس بندہ کے حق میں کیا ہے۔

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ : مجھے دعا کی قبولیت کی فکر نہیں ہوتی صرف دعا کی فکر ہے مجھے اگر دعا کا الہام ہو تو قبولیت اسی کے ساتھ ہو گی۔

جیسے اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو سیراب و آسودہ کرنا چاہتا ہے تو اس کے دل میں کھانے پینے کے لئے الہام کرتا ہے اور جب کسی بندے پر رحم کرنا چاہتا ہے تو توبہ کا الہام کرتا ہے اور جب جنت میں داخل کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے نیک عمل کو آسان بنا دیتا ہے۔ یعنی مشیت الٰہی ان بھلائیوں کا وجود اس کے مقدر اسباب کے ذریعہ چاہتی ہے' جس طرح نیک عمل جنت میں داخلہ کا' مجامعت بچہ کے وجود کا اور تعلیم علم کا سبب بنتی ہے۔ تمام کاموں کی ابتداء اللہ سے ہے اور وہی انہیں پورا کرتا ہے لیکن اس کا یہ معنی نہیں کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور کائنات میں موثر ہے بلکہ صرف اللہ تعالیٰ ہے اور اسی نے بندہ کی دعا کو اپنے فیصلہ و ارادہ کے لئے سبب بنایا ہے۔

چنانچہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بتائیے کہ دوا یا جائز جھاڑ پھونک اور احتیاط وغیرہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور فیصلہ کو روک سکتی ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ خود اللہ کے فیصلہ میں سے ہیں۔

اس دعا کی بابت ہے جو مطلوب کے حصول کا سبب ہو لیکن جن ممنوع دعاؤں کو سبب فرض کر لیا گیا ہے ان کی بحث پہلے گزر چکی ہے۔

جہاں تک غیر مشروع دعاؤں کا تعلق ہے تو ان میں سے اکثر مطلوب کے حصول کا سبب یا اس کا جزء نہیں' صرف لوگوں کو اس کا وہم ہوتا ہے' جیسے نذر کا حال ہے' چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نذر سے منع فرمایا اور بتایا کہ اس سے کوئی بھلائی حاصل نہیں ہوتی صرف بخیل سے پیسہ نکلتا ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نذر انسان سے کسی ایسی چیز کو قریب نہیں کرتی جسے اللہ نے اس کے لئے مقدر نہیں کیا ہے لیکن تقدیر سے موافقت کے بعد اس کے ذریعہ بخیل سے پیسہ نکلتا ہے کیونکہ بخیل خود سے اسے نکالنا نہیں چاہتا۔

اس کے باوجود ہم لوگوں کو یہ بیان کرتے ہوئے سنتے ہیں کہ فلاں مصیبت کے وقت انہوں نے نذر مانی تو وہ مصیبت دور ہو گئی۔ اسی طرح قبر کے پاس دعا کرنے والے بتاتے ہیں کہ ان کی ضرورت پوری ہو گئی۔ اس طرح کی نذروں اور بے جا رسموں سے قبر کے مجاوروں کو لوگوں کی دولت ہڑپ کرنے کا موقع ملتا ہے نذر ماننے والوں کی کثرت ہے کوئی مرض میں' کوئی لڑائی کے وقت' کوئی بحری سفر کے وقت' کوئی گرفتاری میں اور کوئی فاقہ کے وقت نذر مانتا ہے۔

ان کے دلوں میں یہ بات بیٹھی رہتی ہے کہ نذر کے سبب مقصود حاصل ہوتا ہے اور مصیبت دور ہوتی ہے۔ حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ گناہ کے کاموں کے علاوہ طاعت کے کاموں کی نذر بھی حصول خیر کا سبب نہیں البتہ نذر ماننے والے کو جو خیر حاصل ہونے والا ہوتا ہے اس کی نذر سے موافقت ہو جاتی ہے۔ لہٰذا غیر مشروع دعاؤں کی حیثیت مطلوب کے حصول کے لئے نذر سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔

بہت سے لوگ یہ کہتے ہیں کہ فلاں زیارت گاہ' مقام یا قبر کے پاس نذر قبول ہوتی ہے اور نذر پیش کرنے والے کی ضرورت پوری ہو جاتی ہے۔ اس طرح لوگ قبروں کے پاس کی جانے والی دعا کے سلسلے میں بھی تصور رکھتے ہیں۔ حالانکہ اس کی حیثیت بھی وہی ہے جو نذر کی ہے یعنی اگر کوئی مقصود پورا بھی ہو جائے تو اس سے یہ لازم نہیں آ سکتا کہ قبر کے پاس دعا کا کوئی اثر ہے۔

شیطان کا دھوکہ

شیطان بسا اوقات کسی ایسی چیز کو موثر بنا کر دکھاتا ہے جس میں کوئی تاثیر نہیں ہوتی اور اس طرح جس چیز کا کوئی اثر ثابت ہوتا ہے اس کو کسی دوسری جگہ مزین کر کے دکھاتا ہے۔

اس کی توضیح یہ ہے کہ اگر کسی نذر یا دعا کو کوئی شخص موثر مانتا ہے تو اس کے لئے کسی دلیل کا وجود ضروری ہے' محض نذر کے ساتھ مطلوب کے حصول کا واقع ہونا دلیل نہیں ہو سکتا' خصوصاً جبکہ اس کے وجود کے لئے کوئی دوسرا مناسب سبب موجود و معروف ہو۔

روزمرہ کی زندگی میں ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بہت سی ضرورتوں کو پوری کرتا اور تکلیفوں کو دور کرتا ہے اور ان کے اسباب کا علم اس کے سوا کسی کو نہیں۔ لیکن ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ مبتدعانہ دعا کے وقت میں مطلوب کو پیدا کرے اور جب ایسی دعا کے وقت کوئی مطلوب حاصل بھی ہو تو اس کو ان بہت سے اسباب کی طرف منسوب کرنا جنہیں اللہ تعالیٰ جانتا ہے کسی ایسی چیز کی طرف منسوب کرنے سے بہتر ہے جس کا سبب ہونا ثابت ہی نہیں۔ لہٰذا دعا کے ساتھ کسی مطلوب کے حصول سے دعا کے سبب ہونے کا اگر شبہ ہوتا ہے تو دعا کے بعد مطلوب کے عدم حصول سے اس شبہ کو دور بھی ہو جانا چاہیے۔

انسانوں کے تین فرقے

مذکورہ مسئلہ سے متعلق لوگ تین فرقوں میں منقسم ہیں : **مغضوب علیہم' ضالین' منعم علیہم**۔ (یعنی جن پر غضب ہوئے' جو گمراہ ہوئے اور جن پر انعام ہوا)۔

۱۔ جن پر غضب نازل ہوا وہ مشروع و غیر مشروع تمام اسباب پر طعن و اعتراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دعا کبھی موثر ہوتی ہے اور کبھی نہیں ہوتی اور یہیں سے وہ بحث شروع ہو جاتی ہے کہ معجزات انبیاء کی تصدیق پر دلالت کرتے ہیں یا نہیں؟

۲۔ جو لوگ گمراہ ہیں وہ ہر خیالی چیز کو سبب مانتے ہیں' خواہ وہ یہودیت' نصرانیت اور مجوسیت وغیرہ مذاہب تک پہنچا دے!

۳۔ لیکن ہدایت یاب لوگ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ان قوتوں اور طبیعتوں کا انکار

نہیں کرتے جو اجسام وارواح میں موجود ہیں لیکن اس کے بعد ان کا یہ ایمان بھی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ایسی ہے جس سے وہ ہر چیز پر قادر ہے ہر روز اس کی ایک شان ہے بندہ کی دعا کو اگر وہ قبول کرتا ہے تو اس میں بندہ کی قوت اور اس کے جسم و روح کے تصرف کا کوئی دخل نہیں ہوتا' اللہ تعالیٰ انبیاء کی تکریم اور ان کے صدق کے اظہار کے لئے خرق عادت اشیاء کو پیدا کرتا ہے۔ اس طرح اپنے دین کی تائید اور اپنے نیک بندوں کو دنیا ہی میں بعض کاموں کا ثواب دینے یا کسی مصیبت کو دور کرنے کے لئے خرق عادت اشیاء کو وجود میں لاتا ہے۔

ان کا اس بات پر بھی ایمان ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نیک اعمال اور مشروع دعاؤں کے ذریعہ جسم اور نفس کی طاقتوں میں موجود بعض چیزوں کو دفع کرتا ہے۔ یہ لوگ ان اوہام پر توجہ نہیں دیتے جن کا فساد عقلی و شرعی دلیلوں سے ثابت ہے اور نہ ہی شریعت کی حرام کی ہوئی چیزوں پر عمل کرتے ہیں خواہ ان کے اندر کسی قسم کی تاثیر کا گمان ہی کیوں نہ رکھا جائے۔

سبب کے غلبہ کا علم

شرعی اور طبعی امور میں اس کے متعدد طریقے ہیں۔ ان میں سے ایک اضطرار یعنی مجبوری ہے چنانچہ نبی ﷺ کے دور میں کبھی ایسا ہوا کہ لوگ پیاسے ہوئے۔ آپ ﷺ نے تھوڑا پانی لے کر اس میں ہاتھ ڈال دیا تو انگلیوں سے پانی نکلنے لگا جب لوگوں کو بھوک کا احساس ہوا تو آپ ﷺ نے موجودہ تھوڑے کھانے پر ہاتھ رکھ دیا تو برکت سے وہ بہت زیادہ ہو گیا اس طرح کے واقعات سے ہمیں بدیہی طور پر یہ علم ہو جاتا ہے کہ پانی اور کھانے کی کثرت نبی ﷺ کے سبب سے وجود میں آئی۔

جس طرح انسان کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ تلوار کی سخت ضرب کے بعد آدمی مرجاتا ہے اور یہ ضرب اس موت کا سبب ہوتی ہے۔ البتہ یہ سبب عادت کے مطابق معروف ہے لیکن پانی اور کھانے کی کثرت کے لئے مذکورہ صورت میں کوئی معتاد سبب نہیں مگر دونوں چیزوں کے تقابل سے صورت حال کی توضیح ہو جاتی ہے۔

اسی طرح نبی ﷺ نے جب حضرت انس بن مالک کے لئے مال و اولاد کی کثرت کی دعا

فرمائی تو ان کے کھجور کے درخت میں سال میں دوبار پھل آتا تھا جبکہ مدینہ کے دوسرے باغ ایسے نہ تھے اور انہوں نے اپنے بیٹوں اور پوتوں میں سے سو سے زیادہ افراد کو دیکھا۔ اس طرح کے واقعات کا سبب یقیناً نبی ﷺ کی دعا تھی۔

اگر کوئی شخص بچے کو روتا ہوا دیکھے پھر ماں کے دودھ پلانے سے وہ چپ ہو گیا تو اسے یقینی طور پر معلوم ہو گا کہ دودھ کی وجہ سے بچہ خاموش ہو گیا۔

جو احتمالات نوع کے لئے پیدا ہوتے ہیں ان سے شخص معین مستثنیٰ ہو سکتا ہے۔ اسی طرح دعاؤں کا حال ہے' مومن کبھی دعا کرتا ہے تو مانگی ہوئی چیز بعینہٖ اسے مل جاتی ہے حالانکہ اس کے مقتضی اسباب موجود نہیں ہوتے' جیسے علاء بن حضرمی نے جب کہا کہ : یا علیم یا حلیم یا علی یا عظیم اسقنا تو سخت گرمی کے دن میں صرف ان کے لشکر کی حد تک بارش ہو گئی اور جب انہوں نے کہا کہ : احملنا یعنی ہمیں پار کرا دے تو بڑے دریا کو انہوں نے چل کر پار کیا اور سواریوں کے پیر بھی تر نہ ہوئے۔ لہٰذا وحی منزل اور عقول صحیحہ سے معلوم ہوا کہ صرف اللہ تعالیٰ سے دعا کا فائدہ ضرور ہوتا ہے تجربوں سے بھی یہی ثابت ہے۔ چنانچہ ہم نے بہت سے مسلمانوں کو دیکھا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ایسی چیزیں مانگتے ہیں جن کے اسباب معدوم ہیں لیکن اللہ تعالیٰ ان کے مطلوب کو پیدا کر دیتا ہے' جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دعا ہی سبب ہے۔

اس مقام پر یہ جاننا ضروری ہے کہ شریعت کی طرف سے حرام کی ہوئی دعا وغیرہ میں سے جن چیزوں کو حصول مطلوب کا سبب سمجھا جاتا ہے ان میں دو چیزوں میں سے ایک ضرور ہوتی ہے۔ اول یہ کہ یا تو وہ صحیح سبب نہیں ہوتا' جیسے کسی ایسے شخص کو پکارنا جو نہ سنتا ہو نہ دیکھتا ہو نہ کچھ فائدہ پہنچا سکتا ہو۔ دوم یہ کہ اس کا نقصان فائدہ سے زیادہ ہو۔

لیکن اگر کوئی چیز صحیح سبب ہے' نیز اس کا فائدہ نقصان کے مقابلہ میں زیادہ ہے تو یہ شریعت میں ممنوع نہیں۔ اس طرح عبادت کی وہ تمام قسمیں جن کے لئے مقتضی موجود تھا اور کوئی رکاوٹ نہ تھی پھر بھی انہیں مشروع نہیں کیا گیا' ممنوع عبادتوں میں داخل ہیں۔

قبر نبوی ﷺ کے پاس دعا

امام احمد وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ نبی ﷺ پر درود و سلام کے وقت اگر قبر کی طرف رخ

کرے تو مناسب ہے لیکن جب دعا کرنا چاہے تو حجرہ مبارکہ کو بائیں طرف کرکے قبلہ کی طرف رخ کرے اور پھر دعا کرے، قبر کے پاس دعا کی ممانعت نہیں ہے، لیکن دعا کے لئے کسی قبر کا قصد کرنا ممنوع ہے۔

امام مالک کے اصحاب کا قول بھی امام احمد کی طرح ہے۔

ائمہ نے یہ بات شاید یہ سوچ کر کہی ہے کہ قبر کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنا چونکہ مکروہ ہے اس لئے دعا کے لئے بھی اس کا رخ کرنا صحیح نہ ہو گا۔

مبسوط میں امام مالکؒ کا یہ قول مذکور ہے کہ نبی ﷺ کی قبر کے پاس کھڑے ہو کر دعا کو میں جائز نہیں سمجھتا۔ آدمی کو سلام کرکے گزر جانا چاہیے۔

حجرہ نبوی کی تعمیر میں بھی اس بات کو ملحوظ رکھا گیا ہے چنانچہ ابن بطر نے عروہ کی ایک روایت ذکر کی ہے جس میں وضاحت ہے کہ پہلے لوگ قبر نبوی کی طرف رخ کرکے نماز پڑھتے تھے، پھر عمر بن عبدالعزیز نے حکم دیا تو دیوار اونچی کر دی گئی تاکہ لوگ نماز میں اس کا رخ نہ کر سکیں۔

مستقل قاعدہ

یہ ایک مستقل قاعدہ ہے یعنی دعا کرنے والے کے لئے اسی چیز کی طرف رخ کرنا صحیح ہے جس کی طرف رخ کرکے نماز پڑھنا صحیح ہو۔ جس طرح مشرق وغیرہ کی طرف رخ کرکے نماز پڑھنے کی ممانعت ہے، اسی طرح اس کی طرف قصداً رخ کرکے دعا کرنا بھی منع ہے۔

بعض لوگ دعا کے وقت کسی ایسی سمت کا قصد کرتے ہیں جس میں کسی نیک آدمی کی قبر ہو، یہ کھلی گمراہی اور واضح شرک ہے۔ اسی طرح بعض لوگ اس سمت میں پیٹھ نہیں کرتے جدھر کوئی نیک آدمی دفن ہو، حالانکہ نبی ﷺ کے گھر اور آپ ﷺ کی قبر کی جانب پیٹھ کر لیتے ہیں اس طرح کی تمام چیزیں ان بدعتوں میں ہیں جن میں نصرانیت کی مشابہت ہے۔

نبی ﷺ پر سلام کے آداب

علماء اسلام نے نبی ﷺ پر سلام کے لئے سنت کی راہ اختیار کی ہے تاکہ وہ صورت نہ

پیدا ہو جس سے نصاریٰ کا اطراء یعنی تعریف میں غلو لازم آئے جس سے حدیث میں روکا گیا ہے۔

امام مالکؒ اہل مدینہ کے لئے اس چیز کو مکروہ سمجھتے تھے کہ وہ جب بھی مسجد میں آئیں تو نبی ﷺ کی قبر پر آ کر سلام پڑھیں۔ وہ فرماتے تھے کہ ان کو ایسا صرف اس وقت کرنا چاہیے جب کسی سفر سے واپس آئیں یا کسی سفر کا ارادہ ہو۔ بعض علماء نے نماز کے لئے مسجد نبوی ﷺ میں داخلہ کے وقت نبی ﷺ پر سلام پڑھنے کی اجازت دی ہے لیکن یہ صورت کسی کے یہاں جائز نہیں ہمیشہ قبر نبوی کا قصد کرے اور وہاں پر سلام پڑھے' یہ میلہ بنانے کی وہی صورت ہے جس سے مسلمانوں کو حدیث میں روکا گیا ہے۔ البتہ مسجد میں داخل ہونے کے بعد السلام علیک ایہا النبی و رحمتہ اللہ و برکاتہ پڑھنا مشروع ہے' جیسے نماز میں پڑھا جاتا ہے بلکہ اگر کسی بھی ایسی جگہ انسان جائے جہاں کوئی نہ ہو تو اسے نبی ﷺ پر سلام بھیجنا مستحب ہے کیونکہ ہر جگہ سے آپ ﷺ کو سلام پہنچایا جاتا ہے۔

قبر نبوی پر آنے کی ممانعت سے امام مالک وغیرہ کا یہی مقصد ہے کہ انسان قبر کو میلہ نہ بنا لے۔ پھر یہ چیز بدعت بھی ہے کیونکہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ' عمر رضی اللہ عنہ' عثمان رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہم کے عہد میں مہاجرین و انصار ہر روز پنجگانہ نماز کے لئے مسجد نبوی میں آتے تھے لیکن کبھی سلام کے لئے قبر نبوی ﷺ پر نہیں آتے تھے کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ نبی ﷺ اسے ناپسند فرماتے تھے البتہ وہ لوگ ہر نماز میں اور مسجد میں داخل ہوتے ہوئے اور اس سے نکلتے ہوئے آپ ﷺ پر سلام بھیجتے تھے جیسا کہ زندگی میں آپ ﷺ پر سلام بھیجتے تھے۔

ابن عمر سے جو اثر مروی ہے اس سے یہی معلوم ہوتا ہے چنانچہ سعید بن منصور نے سنن میں روایت کیا ہے کہ ابن عمر جب سفر سے آتے تھے تو قبر نبوی ﷺ کے پاس آ کر نبی ﷺ' ابو بکر اور عمر پر سلام پڑھتے تھے۔

عبدالرحمٰن بن زید کی یہ روایت ضعیف ہے نافع کی صحیح روایت میں مذکور ہے کہ ابن عمر ایسا ہمیشہ یا اکثر نہیں کرتے تھے۔ بلکہ کبھی کبھی کرتے تھے۔

نقص ایمان کے اثرات

امام مالکؒ کا یہ قول کتنا عمدہ ہے کہ : اس امت کے آخری لوگوں کی اصلاح انہیں

چیزوں سے ہو سکتی ہے جس سے پہلے لوگوں کی اصلاح ہوئی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ قومیں جب انبیاء کی تعلیمات سے دور ہو جاتی ہیں اور ان کے ایمان میں کمی ہو جاتی ہے تو اس کے عوض وہ شرک و بدعت میں مبتلا ہو جاتے ہیں اسی لئے ائمہ نے قبر کے چھونے اور بوسہ دینے کو منع کیا ہے اور ایسی عمارت کھڑی کر دی ہے کہ لوگ قبر کا رخ کر کے نماز نہ پڑھ سکیں۔

حجرہ عائشہ ؓ جس میں نبی ﷺ دفن ہوئے تھے مسجد سے الگ تھا۔ آپ ﷺ کے منبر اور گھر کے مابین روضہ جنت تھا' یہ صورت خلفاء راشدین کے بعد بھی باقی رہی۔ مسجد نبوی ﷺ میں اضافے اور تبدیلیاں ہوئیں لیکن حجرہ نبوی ﷺ اور دوسرے قریب کے حجرے اپنی حالت پر برقرار رہے پھر جب ولید بن عبدالملک نے مسجد نبوی کی تعمیر کی تو اس وقت میں حضرت عمر بن عبدالعزیز ؒ اس کی طرف سے مدینہ کے گورنر تھے۔ انہوں نے ان حجروں کو خرید کر مسجد میں داخل کر دیا اس وقت کے بہت سے علماء مثلاً سعید بن مسیب وغیرہ نے اس چیز کو ناپسند کیا لیکن بعض لوگوں نے اس میں کوئی حرج نہیں سمجھا۔

دعا کے لئے ان مقامات کا قصد مکروہ ہونے کی تیسری وجہ یہ ہے کہ سلف ؒ نے اسے مکروہ سمجھا ہے کیونکہ نبی ﷺ نے قبر کو میلہ بنانے سے منع فرمایا ہے۔

امام احمدؒ وغیرہ سلام کے لئے قبر نبوی کے پاس جانے کی اجازت دیتے تھے لیکن دعا کے وقت قبلہ کا استقبال ضروری قرار دیتے تھے یہی فتویٰ بہت سے متقدمین و متاخرین علماء کا ہے کسی نے بھی دعا کے لئے کسی قبر کے قصد کو جائز نہیں بتایا۔ نبی ﷺ' صحابہ ؓ یا ائمہ میں سے کسی سے بھی اس کی اجازت منقول نہیں۔

کتب دعا

علماء اسلام نے دعا اس کے مقامات اور اوقات کے موضوع پر کتابیں تصنیف کی ہیں' ان میں علماء کے آثار و اقوال مذکور ہیں لیکن کسی قول میں بھی اس بات کی وضاحت نہیں کہ کسی قبر کے پاس جا کر دعا کرنے میں کوئی فضیلت ہے پھر قبروں کے پاس دعا کو بہتر کیسے کہا جا سکتا ہے؟

ہاں تیسری صدی ہجری سے بعض لوگوں کی تحریروں میں ایسی باتیں نظر آنے لگیں کہ

فلاں شخص کی قبر کے پاس دعا قبول ہوتی ہے وغیرہ۔

لیکن اس طرح اقوال کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا' خواہ آدمی اپنے اجتہاد سے ایسا کہے یا کسی کی تقلید میں۔

اس سلسلہ میں مجھے سلف سے کسی رخصت کا علم نہیں' البتہ ابن ابی الدنیا نے کتاب القبور میں انس بن مالک کی ایک روایت ذکر کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جس نے مدینہ میں طلب اجر کے لئے میری زیارت کی میں قیامت کے دن اس کے لئے سفارشی اور گواہ بنوں گا۔

لیکن اس روایت کو علماء نے ضعیف قرار دیا ہے۔

ابن ابی فدیک اپنے بعض اساتذہ سے نقل کرتے ہیں کہ قبر نبوی پر کھڑے ہو کر آیت (**ان اللّٰہ وملائکتہ یصلون علی النبی**) پڑھ کر نبی ﷺ پر ستر بار درود پڑھے تو فرشتہ پکار کر کہتا ہے کہ: اللہ تعالیٰ تجھ پر رحمت نازل فرمائے' پھر ایسے شخص کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

قبر نبوی ﷺ کے پاس دعا کے لئے جانا بے دلیل ہے

ابن ابی فدیک کے اس اثر سے اگر قبر نبوی کا دعا کے لئے قصد مستحب ثابت کیا جائے تو یہ بوجوہ ذیل صحیح نہ ہو گا:

۱۔ ابن ابی فدیک نے مذکورہ اثر کو مجہول شخص سے روایت کیا ہے اور اس نے بھی نامعلوم شخص سے بطور بلاغ ذکر کیا ہے اور اس طرح کی روایت سے کوئی چیز ثابت نہیں ہو سکتی۔

ابن ابی فدیک دوسری صدی ہجری کے متاخر شخص ہیں۔ نہ تو یہ تابعی ہیں نہ مشہور تبع تابعین میں ان کا شمار ہے کہ کہا جائے کہ یہ چیز ابتدائی تین صدیوں میں معروف تھی اس سلسلہ میں صرف یہ جاننا کافی ہے کہ مدینہ کے اہل علم نے اس طرح کی کوئی چیز نقل نہیں کی ہے۔

مذکورہ اثر کے ضعف کی ایک دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو مجھ پر ایک بار درود بھیجے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس بار رحمت نازل فرمائے گا۔

پھر یہ کہنا کیوں کر صحیح ہو گا کہ نبی ﷺ پر ستر بار درود بھیجنے کی جزا یہ ہے کہ کوئی فرشتہ اس پر درود بھیجے۔ ہر سابقہ احادیث سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ کو درود قریب اور دور ہر ایک کی طرف سے پہنچائی جاتی ہے۔

۲۔ مذکورہ قول سے زیارت کے ضمن میں زیارت کرنے والے کے لئے دعا کا استحباب ثابت ہوتا ہے لیکن ہمیں اس سے بحث نہیں کیونکہ ہم خود بتا چکے ہیں کہ مشروع طریقہ پر زیارت کرنے والا اگر زیارت کے ضمن میں دعا کرے تو یہ مکروہ نہیں لیکن سلف سے یہ منقول ہے کہ قبر کے پاس دعا کے لئے کھڑا ہونا مکروہ ہے اور یہی صحیح ہے لیکن یہ صورت ضرور مکروہ ہے کہ وہاں ابتداً" دعا کا قصد کیا جائے اور جب کوئی مسجد نبوی میں داخل ہو کر تحیۃ المسجد پڑھے اور اس کے ضمن میں دعا کرے تو مکروہ نہ ہو گا۔ لیکن اگر کسی خاص مقام یا مسجد کا دعا کے لئے قصد کرے تو یہ ممنوع ہے۔

۳۔ مسجد نبوی کے پاس دعا کی قبولیت شاید اس لئے ہے کہ وہاں آپ ﷺ پر بکثرت درود بھیجی جاتی ہے اور درود کی کثرت بلا شبہ دعا کی قبولیت کا سبب ہے۔

محمد بن حسن ابن زیاد نے اخبار المدینہ میں محمد دراوردی کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے مدینہ کے ایک شخص محمد بن کیسان کو دیکھا کہ وہ جمعہ کے دن عصر پڑھ کر آتے اور قبر نبوی کے پاس کھڑے ہو کر سلام پڑھتے اور شام تک دعا کرتے۔ ہم لوگ ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن کے ساتھ وہاں بیٹھے رہتے تھے' ان لوگوں میں سے بعض نے کہا کہ : دیکھو یہ کیا کر رہے ہیں؟۔ ربیعۃ نے کہا کہ چھوڑو جیسی ان کی نیت ہو ویسا بدلہ پائیں گے۔

لیکن اخبار المدینہ کے یہ مولف محمد بن حسن محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں لیکن ان کی روایتوں سے استیناس جائز ہے۔

واقعہ کے دو پہلو

اس طرح کی حکایت سے دونوں فریق استدلال کرتے ہیں کیونکہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حکایت میں مذکور کام ان کی نظر میں بدعت تھا جس کا صحابہ اور مدینہ کے علماء سے ثبوت نہیں اسی لئے ان لوگوں نے اس پر تعجب کا اظہار کیا اور اسے ناپسند کیا۔

رہا ربیعہ کا یہ کہنا کہ چھوڑو' آدمی کو نیت کا پھل ملتا ہے تو اس سے ان کی یہ مراد ہے

کہ نیک نیت کا ثواب ملنے کی امید ہے خواہ اس کے بعد کا کام مشروع نہ ہو بشرطیکہ ایسا کام کرنے والے کا مقصد شریعت کی مخالفت نہ ہو۔

ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ربیعہ کو نبی ﷺ کی اس حدیث کا علم نہ تھا جس میں قبر نبوی کو میلہ بنانے سے روکا گیا ہے کیونکہ امام احمد نے ان کے بارے میں کہا ہے کہ ان کو آثار و احادیث کا علم کم تھا۔ یا ممکن ہے حدیث معلوم ہو لیکن انہوں نے متعلقہ فعل پر اسے منطبق نہ سمجھا ہو۔

اس طرح کے مسائل میں علماء کا اختلاف ہو سکتا ہے لیکن ضروری ہے کہ کتاب و سنت اور سلف کے عمل کو دلیل بنایا جائے' خود محمد بن الحسن ہی نے سلف سے ایسی روایتیں ذکر کی ہیں جس سے ہمارے قول کی تائید ہوتی ہے' چنانچہ سلمہ بن ورداں کی روایت میں ہے کہ میں نے انس بن مالک کو دیکھا کہ وہ نبی ﷺ پر سلام کے بعد قبر کی دیوار کی طرف پشت ٹیک کر دعا کرتے تھے۔

انس رضی اللہ عنہ مدینہ میں رہتے نہیں تھے' بصرہ سے حجاج وغیرہ کے ساتھ آتے تھے تو قبر نبوی پر آکر سلام پڑھتے تھے لیکن دعا کے لئے قبلہ رخ ہو جاتے تھے اور قبر کو پشت کی جانب کر لیتے تھے۔

محمد بن حسن ہی نے ذکر کیا ہے کہ نبی ﷺ کی قبر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں ہے جو مربع شکل میں کالے پتھروں اور گچ سے بنا ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس پر ایک زاویہ دار عمارت محض اس خیال سے بنا دی کہ لوگ اس گھر کو قبلہ بنا کر مخصوص طور پر اسے سامنے کرکے نماز نہ پڑھنے لگیں کیونکہ انہیں نبی ﷺ کی وہ حدیث معلوم تھی جس میں انبیاء کی قبر کو مسجد بنانے سے روکا گیا ہے۔

قبروں پر دعا اور کرامت

قبر نبوی اور دیگر قبروں سے متعلق بعض کرامتیں اور خوارق عادات مروی ہیں۔ مثلاً سلام کا جواب قبر نبوی سے سنائی دینا یا سعید بن مسیبؒ کا حرۃ کی راتوں میں قبر نبوی سے اذان سننا یا اس کے مثل کوئی دوسرا واقعہ لیکن اس کا ہمارے مبحث سے کوئی تعلق نہیں' ان میں سے صحیح واقعات کو تسلیم کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن اس سے کسی طرح قبروں

کے پاس نماز کا مستحب ہونا یا دعا و قربانی کے لئے ان کے قصد کا مشروع ہونا ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ نبی ﷺ نے ان کاموں سے صراحت کے ساتھ منع فرمایا ہے اور ان کی خرابیوں کو واضح فرمایا ہے۔

۴۔ اگر قبروں کے پاس دعا کی فضیلت و قبولیت کا اعتقاد رکھا جائے تو لازمی طور پر لوگ مخصوص اوقات میں وہاں جا کر اجتماع کریں گے اور اسی سے روکتے ہوئے نبی ﷺ نے فرمایا تھا کہ : میری قبر کو میلہ نہ بنانا اور قبروں کو مسجد بنانے پر یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت بھیجی تھی۔

قبروں پر اجتماع

اسی غلط تصور کا نتیجہ ہے کہ آج لوگ سال کے کسی مہینہ کی کسی متعین تاریخ میں بعض قبروں کے پاس جمع ہوتے ہیں، جس سے محسوس ہوتا ہے کہ یہ اجتماع ان کی نظر میں عرفہ، مزدلفہ اور منیٰ وغیرہ کے اجتماع جیسا ہے بلکہ اور بھی زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔

بعض قبروں پر لوگ دعا اور عبادت کے لئے اسی طرح جاتے ہیں جیسے بیت اللہ کا قصد کیا جاتا ہے۔ یہ فعل ممنوع ہے اس میں کسی مسلمان کا اختلاف نہیں۔

بعض لوگ اس طرح کے سفر کو حج کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ شریعت کے خلاف اس سے بڑھ کر اور کیا جرات ہو سکتی ہے؟

نبی ﷺ نے قبروں کو میلہ بنانے سے منع فرما کر اسی طرح کے اعمال سے منع فرمایا تھا۔

حدیث میں عید کا جو لفظ مذکور ہے اس سے یہ بھی مراد ہے کہ انسان کسی مخصوص وقت میں کسی متعین جگہ کا قصد کرے اور پھر دوسرے سال جب وہ وقت آئے تو پھر وہی قصد کر کے اس جگہ جائے۔ امام احمدؒ نے اسی صورت پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے۔

مصر میں مرحومہ نفیسہ کی قبر کے پاس عراق میں حضرت علی کی مزعومہ قبر کے پاس اور بغداد میں حسین، حذیفہ بن یمان، سلمان فارسی، موسیٰ بن جعفر اور محمد بن علی رحمہم اللہ تعالیٰ کی قبروں کے پاس جو کچھ کیا جاتا ہے وہ سب اس ممنوعہ صورت میں داخل ہے۔ یہی حکم احمد بن حنبل، معروف کرخی اور ابو یزید بسطامی وغیرہ کی قبروں کے پاس عمل میں لائی جانے والی حرکتوں کا بھی ہے۔ آج عالم اسلام میں اس طرح کی اتنی قبریں بنا لی گئیں ہیں کہ

ان کا شمار ممکن نہیں اور ان میں سے بہت سی قبروں پر مسجدیں بھی بنائی گئی ہیں- حتیٰ کہ ابو حنیفہ و شافعی رحمہما اللہ کی قبروں پر بھی مسجدیں تعمیر ہیں-

ہمیں ان ائمہ کی محبت اور نیک اعمال میں ان کی پیروی کا حکم تھا اور یہ کہ ان کے لئے مغفرت و رحمت کی دعا کریں- رہا ان کی قبروں کو میلہ بنانا اور وہاں پر مخصوص اوقات میں اجتماع کرنا تو اس کی حرمت پر تمام مسلمان متفق ہیں اور اس طرح کی نافرمانیوں کی کثرت سے دھوکہ میں نہ پڑنا چاہیے' کیونکہ یہ اہل کتاب سے **تشبہ** کی بات ہے جس میں اس امت کے مبتلا ہونے کا ذکر نبی ﷺ نے فرمایا ہے- اس نوعیت کی خرابیوں کی اصل جڑ یہی عقیدہ ہے کہ قبروں کے پاس دعا کی فضیلت ہے اگر یہ عقیدہ ختم ہو جائے تو ایسے شرکیہ اعمال بھی معدوم ہو جائیں گے-

فصل

قبروں پر اعتکاف اور چادر و غلاف کا بیان

قبروں پر اعتکاف' اس کی مجاورت اور بیت اللہ کی طرح ان پر پردے آویزاں کرنا حرام ہے-

ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ قبر پر مسجد بنانا باتفاق امت حرام ہے اور اگر ایسی مسجد میں مجاورت اور مسجد حرام کی طرح اعتکاف کیا جائے تو یہ اور زیادہ قبیح ہو گا' بعض لوگوں کا تو یہ خیال ہے کہ مسجد حرام سے بھی ان کا اعتکاف بہتر ہے-

بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ عام قبروں پر یا کسی نبی و شیخ کی قبر پر بنائی گئی زیارت گاہوں کی زیارت مسجد حرام کے حج سے زیادہ افضل ہے-

بعض لوگ مدینہ پہنچ کر سمجھتے ہیں کہ مقصود حاصل ہو گیا کیونکہ ان کا تصور یہ ہے کہ قبروں کی زیارت اس لئے کی جاتی ہے کہ وہاں دعا کی جائے اور ان کا وسیلہ پکڑا جائے اور مردہ سے سوال کیا جائے- اگر انہیں معلوم ہوتا کہ اصل مقصود اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس سے سوال و دعا ہے تو مذکورہ خیال دور ہو جاتا اور وہ قبروں کے پاس آ کر مردہ سے سوال و دعا نہ کرتے-

تصور شیخ

بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ ان کے سامنے اس شیخ کی صورت آتی ہے جس سے وہ مدد مانگتے ہیں- یہ حقیقت میں شیطان ہوتا ہے جو ان کو خطاب کرتا ہے جس طرح شیطان بت پرستوں کے ساتھ کرتا ہے-

اس سے بڑی خرابی یہ کہ شیخ کی قبر کے پاس دعا کرتے ہیں اس کے لئے نذر پیش کرتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اس سے ضرورت پوری ہوتی ہے اور مصیبت دور ہوتی ہے- حالانکہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ مشروع نذر سے بھی کوئی فائدہ نہیں حاصل ہوتا اور اسے اللہ تعالیٰ نے ضرورت کے حصول کا سبب نہیں بنایا ہے اب اگر غیر مشروع نذر ایسے ممنوع مقام پر پوری کی جائے تو اس کی خرابی اور زیادہ ہو گی-

قبر والوں کی تکریم

قبر میں جو انبیاء و صلحاء مدفون ہیں وہ خود اپنی قبروں کے پاس ہونے والے کاموں کو پسند نہیں کرتے- جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نصاریٰ کے رویہ کو اور نبی اسرائیل کے انبیاء ان کے رویہ کو ناپسند کرتے ہیں- لہٰذا کسی آدمی کے ذہن میں یہ خیال نہیں آنا چاہیے کہ قبروں کو میلہ یا بت بنانے سے روکنے میں قبر والوں کی توہین ہے بلکہ یہی ان کی اصل عزت و توقیر ہے کیونکہ جب دل بدعتوں سے قریب ہوتے ہیں تو سنتوں سے دور ہو جاتے ہیں اس لئے عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ قبروں کے مجاور ان سنتوں سے غافل ہوتے ہیں جن پر عمل کے لئے صاحب قبر معروض ہوتے ہیں-

انبیاء و صلحاء کی عزت و توقیر کا راستہ یہ ہے کہ انہوں نے جن نیک اعمال کی دعوت دی ہے ان کی پیروی کی جائے تاکہ حدیث کے مطابق ان کو بھی اجر ملے-

درحقیقت دعا اشعار اور سماع جیسی بدعتوں میں لوگوں کے دل اسی وقت پھنستے ہیں جب وہ مشروع عبادتوں کو چھوڑ کر کوئی اور راستہ اختیار کرتے ہیں اگر بندہ صحیح طور پر نماز ادا کرے تو پھر اسے کسی ایسے مبتدعانہ عمل کی ضرورت نہ ہو گی جس میں خیر کا وہم ہو اور اگر وہ اللہ اور رسول ﷺ کے کلام کو دل سے سنے اور اس پر غور و تدبر کرے تو اس کی حلاوت

و برکت سے دوسرے منظوم و منثور کلام سے بے نیاز ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر وہ ہنگام سحر، نمازوں کے بعد اور سجدہ میں دعا کی پابندی کرے تو اسے کسی مبتدعانہ دعا کی حاجت نہ ہو گی۔

اس لئے عقل کا تقاضا ہے کہ بندہ ہر کام میں اتباع سنت کی کوشش کرے اور بدعتوں سے گریز کرے اور قدرت کا اصول ہے کہ خیر کا طالب اسے پاتا ہے اور شر کا فراری اس سے بچایا جاتا ہے۔

تیسری قسم

فصل

انبیاء و صلحاء کے مقامات

انبیاء و صلحاء نے جن جگہوں پر قیام کیا یا جہاں پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کی۔ بغیر ان کو مسجد بنائے ہوئے ان کا قصد کرنے کے سلسلہ میں علماء کے دو قول ہیں۔

ایک یہ کہ ایسے مقامات کا قصد ممنوع و مکروہ ہے کیونکہ عبادت کے لئے کسی جگہ کا قصد اسی وقت کیا جا سکتا ہے جب شریعت نے اس کا حکم دیا ہو۔

دوسرا یہ کہ اس طرح کے معمولی عمل میں کوئی حرج نہیں، جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وہ ان جگہوں پر قصداً" جاتے تھے جہاں کبھی نبی ﷺ خواہ اتفاقاً" ہی تشریف لے گئے ہوں۔

سندی خواتیمی کا قول ہے کہ ہم نے امام احمدؒ سے ان مقامات کے پاس آنے کے متعلق سوال کیا انہوں نے جواب دیا کہ عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے درخواست کی تھی آپ ﷺ ان کے گھر میں نماز پڑھ لیں تاکہ وہ اسی جگہ نماز پڑھا کریں۔ اسی طرح ابن عمر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے آثار قدم کا تتبع کرتے تھے۔ ان دونوں واقعات کی رو سے صحیح اور ثابت شدہ مقامات کا قصد کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن بکثرت ایسا کرنا غلط ہے۔ آج لوگوں کا جو حال ہے اس کو کوئی شخص پسند نہیں کر سکتا۔

امام احمدؒ نے ان مقامات کی تفصیل بتائی ہے جہاں انبیاء و صلحاء کے آثار ہیں لیکن انہیں مسجد نہیں بنایا گیا ہے اور ان مقامات کا بھی ذکر کیا ہے جن کو لوگوں نے میلہ بنا لیا ہے اس بحث میں انہوں نے آثار اور صحابہ کے اقوال کو بھی پیش کیا ہے۔ پھر حضرت عبداللہ بن عمر کا یہ فعل بیان کیا ہے کہ وہ ان مقامات پر نماز ادا کرتے تھے جہاں نبی ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تھا۔ اسے امام احمد نے جائز قرار دیا ہے۔

مکروہ صورتیں

سعید بن منصور نے سنن میں حضرت عمرؓ کی روایت ذکر کی ہے کہ حج سے واپسی میں انہوں نے لوگوں کو ایک مسجد کی طرف لپکتے ہوئے دیکھا' دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ اس میں نبی ﷺ نے نماز ادا فرمائی تھی۔ حضرت عمرؓ نے کہا اسی طرح تم سے پہلے والے اہل کتاب ہلاک ہوئے۔ انہوں نے انبیاء کے آثار کو عبادت گاہ اور گرجا بنا لیا۔ جس مقام پر نماز کا وقت ہو جائے نماز پڑھ لے اور اگر وقت نہ ہو تو آگے بڑھ جائے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس درخت کو کاٹنے کا حکم دے دیا۔ جس کے نیچے حدیبیہ کے موقع پر لوگوں سے بیعت کی گئی تھی کیونکہ لوگ وہاں جانے کو مشروع عمل سمجھنے لگے تھے۔

زیارت گاھوں کی حاضری

اس سلسلہ میں علماء کے اقوال میں اختلاف ہے امام مالکؒ اور مدینہ کے دوسرے علماء ایسی مسجدوں اور قباء واحد کے علاوہ مدینہ کے دوسرے آثار کی زیارت کو مکروہ سمجھتے ہیں۔ سفیان ثوریؒ جب بیت المقدس گئے تو وہاں نماز ادا کی لیکن آثار کی نہ تو جستجو کی نہ ان میں نماز ادا کی۔ ان کی دلیل حضرت عمرؓ کا مذکورہ موقف تھا اور یہ کہ مقبروں میں نماز کی ادائیگی ان کو میلہ بنانے کا ذریعہ ہے اور اس میں اہل کتاب کی مشابہت ہے۔

اور اس سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن عمر کے جس موقف کا ذکر کیا جاتا ہے اس سے دیگر صحابہ نے اتفاق نہیں کیا تھا۔ چنانچہ خلفاء راشدین یا کسی اور صحابی سے یہ منقول نہیں کہ وہ نبی ﷺ کے اترنے کی جگہوں پر قصداً" گئے۔

اور جمہوری صحابہ کا موقف ہی صحیح ہے کیونکہ نبی ﷺ کی پیروی آپ ﷺ کے حکم یا پھر آپ کے فعل کی پیروی سے ہو سکتی ہے۔ یعنی اگر آپ ﷺ نے کسی جگہ پر عبادت کا قصد کیا ہو تو وہاں پر عبادت کا قصد آپ ﷺ کی پیروی ہو گی لیکن اگر آپ ﷺ کسی مقام پر اتفاقاً" اترے ہوں اور وہاں کا مخصوص طور پر قصد نہ کیا ہو تو اس کا قصد اتباع نہ کہلائے گا۔

کچھ دوسرے علماء نے مذکورہ آثار و مشاہد کی زیارت کو مستحب مانا ہے لیکن امام احمدؒ نے صرف ان آثار کی زیارت کی رخصت دی ہے جن کے متعلق کوئی اثر وارد ہے اور ان کو میلہ بنانے کا اندیشہ نہیں۔

صحیحین کی ایک حدیث میں مذکور ہے کہ عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے درخواست کی کہ آپ ﷺ میرے گھر میں کسی جگہ نماز ادا فرما دیں تاکہ میں اسے مسجد بنا لوں۔ آپ ﷺ نے اسے منظور فرما کر ایک مقام پر نماز ادا فرمائی۔

اس حدیث سے صرف اتنی بات ثابت ہوتی ہے کہ نبی ﷺ کے نماز ادا فرمانے کی جگہ مسجد بنانا مستحب ہے اور جہاں آپ ﷺ نے نماز ادا فرمائی وہاں نماز ادا کرنا صحیح ہے۔ لیکن اگر کسی مقام پر آپ ﷺ نے اتفاقاً" نماز ادا فرمائی اور وہاں مسجد بنانے کی ضرورت نہیں ہے تو ایسی کسی جگہ پر نماز کے لئے اصرار کا کوئی فائدہ نہیں اور نہ یہ چیز مشروع ہے۔

نبی ﷺ کی دعا و نماز کی جگہ

نبی ﷺ نے جس مقام پر نماز یا دعا کا قصد فرمایا ہو اس کا اسی کے لئے قصد سنت ہے اور اس میں آپ ﷺ کی پیروی ہے چنانچہ صحیحین کی روایت میں ہے کہ مسلمہ بن اکوع مسجد نبوی کے ایک ستون کے پاس نماز پڑھتے تھے۔ پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ نبی ﷺ یہاں پر بالقصد نماز ادا فرماتے تھے۔ اس لئے میں بھی ایسا کرتا ہوں۔

بعض مصنفین نے اسے مختلف فیہ مان کر پہلی قسم کے برابر کر دیا ہے لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ جب نبی ﷺ سے کسی جگہ کا قصد و تحری ثابت ہے تو امتی کے لئے اس کا قصد مستحب ہو گا۔ البتہ مسجد میں کسی ایسی جگہ سے مانوس ہو جانا کہ صرف وہیں نماز پڑھے منع ہے۔

فعل نبوی ﷺ کا اتباع

مباح کاموں میں سے اگر کوئی کام نبی ﷺ نے کسی سبب سے کیا ہو اور ہم اس کام کو کسی سبب کے بغیر محض آپ ﷺ کی مشابہت میں انجام دیں تو اس سے متعلق علماء کی رائے مختلف ہے۔ بعض نے اسے مستحب مانا ہے اور بعض نے نہیں۔ اسی سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے فعل کا حکم بھی معلوم ہو جاتا ہے۔ نبی ﷺ نے جن مقامات پر نماز پڑھی تھی اس کا سبب یہ تھا کہ وہاں آپ ﷺ نے منزل کی تھی۔ ان مقامات میں کسی خصوصیت کے باعث ایسا نہیں ہوا تھا۔ اب اگر کوئی دوسرا مسافر اس راستہ سے جائے اور اسی منزل پر نزول کرے اور نماز کے وقت میں وہاں نماز ادا کرے تو یہ سنت ہو گی۔

لیکن جن مقامات پر نبی ﷺ نے اتفاقاً" نماز ادا فرمائی وہاں بالقصد جا کر نماز ادا کرنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی بھی صحابی سے منقول نہیں۔ حالانکہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ' عمر رضی اللہ عنہ' عثمان رضی اللہ عنہ' علی رضی اللہ عنہ اور مہاجرین و انصار میں سے سابقین اولین اسی راستہ سے حج و عمرہ کے لئے جاتے تھے۔ لیکن کوئی بھی نبی ﷺ کی نماز کی جگہ بالقصد جا کر نماز نہیں ادا کرتا تھا۔ اگر یہ کام مستحب ہوتا تو سب سے پہلے وہی لوگ اسے کرتے کیونکہ ان کے اندر سنت کی اتباع کا جذبہ ہم سے زیادہ تھا اور نبی ﷺ نے خلفاء راشدین کی سنت کو بھی ہمارے لئے ضروری قرار دیا ہے۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ ایسے کسی مقام کا قصد خلفاء راشدین کی سنت نہیں اور قاعدہ یہ ہے کہ صحابی کے قول کی جب کسی دوسرے صحابی کے قول سے مخالفت ہو جائے تو پھر اس کی حجیت باقی نہیں رہتی اور اگر کسی صحابی کا قول تمام صحابہ کے قول سے منفرد ہو تو بدرجہ اولیٰ اس میں حجیت نہ ہو گی۔

مذکورہ نوعیت کی کسی جگہ پر نماز کا قصد اس لئے بھی مستحسن نہیں معلوم ہوتا کہ اس طرح اسے آدمی مسجد بنا لے گا اور اہل کتاب کی مشابہت لازم آئے گی جو شرک تک پہنچا دے گی۔ نبی ﷺ نے سورج کے طلوع و غروب کے وقت نماز سے اور قبروں کو مسجد بنانے سے منع فرما کر اسی چیز کو ختم فرمایا تھا۔ لہٰذا جب شرک کی راہ روکنے کے لئے ایسی جگہ اور ایسے وقت میں مشروع نماز سے بھی منع فرما دیا گیا ہے تو جن مقامات پر اتفاقاً" آپ ﷺ نے نماز ادا فرمائی ہے ان سے کیوں کر نہ روکا جائے؟ اگر کسی ایسی جگہ کے قصد کو جائز مان لیا گیا تو پھر غار حراء اور غار ثور کی زیارت اور وہاں پر نماز کی ادائیگی کو بھی مستحب ماننا پڑے گا اور

یہی حال ان تمام مقامات کا ہو گا جہاں انبیاء نے کسی بھی وقت قیام کیا۔

پھر اس سے وہی خرابیاں پیدا ہوں گی جو قبروں سے پیدا ہو چکی ہیں ہر آدمی آ کر کہے گا کہ یہ فلاں نبی یا ولی کی قبر ہے پھر لوگ اسے مسجد بنا لیں اور وہ اللہ کے علاوہ پوجا جانے والا بت ہو جائے گا۔ یہ ایسا شرک ہو گا جس کی بنیاد جھوٹ پر ہو' قرآن میں اللہ تعالیٰ نے شرک و کذب کو اسی طرح اکٹھا ذکر کیا ہے جیسے صدق و اخلاص کو۔ اسی وجہ سے نبی ﷺ نے صحیح حدیث میں جھوٹی شہادت کو شرک باللہ کے برابر قرار دیا اور یہ آیت تلاوت فرمائی :

(فاجتنبوا الرجس من الاوثان' واجتنبوا قول الزور حنفاء لله غير مشركين به) الحج ۳۰'۳۱

(تو بتوں کی گندگی سے بچتے رہو اور جھوٹ بولنے والوں سے بچے رہو' خالص خدا کے تابعدار ہو رہو' اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو)۔

اس طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

(اور جس دن اللہ مشرکوں کو پکارے گا فرمائے گا : میرے شریک کہاں ہیں یعنی وہ جن کو تم میرا شریک سمجھتے تھے اور اس دن ہم ہر امت میں سے ایک گواہ نکالیں گے۔ پھر ہم فرمائیں گے تم اپنی صفائی کی سند پیش کرو تب وہ جان لیں گے کہ سچا اللہ اللہ ہی تھا اور جن کو وہ اللہ سمجھتے تھے ان کا پتہ ہی نہ ہو گا)۔

دوسری جگہ ارشاد ہے :

(کیا اللہ کو چھوڑ کر تم ان جھوٹے خداؤں کے پیچھے لگے ہو؟) الصافات ۸۶

ایک مقام پر ارشاد ہے :

(اس کتاب کا اتارنا اللہ کی طرف سے ہے جو عزت و حکمت والا ہے ہم نے یہ کتاب سچائی کے ساتھ تجھ پر اتاری' پس اللہ کو پوجتا رہ اور خالص اسی کی بندگی کر' سن لے خالص اللہ ہی کی بندگی کرنا چاہیے اور جن لوگوں نے اللہ کے سوا دوسروں کو اپنا حمایتی بنایا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم ان کو اس لئے پوجتے ہیں کہ ہم کو اللہ سے نزدیک کریں' بے شک یہ لوگ جن باتوں میں اختلاف کرتے ہیں ان کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کر دے گا۔ بے شک جو جھوٹا نا شکرا ہے اللہ اس کو راہ پر نہیں لگاتا)۔

ایک جگہ ارشاد ہے :

(بے شک جو لوگ بچھڑا لے بیٹھے ان پر ان کے مالک کا غضب اترے گا اور دنیا ہی کی زندگی میں ذلیل ہوں گے اور ہم جھوٹ باندھنے والوں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں)

ابو قلابہؒ کا قول ہے کہ اس آیت کی وعید قیامت تک امت کے ہر بدعتی کے لئے ہے اور ان کا یہ قول صحیح ہے اس لئے کہ کذب و افتراء کرنے والے ہمیشہ اس ذلت و غضب کا شکار رہتے ہیں جن کی وعید اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے۔

شرک و بدعت اور کذب و افتراء

شرک و بدعت کی بنیاد کذب و افترا پر ہے اسی لئے انسان توحید و سنت سے جس قدر دور ہوتا ہے اسی قدر شرک و بدعت سے قریب ہوتا ہے۔ اس کی واضح مثال رافضہ ہیں جو ہوا پرست جماعتوں میں سب سے بڑے جھوٹے اور مشرک ہیں ان سے بڑھ کر نہ کوئی جھوٹا ہے نہ توحید سے دور۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ کے ذکر کے لئے بنائی گئی مسجدوں کو یہ لوگ ویران و بیکار چھوڑ کر قبروں پر تعمیر شدہ زیارت گاہوں کو آباد کرتے ہیں جن سے اللہ اور رسول ﷺ نے روکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسجدوں کو آباد کرنے کا حکم فرمایا ہے لیکن زیارت گاہوں کے بارے میں ایسا حکم نہیں دیا ہے۔ ایک آیت میں ارشاد ہے :

(اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ کی مسجدوں میں اس کا نام لینے سے روکے اور ان کو اجاڑنا چاہے)۔ البقرة ۱۱۴

اس آیت میں اور اسی طرح سورہ اعراف کی آیت ۲۹ اور سورہ توبہ کی آیت ۱۷ میں اللہ تعالیٰ نے مسجد کا لفظ استعمال فرمایا ہے اور انہیں اپنی طرف منسوب کرکے "مساجد اللہ" فرمایا ہے لیکن کسی مقام پر بھی زیارت گاہوں کو اپنی طرف منسوب کرکے "مشاہد اللہ" نہیں کہا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مشاہد کو وہی لوگ آباد رکھتے ہیں جو غیراللہ سے ڈرتے اور ان سے امیدیں باندھتے ہیں اور جن کی زندگی شرک و بدعت سے داغدار ہوتی ہے۔

مساجد کی آبادی سے متعلق ایک مقام پر ارشاد ہے :

(ان گھروں میں جن کی تعظیم کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور ان میں اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر ہوتا ہے۔ وہاں صبح و شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح وہ لوگ کرتے ہیں جن کو کوئی سوداگری اور مول تول اللہ تعالیٰ کی یاد سے اور نماز درستی کے ساتھ ادا کرنے سے اور زکوٰۃ

دینے سے غافل نہیں کرتی وہ اس دن سے ڈرتے ہیں جس دن مارے ڈر کے دل اور آنکھیں الٹ جائیں گے تاکہ اللہ ان کو ان کے عملوں کا اچھے سے اچھا بدلہ دے اور اپنے فضل سے ان کو زیادہ عطا فرمائے اور اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے)۔

تعمیر کا حکم مساجد کے لئے نہ کہ مقابر کے لئے

سورہ جن کی آیت ۱۸ میں اللہ تعالیٰ نے مساجد کو اپنے لئے بتایا ہے۔ اس طرح صحیح حدیث میں اللہ کے لئے مسجد بنانے کا اجر جنت کو قرار دیا گیا ایک حدیث میں یہ ذکر ہے کہ آدمی اگر مسجد میں نماز پڑھے تو یہ گھر اور بازار کی نماز سے پچیس گنا افضل ہے۔

ان تمام نصوص میں مساجد کی آبادی اور ان میں نماز پڑھنے کا حکم موجود ہے لیکن کسی بھی جگہ کسی نبی یا غیر نبی کی قبر پر زیارت گاہ بنانے کا حکم نہیں اور نہ صحابہ' تابعین و تبع تابعین کے عہد میں حجاز' شام' یمن' عراق' خراساں' مصر' مراکش یا کسی اور مسلم ملک میں اس طرح کی کسی زیارت گاہ کے وجود کا ثبوت ہے نہ کسی کے ایسی زیارت گاہ پر جانے کا ذکر۔ سلف میں سے کوئی بھی کسی نبی یا غیر نبی کی قبر پر دعا کے لئے نہ گیا اور نہ خود صحابہ رضی اللہ عنہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی اور نبی کی قبر پر گئے۔ البتہ ان کا طریقہ یہ تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ پر صلاۃ و سلام پڑھتے تھے۔

ائمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں دعا کرے تو قبر کی طرف رخ کرکے دعا نہ کرے۔ ہاں اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجنا ہو تو امام مالک و امام احمد کے یہاں قبر کی طرف رخ کر سکتا ہے' امام شافعی کے اصحاب نے بھی ایسا ہی ذکر کیا ہے لیکن امام ابو حنیفہ کا قول ہے کہ درود و سلام بھیجتے وقت بھی قبلہ ہی کی طرف رخ کرنا چاہیے۔

اسماعیل بن اسحاق اور قاضی عیاض نے امام مالک کا یہ قول نقل کیا ہے کہ: میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس کھڑے ہو کر دعا کو جائز نہیں سمجھتا۔ آدمی کو سلام پڑھتے ہوئے گزر جانا چاہیے۔ لوگوں نے امام مالک سے ذکر کیا کہ مدینہ کے کچھ لوگ سفر کے بغیر بھی قبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر سلام اور دعا کرتے ہیں ایسا وہ دن میں ایک بار یا اس سے زیادہ کرتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ اپنے شہر کے کسی فقیہہ سے متعلق مجھے کسی ایسی بات کا علم نہیں اور اس امت کے بعد والے اسی چیز سے سدھر سکتے ہیں جس سے پہلے کے لوگ سدھر چکے

ہیں۔ صدر اول کے لوگوں سے منقول نہیں کہ وہ ایسا کرتے تھے۔

ائمہ مسلمین میں سے کسی نے بھی اس بات کو مستحب نہیں قرار دیا ہے کہ آدمی قبر نبوی ﷺ کو سامنے کرکے دعا کرے بلکہ صلاۃ و سلام کے وقت قبر کی طرف منہ کرنے کو مستحب بتایا ہے لیکن جب دعا کرنا ہو تو قبلہ کا استقبال ضروری ہے۔

خلیفہ منصور کا واقعہ

خلیفہ ابو جعفر منصور کا امام مالک کے ساتھ ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے جس میں امام مالک نے ابو جعفر سے کہا کہ دعا کے وقت قبر نبوی ﷺ کا استقبال کرکے شفاعت طلب کرنا چاہیے اور اس سلسلہ میں سورہ نساء کی آیت ۶۴ سے استدلال کیا ہے کہ جب لوگ اپنے اوپر ظلم کریں تو انہیں رسول ﷺ کے پاس آکر استغفار کرنا چاہیے۔

یہ واقعہ بلا شبہ غلط اور موضوع ہے کیونکہ اس میں امام مالک کے معروف مذہب کے خلاف قبر کے پاس دعا کا ذکر ہے اور اگر اس واقعہ کو صحیح مانا جائے تو یہ تاویل ضروری ہو گی کہ امام مالک نے سلام و درود کے لئے قبر کی طرف رخ کرنے کو مستحب کہا ہے اور درود و سلام کو دعا کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ لہٰذا امام مالک کی طرف منسوب جس دعا کو مستحب مانا جاتا ہے وہ خود صاحب قبر کے حق میں دعا ہے جیسا کہ عام قبرستان کی زیارت کے وقت آدمی مردوں کے لئے دعا کرتا ہے۔ اسی طرح امام مالک کے اقوال کے مابین تطبیق ہو سکتی ہے اور مستحب و مکروہ دعاؤں کے مابین فرق کیا جا سکتا ہے۔

اور سورہ نساء کی آیت ۶۴ کا جو ذکر مذکورہ واقعہ میں ہے وہ بلا شبہ بے موقع ہے کیونکہ ائمہ میں سے کسی نے بھی اس سے یہ نہیں سمجھا ہے کہ موت کے بعد نبی ﷺ سے استغفار یا کسی اور چیز کی طلب کی اجازت ہے بلکہ آپ ﷺ کی تمام تعلیمات و ارشادات اس کے خلاف ہیں۔

اعرابی کا واقعہ

ایک اعرابی کے متعلق منقول ہے کہ اس نے نبی ﷺ کی قبر کے پاس آکر دو شعر پڑھے اور آپ ﷺ کو مخاطب کیا۔

اس سے بعض متاخرین شوافع اور حنابلہ نے استحباب پر استدلال کیا ہے لیکن یہ استدلال بالکل غلط ہے کیونکہ اگر اس طرح کا کام مندوب و مستحب ہوتا تو صحابہ کو اس کا ضرور علم ہوتا اور وہ خود بھی ایسا کرتے۔

اگر اس طرح کا کام کرنے والے کسی شخص کی ضرورت پوری ہو جائے تو بھی اس کام کی مشروعیت ثابت نہیں ہو سکتی' کیونکہ ضرورت پوری ہونے سے اس کے سبب کی مشروعیت لازم نہیں آتی۔ سوال حرام تھا' اسی لئے آپ ﷺ نے فرما دیا تھا کہ : بعض لوگ جنہیں میں عطیہ دیتا ہوں بغل میں جہنم کی آگ لے کر واپس جاتے ہیں۔ لوگوں نے پوچھا کہ پھر آپ ﷺ ایسے شخص کو دیتے کیوں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بخل میرے لئے زیبا نہیں' مجھ سے جو مانگے گا اسے ضرور دوں گا۔

بدعت والی بہت سی عبادتوں میں بھی کسی نہ کسی نوعیت کا فائدہ ہوتا ہے لیکن اس فائدہ کی بنا پر ان عبادتوں کو مشروع قرار دینا غلط ہے۔ مجتہد اپنے اجتہاد میں غلطی کرتا ہے تو بھی اسے ثواب ملتا ہے لیکن اس کی غلطی کی پیروی کی اجازت نہیں۔

امام مالک کے قول کی اہمیت

امام مالکؒ اس طرح کے مسائل سے دوسروں سے زیادہ واقف تھے کیونکہ وہ مدینہ میں مقیم ہونے کی وجہ سے تابعین و تبع تابعین کے فعل سے واقف تھے صحابہ اور اکابر تابعین سے جو کچھ وہ نقل کرتے تھے اسے سنتے تھے۔ اس کے بعد بھی وہ قبر نبوی ﷺ کے پاس دعا کے لئے کھڑے ہونے سے روکتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سلف نے ایسا نہیں کیا۔

ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگ قحط میں مبتلا ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ذریعہ بارش کی دعا کی اور دعا میں کہا کہ : اے اللہ پہلے ہم نبی ﷺ کے ذریعہ بارش کی دعا مانگتے تھے تو بارش دیتا تھا اور اب ہم آپ ﷺ کے چچا کے ذریعہ دعا کرتے ہیں' تو ہمیں سیراب کر' اس پر اللہ تعالیٰ انہیں سیراب کرتا تھا۔ (صحیح بخاری)

اس حدیث میں جو واقعہ مذکور ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم خشک سالی کے موقع پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی دعا اور شفاعت کا وسیلہ اختیار کرتے تھے' تو وہ ان کے لئے دعا کرتے تھے اور صحابہ خود بھی دعا کرتے تھے۔ جس طرح امام اور مقتدی دعا کرتے ہیں۔

اس لئے فقہاء کا قول ہے کہ : دیندار اور صاحب خیر لوگوں کے ذریعہ اللہ سے بارش کی طلب مستحب ہے اور افضل یہ ہے کہ وہ شخص اہل بیت نبوی سے ہو۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید بن اسود جرشی کے ذریعہ بارش کی دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اسے قبول فرمایا۔

یہ ثابت نہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کوئی شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یا کسی اور شخص کی قبر پر گیا ہو اور وہاں پر بارش کے لئے دعا کی ہو یا اس کے واسطہ سے دعا کی ہو۔ البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجنا ثابت ہے اور ایک صحیح حدیث میں مذکور ہے کہ جو شخص مجھ پر ایک بار درود بھیجے گا اس پر اللہ تعالیٰ دس بار رحمت نازل فرمائے گا۔

زیارت قبور کا مشروع طریقہ

انبیاء، صلحاء اور دیگر مومنوں کی قبروں کی زیارت کے وقت جو بات مشروع ہے وہ جنازہ کے وقت مشروع عمل جیسی ہے نماز جنازہ کا مقصد میت کے حق میں دعا ہے اور یہی مقصد قبروں کی زیارت سے بھی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو زیارت قبر کے وقت جو دعا سکھائی تھی وہ یہ ہے :

السلام علیکم اهل د ار قوم مومنین، وانا ان شاء اللّٰه بکم لا حقون، ویرحم اللّٰه المستقد مین منا و منکم و المستاخرین، نسئال اللّٰه لنا ولکم العافیة، اللّٰہم لا تحرمنا اجرهم، ولا تفتنا بعد هم واغفرلنا ولهم۔

(مومنو! تم پر سلامتی ہو، ہم بھی تم سے ملیں گے جو پہلے فوت ہوئے اور جو بعد میں فوت ہوں گے سب پر اللہ رحم فرمائے ہم اللہ سے تمہارے اور اپنے لئے عافیت طلب کرتے ہیں۔ اے اللہ ہمیں ان کے اجر سے محروم نہ فرما، ان کے بعد ہمیں آزمائش میں نہ ڈال، ہمیں اور ان کو بخش دے)۔

اسی طرح جنازہ کی بھی دعا ہے اس میں میت کے لئے رحمت و مغفرت کی دعا ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کے حق میں نماز اور قبر پر کھڑے ہونے سے منع فرمایا ہے جس سے بطریق تعلیل یہ سمجھا جاتا ہے کہ مومن کے اوپر نماز پڑھی جائے گی اور اس کی قبر پر کھڑا ہوا جائے گا۔ سنن میں وارد ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مردہ کو دفن فرماتے تو قبر پر

کھڑے ہو کر فرماتے کہ اس کے لئے ثبات کی دعا کرو' اس وقت اس سے سوال ہوتا ہے۔
لیکن قبر کی زیارت سے کہیں بھی یہ مقصود نہیں کہ مردہ سے سوال کیا جائے اس کے واسطے سے اللہ پر قسم کھائی جائے اور یہ یقین کہ وہاں دعا قبول ہوتی ہے۔ ایسا نہ تو صحابہ ﷺ نے کیا نہ تابعین نے امام مالک تو یہ کہنا بھی ناپسند کرتے تھے کہ "ہم نے قبر نبوی کی زیارت کی"۔

زیارت قبور سے متعلق احادیث کی حیثیت

نبی ﷺ سے کسی مخصوص قبر کی زیارت کی بابت کوئی ایک حدیث بھی ثابت نہیں۔ اس طرح کی کوئی حدیث صحاح' سنن اور مسانید کے مصنفین نے ذکر نہیں کی ہے اس سلسلہ کی سب سے اہم حدیث دار قطنی نے روایت کی ہے۔ لیکن اہل علم نے متفقہ طور پر اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

ایک حدیث میں ہے : **من زارنی و زار ابی ابراہیم الخلیل فی عام واحد ضمنت له علی اللّٰه الجنة** یعنی ایک ہی سال میں میری اور ابراہیم خلیل کی زیارت کرنے والے کے لئے میں اللہ کے نزدیک جنت کا ذمہ دار ہوں۔

ایک حدیث میں ہے کہ : جس نے موت کے بعد میری زیارت کی گویا اس نے زندگی میں میری زیارت کی۔

ایک حدیث میں ہے : جس نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی اس نے مجھ پر ظلم کیا۔

اس طرح کی تمام حدیثیں بناوٹی اور جھوٹ ہیں البتہ نبی ﷺ سے قبروں کی زیارت کے سلسلہ میں رخصت ثابت ہے آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں نے تمہیں زیارت قبر سے روک دیا تھا اب اجازت دیتا ہوں کیونکہ اس سے آخرت کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ نبی ﷺ نے اپنی ماں کے لئے اللہ تعالیٰ سے استغفار کی اجازت مانگی تھی لیکن نہ ملی اور ان کی قبر کی زیارت کی اجازت مانگی تو مل گئی۔

نبی ﷺ سے یہ بھی منقول ہے کہ آپ ﷺ بقیع کے قبرستان میں جا کر مردوں کے لئے دعا فرماتے تھے۔

آپ ﷺ نے ایک حدیث میں فرمایا کہ : اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت فرمائے انہوں

نے انبیاء کی قبروں کو مسجد بنا لیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ اگر اس طرح کا خوف نہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کھلی رکھی جاتی۔

صحیح حدیث میں مذکور ہے کہ حبشہ کی سر زمین میں ایک گرجا تھا جس میں خوبصورت تصویریں تھیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان میں سے کوئی نیک آدمی مر جاتا تھا تو اس کی قبر پر مسجد بنا لیتے تھے اور اس میں اسی طرح کی تصویریں رکھ دیتے تھے' قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی نظر میں یہ سب سے بدتر ہوں گے۔

صحیح مسلم میں جندب بن عبداللہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وفات سے پانچ روز پہلے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ خبردار تم سے پہلے والے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجد بنا لیتے تھے' خبردار تم قبروں کو مسجد نہ بنانا' میں تمہیں اس سے روکتا ہوں۔

سنن میں ہے کہ: میری قبر کو میلہ نہ بناؤ اور جہاں رہو وہیں سے مجھ پر درود بھیجو' تمہاری درود مجھ کو پہنچتی ہے۔

موطا وغیرہ میں ہے کہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی کہ اے اللہ میری قبر کو بت نہ بنا جس کی پرستش کی جائے ان لوگوں پر اللہ کا سخت غضب ہوا جنہوں نے انبیاء کی قبروں کو مسجد بنا لیا۔

مسند احمد اور صحیح اس خیال میں ابن مسعود سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: سب سے بدتر لوگ وہ ہیں جن کی زندگی میں قیامت آئے اور وہ لوگ بھی جو قبروں کو مسجد بنا لیں۔

قبروں کو مسجد بنانے سے روکا گیا ہے یہ الگ چیز ہے اور قبروں کی زیارت اور مردوں کے لئے دعا کا جو حکم ہے وہ ایک دوسری چیز ہے۔ قبروں کو مسجد بنانے سے روکا گیا ہے اس سے یہ بھی سمجھا جاتا ہے کہ قبروں پر مسجد کی تعمیر منع ہے اور وہاں پر نماز کا قصد نہیں کیا جائے گا۔

علماء کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ قبروں کے پاس نماز و دعا کا قصد مشروع نہیں۔ مسلمانوں کے ائمہ میں سے کسی امام سے منقول نہیں کہ قبر کے پاس کی دعا اور نماز افضل ہے بلکہ متفقہ طور پر سب کا فیصلہ ہے کہ بے قبر والی مسجدوں کی نماز و دعا قبر والی مسجدوں کی نماز و دعا سے افضل ہے' بلکہ قبر والی مسجدوں میں نماز و دعا سے روکا گیا ہے اور بہت سے

لوگوں نے ایسی نماز کو حرام کہا ہے بلکہ ایسی نماز کو باطل قرار دیا ہے۔

سلف میں سے کسی سے بھی منقول نہیں کہ ان میں سے کسی نے انبیاء و صلحاء کے مقامات کا قصد کیا البتہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی بابت گزر چکا ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نزول اور نماز کی جگہوں پر بقصد اترتے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم جیسا فعل کرتے تھے لیکن ان مقامات کا نماز و دعا کے لئے قصد کرنا ان سے بھی منقول نہیں۔

اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی تین صورتیں

اس موضوع پر گفتگو تین مسائل میں منحصر ہے۔

پہلا مسئلہ

یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کی صورت میں کیا جائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصد کو جاننے کی کوشش نہ کی جائے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کا سبب موجود نہ ہوتے ہوئے اس فعل کو کیا جائے۔ اس بارے میں نزاع مشہور ہے ابن عمر رضی اللہ عنہ اس فعل کے بجا لانے کے قائل ہیں لیکن دوسرے لوگ اس کے مخالف ہیں تمام مہاجرین و انصار سے منقول ہے کہ وہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی طرح ہر فعل میں قصد و سبب جانے بغیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع نہیں کرتے تھے۔

اگر سفر میں کوئی شخص یہ قصد کرے کہ جس مقام پر اتر کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی وہاں پر نماز کا وقت آنے پر وہ بھی نماز پڑھے تو یہ الگ صورت ہے۔

دوسرا مسئلہ

یہ ہے کہ نماز کے وقت کے بغیر نماز کے لئے اس مقام کا قصد کرے' بلکہ اسی مقام کی وجہ سے نماز و دعا کو عمل میں لائے۔ یہ صورت نہ تو ابن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے نہ کسی اور شخص سے' لیکن بعض لوگوں کا دعویٰ ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ایسا کیا ہے بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس کی ممانعت ثابت ہے اور مہاجرین و انصار سے بہ تواتر ثابت ہے کہ انہوں نے ایسا نہیں کیا اب اگر ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کسی ایسے فعل کا صدور مانا جائے تو وہ خود ان کے باپ اور

مہاجرین و انصار کے خلاف حجت ہو گا اور ایسا تصور ان کے حق میں محال ہے۔

تیسرا مسئلہ

یہ ہے کہ وہ مقام اس کی راہ میں نہ واقع ہو لیکن وہ راستہ بدل کر وہاں جائے اور اس کے لئے مختصر یا لمبا سفر کرے' مثلاً کوئی شخص نماز اور دعا کے لئے غار حراء کو جائے یا کوہ طور پر جائے جہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے کلام کیا تھا اور وہاں نماز پڑھے اور دعا کرے یا ان پہاڑوں اور جگہوں کا قصد کرے جہاں انبیاء کے مقامات بتائے جاتے ہیں۔

جو لوگ نبی ﷺ اور صحابہ کے احوال سے باخبر ہیں وہ جانتے ہیں کہ ان میں کسی نے ایسا نہیں کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی صحیح حدیث میں مروی ہے کہ نبی ﷺ نبوت سے قبل غار حراء میں جاتے تھے اور وہاں عبادت کرتے تھے اور اسی حالت میں وہاں آپ ﷺ پر پہلی وحی آئی۔ پھر آپ ﷺ تیرہ سال تک مکہ میں مقیم رہے لیکن یہ ثابت نہیں کہ کبھی آپ ﷺ یا آپ ﷺ کے کسی صحابی نے وہاں کا قصد کیا۔ پھر آپ ﷺ ہجرت کرکے مدینہ تشریف لے گئے اور وہاں سے مختلف اوقات میں چار بار عمرہ کے لئے مکہ تشریف لائے۔ چوتھا عمرہ حج و داع کے ساتھ کیا۔ آپ ﷺ کے ساتھ بہت سے مسلمان عمرہ اور حج میں شریک تھے لیکن کوئی بھی غار حراء میں نہیں گیا' نہ مکہ کے آس پاس کسی اور مقام کی زیارت کی۔ عبادت کی جگہ صرف مسجد حرام تھی' صفا و مروہ' منیٰ' مزدلفہ اور عرفات کے مقامات حج کے مناسک کے لئے متعین تھے' عرفہ کے دن آپ ﷺ کا خیمہ نمرہ میں لگایا گیا تھا۔

آپ ﷺ کے خلفاء راشدین کا زمانہ آیا ان میں سے بھی کوئی نماز یا دعا کے لئے غار حراء نہیں گیا۔

قرآن کریم میں غار ثور کا بھی ذکر ہے (اذ هما فی الغار) ہجرت کے موقع پر آپ ﷺ اس میں ٹھہرے تھے لیکن امت کے لئے آپ ﷺ نے اس کی زیارت یا وہاں پر نماز و دعا کو مشروع نہیں فرمایا اور نہ مکہ میں مسجد حرام کے علاوہ آپ ﷺ نے کوئی مسجد بنائی' مولد کی مسجد یا دوسری مسجدیں بعد کی ایجاد ہیں۔ آپ ﷺ نے امت کے لئے اس بات کو بھی مشروع نہیں قرار دیا کہ آپ ﷺ کے مقام پیدائش کی یا منی میں بیعت عقبہ کے مقام کی جہاں مسجد بنائی گئی ہے' زیارت کرے۔

اگر ایسی زیارت مشروع و مستحب اور باعث ثواب ہوتی تو اس کا علم سب سے پہلے نبی ﷺ کو ہوتا پھر اسے آپ ﷺ کے صحابہ جانتے اور اس پر عمل کرتے۔

اور چونکہ وہ لوگ کسی ایسے کام کی جانب متوجہ نہیں ہوتے تھے اس لئے معلوم ہوا کہ اس طرح کے تمام کام بدعت ہیں ان میں نہ تو کوئی ثواب ہے نہ اللہ کا تقرب۔ اگر ان چیزوں کو کوئی شخص عبادت و قربت سمجھے تو وہ صحابہ کے خلاف چلنے والا ہو گا اور دین میں ایسی چیز مشروع بنائے گا جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا ہے۔

اور جب غار حراء کا جس میں نبوت کی ابتداء ہوئی قرآن نازل ہوا اور نبی ﷺ نے وہاں نبوت سے پہلے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی تھی اور غار ثور کا جس کا قرآن میں تذکرہ ہے اور جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے سکینت کا نزول ہوا تھا یہ حکم ہے تو دوسرے انبیاء کے مقامات کا قصد اور ان کی طرف سفر کس طرح مشروع ہو سکتا ہے؟ یہ سوال ان مقامات سے متعلق ہے جن کی انبیاء کی طرف نسبت ثابت ہے لیکن جس مقامات کی نسبت جھوٹ یا مجہول ہے ان سے متعلق تو یہ پوچھنے کی ضرورت بھی نہیں۔

اس کی ایک مثال یہ ہے کہ نبی ﷺ نے حج بیت اللہ کے موقع پر صرف دونوں رکن یمانی کو ہاتھ سے چھوا اور رکن شامی کو نہ چھوا اور بوسہ صرف حجر اسود کا لیا' اس کے علاوہ بیت اللہ کے کسی حصہ کا یا مقام ابراہیم کا نہ تو بوسہ لیا نہ اسے چھوا۔

لیکن ایک بار حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ طواف کر رہے تھے تو معاویہ نے بیت اللہ کے چاروں ارکان کو چھوا اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھ کر کہا کہ نبی ﷺ نے صرف دونوں رکن یمانی کو چھوا تھا' حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بیت اللہ کی کوئی چیز متروک نہیں' ابن عباس نے آیت پڑھی کہ (**لقد كان لكم فى رسول الله اسوة حسنة**) یعنی اللہ کے رسول میں تمہارے لئے نمونہ ہے۔ یہ سن کر حضرت معاویہ نے رجوع کر لیا۔

تمام علماء اس بات پر متفق ہیں کہ مقام ابراہیم کو جس کا ذکر قرآن میں وارد ہے چھونا مشروع نہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

(مقام ابراہیم کو **مصلی** یعنی نماز کی جگہ بنا لو) البقرہ ۱۲

اور مقام ابراہیم کے بارے میں سنت متواترہ اور ائمہ کے اتفاق سے جب اس طرح کی

کوئی بات ثابت نہیں تو اس کا منہ سے چومنا یا ہاتھ سے چھونا مشروع نہ ہو گا اور جب یہ حکم مقام ابراہیم کا ہے تو دوسرے انبیاء کے مقامات کے بارے میں چومنے اور چھونے کی مشروعیت کا دعویٰ کس طرح کیا جا سکتا ہے؟

نبی ﷺ کی نماز کا مقام

نبی ﷺ مدینہ میں جس مقام پر ہمیشہ نماز پڑھتے تھے اور جہاں آپ ﷺ نے مکہ میں نماز پڑھی تھی' سلف میں سے کسی نے بھی کبھی ان میں سے کسی جگہ کا چھونے یا بوسہ لینے کے لئے قصد نہیں کیا' تو جس مقام پر آپ ﷺ کے قدم مبارک پڑے اور جہاں آپ ﷺ نے نماز پڑھی اس جگہ کا چھونا اور بوسہ دینا امت کے لئے مشروع نہیں قرار پایا تو اس قول کی کیا حقیقت ہو گی کہ فلاں مقام پر کسی شخص نے نماز پڑھی ہے یا وہاں سویا ہے؟

قدم رسول ﷺ

نماز کے لئے جس مقام پر نبی ﷺ کے قدم پڑتے تھے اس کا چھونا یا کسی اور طرح کا مخصوص معاملہ کرنا مشروع نہیں تو پھر آپ ﷺ کے جوتوں کے لئے کسی طرح کا اہتمام کیسے مشروع ہو گا؟ اور اگر جوتے کی نسبت میں شبہ ہو تو پھر اس کی حیثیت کیا رہے گی؟ یہی حال اس مقام کا بھی ہو گا جسے قدم رسول ﷺ سے موسوم کیا جاتا ہے' یعنی اس کی نسبت صحیح ہونے کی صورت میں بھی شریعت میں اس کے لئے کسی اہتمام کا ثبوت مشکل ہے۔ قرآن کریم میں مقام ابراہیم کو مصلے بنانے کا حکم ہے' اگر کوئی شخص اسی پر دوسرے مقامات کو قیاس کرے تو اس میں کیا حرج ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ مصلے بنانے کا حکم صرف اسی مقام ابراہیم کو ہے جو مکہ میں کعبہ کے پاس ہے اور مکہ میں مشاعر کو مخصوص احکام کے ساتھ خاص کیا گیا ہے جس طرح بیت اللہ کے لئے طواف مخصوص ہے لیکن ان مقامات پر کسی دوسری جگہ کو قیاس کرنا صحیح نہیں اور جو کام ان مقامات کے لئے مشروع نہیں ہیں وہ دوسرے مقامات کے لئے بدرجہ اولیٰ مشروع نہ ہوں گے۔

قبہ عرفات

عرفات میں ایک قبہ ہے جسے قبہ آدم کہا جاتا ہے علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نماز اور دعا کے لئے اس کا قصد کرنا مشروع نہیں عرفات کی جس پہاڑی کو جبل رحمت کہا جاتا ہے اس پر چڑھنے کی کوئی شرعی حیثیت نہیں' علماء کا اس پر اتفاق ہے۔ مسنون صرف یہ ہے کہ میدان عرفہ میں صخرات کے پاس یا وادی عرنہ کو چھوڑ کر کسی بھی جگہ وقوف کیا جائے اسی طرح وہاں پر جو مسجدیں بنائی گئی ہیں ان کی بھی کوئی علیحدہ خصوصیت نہیں ایک مسجد جمرات کے پاس ہے' ایک مسجد' مسجد خیف کے پاس ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہاں سورہ مرسلات نازل ہوئی تھی پہاڑ کے اوپر ایک مسجد کبش بتائی جاتی ہے' نبی ﷺ نے ان میں سے کسی مسجد کا قصد مشروع نہیں قرار دیا ہے۔ لہٰذا نماز یا دعا کے لئے وہاں پر مخصوص طور سے جانے کی کوئی حیثیت نہیں۔ اسی طرح ان میں سے کسی مقام کا چھونا یا بوسہ دینا بھی باتفاق علماء غلط ہے اس کا رسول اللہ ﷺ کی شریعت سے کوئی تعلق نہیں۔

مساجد مکہ کی زیارت

مناسک حج پر لکھنے والے بعض مصنفین نے مکہ اور اس کے آس پاس کی مسجدوں کی زیارت کو مستحب لکھا ہے ابتداء عمر میں حج سے پہلے میں نے بھی بعض مشائخ کے لئے ایسا ہی لکھا تھا لیکن بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ ایسی زیارتیں بدعت ہیں شریعت میں ان کی کوئی اصل نہیں' مہاجرین و انصار نے ایسا نہیں کیا ہے' اور ائمہ علم و ہدیٰ نے اس سے منع کیا ہے مسجد حرام ہی وہ مسجد ہے جس کا قصد نماز' دعا اور طواف کے لئے مشروع ہے اس کے علاوہ مکہ کی کسی مسجد کا قصد مشروع نہیں' کوئی مسجد بھی احکام و فضائل میں مسجد حرام کے ہم پلہ نہیں۔ لہٰذا جو عبادت انسان دوسری مسجدوں میں کرتا ہے اسے اگر مسجد حرام میں ادا کرے تو زیادہ ثواب ملے گا۔

شد رحال کا ضابطہ

شد رحال یعنی بالقصد سفر صرف تین مسجدوں کے لئے مشروع ہے وہاں نماز' دعا' ذکر' تلاوت اور اعتکاف کے لئے جانا نیک عمل ہے اس کے علاوہ باتفاق علماء ایسی کوئی مسجد نہیں جس کے لئے سفر مشروع ہو البتہ اگر قریب ہو تو مسجد قباء تک جا سکتا ہے۔

سہل بن حنیف کی روایت میں نبی ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے گھر میں وضو کرے اور مسجد قباء میں آکر نماز پڑھے تو اس کو عمرہ کا ثواب ملے گا (نسائی' احمد' ابن ماجہ)

بعض علماء نے لکھا ہے کہ مذکورہ حدیث میں گھر میں وضو کرکے مسجد قباء میں آنے کا جو ذکر ہے اس میں اس بات پر تنبیہہ ہے کہ آدمی قریب سے آئے دور سے سفر کرکے نہ آیا ہو۔

قباء کے علاوہ مدینہ کی کوئی اور مسجد نہیں جہاں جانا خصوصیت سے مشروع ہو' ان کا حکم وہی ہے جو کسی اور مسجد کا' اس لئے مدینہ کے فقہاء قباء کے علاوہ کسی اور مقام کا قصد نہیں کرتے تھے۔

مسند میں جابر بن عبداللہ کی ایک روایت میں ذکر ہے کہ نبی ﷺ نے مسجد فتح میں دو شنبہ' سہ شنبہ اور چہار شنبہ کو متواتر دعا فرمائی' چہار شنبہ کو آپ ﷺ کی دعا قبول ہوئی اور آپ ﷺ کے چہرہ پر خوشی ظاہر ہوئی۔ جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اس کے بعد مجھے جب بھی کوئی مشکل پیش آتی تھی تو میں اسی وقت میں دعا کرتا تھا جو قبول ہوتی تھی۔

اس حدیث کی سند میں کثیر بن زید ہے جس کے بارے میں کلام ہے ابن معین نے کبھی اس کی توثیق کی ہے اور کبھی اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔

اس حدیث پر بعض حنابلہ کا عمل ہے وہ اس وقت میں دعا کرتے ہیں لیکن قابل غور امر یہ ہے کہ حدیث میں کسی مقام کے قصد کا ذکر نہیں بلکہ ایک خاص وقت کا ذکر ہے اور جب ان مسجدوں کا جن میں نبی ﷺ نے نماز پڑھی اور جو آپ ﷺ کے حکم سے تعمیر کی گئیں' قصد کرنا مشروع نہیں تو پھر دوسری مسجدوں کے لئے اس طرح کا کوئی حکم کس طرح ثابت کیا جا سکتا ہے؟

فصل

مسجد اقصیٰ سے متعلق بعض احکام

مسجد اقصیٰ ان تین مسجدوں میں سے ایک ہے جن کے لئے شد رحال یعنی سفر کی اجازت ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مسلمانوں نے بیت المقدس فتح کیا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ

جب وہاں پہنچے تو نصرانیوں نے شہر آپ کے حوالہ کیا۔ آپ ﷺ اس میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ **صخرہ** کے پاس بہت سا کوڑا جمع ہے' نصرانیوں نے یہود کی دشمنی میں جو **صخرہ** کی تعظیم کرتے تھے وہاں کوڑا ڈال رکھا تھا۔ پھر کعب رضی اللہ عنہ احبار سے پوچھا کہ تمہارے خیال میں مسلمانوں کا **مصلی** کہاں ہونا چاہیے؟ انہوں نے کہا کہ **صخرہ** کے پیچھے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ : اس مشورہ میں تمہاری یہودیت جھلکتی ہے' میں مسجد کے صدر میں مسلمانوں کا **مصلی** بناؤں گا' پھر وہیں مصلے تعمیر ہوا' اسی کو بہت سے لوگ اقصیٰ کا نام دیتے ہیں' حالانکہ اقصیٰ پوری مسجد کا نام ہے۔ لیکن اس مسجد یا کسی اور مسجد کو حرم نہیں کہہ سکتے' حرم صرف مکہ اور مدینہ میں ہے۔

اس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قبلہ والے مصلے کی تعمیر کی اور انہوں نے یا کسی اور مسلمان نے **صخرہ** کے پاس نماز ادا نہیں کی نہ اسے چھوا نہ بوسہ دیا۔

ثابت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب بیت المقدس آئے تھے تو مسجد میں داخل ہو کر نماز پڑھتے تھے' لیکن **صخرہ** کے پاس نہ جاتے تھے' نہ کسی اور جگہ جاتے تھے' یہی عمل سلف کے معتبر لوگوں مثلاً عمر بن عبدالعزیز' اوزاعی اور سفیان ثوری وغیرہ کا تھا اور اس کی توجیہہ یہ ہے کہ مسجد اقصیٰ کے ایک حصہ کو دوسرے حصہ کے مقابلہ میں کوئی فضیلت نہیں حاصل ہے' سوائے اس حصہ کے جسے مسلمانوں کی نماز کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تعمیر کیا۔

مسجد حرام اور مسجد نبوی ﷺ کو اجماعی طور پر مسجد اقصیٰ پر فضیلت حاصل ہے لیکن ان میں بھی حجر اسود کے علاوہ کسی چیز کو چھونے اور بوسہ دینے کا حکم نہیں پھر مسجد اقصیٰ میں کوئی ایسی چیز کیوں کر ہو سکتی ہے جسے بوسہ دیا جائے یا چھوا جائے؟

قبہ صخرہ کی تعمیر

ایک وقت میں **صخرہ** کھلی ہوئی تھی صحابہ میں سے کوئی عالم یا والی خاص طور پر وہاں عبادت نہ کرتا تھا' اسی طرح وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جن کی شام پر بھی حکومت تھی کھلی ہوئی تھی' حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جن کی شام پر حکومت نہ تھی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے اور پوتے کے زمانہ میں بھی اس کا یہی

حال تھا۔ جب عبدالملک کا زمانہ آیا اور ان کے اور عبداللہ بن زبیر کے مابین فتنہ رونما ہوا تو عبدالملک نے **صخرہ** پر قبہ تعمیر کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ لوگ حج کے لئے مکہ جاتے تھے تو ابن زبیر سے ملتے تھے۔ عبدالملک نے **صخرہ** کی حیثیت کو بڑھا کر لوگوں کو بیت المقدس کی زیارت پر آمادہ کرنا چاہا' لوگ چونکہ بادشاہ کے دین پر ہوتے ہیں' اس لئے اس وقت سے **صخرہ** اور بیت المقدس کی ایسی تعظیم شروع ہو گئی جس سے اب تک مسلمان واقف نہ تھے' پھر بعض لوگوں نے اس کی تعظیم میں اسرائیلی روایتوں کو پھیلانا شروع کر دیا' حتیٰ کہ ایک روایت میں کعب احبار سے یہ بات منسوب ہے کہ : اللہ تعالیٰ نے **صخرہ** کو اپنا عرش فرمایا' اس پر عروہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کی کرسی آسمان و زمین کو وسیع ہے اور آپ کہتے ہیں کہ **صخرہ** اس کا عرش ہے!

اس طرح ثابت ہے کہ خلفاء راشدین نے قبہ کی تعمیر نہیں کی' نہ صحابہ نے **صخرہ** کی تعظیم کی نہ وہاں کا نماز کے لئے قصد کیا۔ حتیٰ کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ حجاز سے بیت المقدس آتے تھے تو بھی **صخرہ** کے پاس نہیں جاتے تھے۔ بیت المقدس مسلمانوں کا قبلہ تھا' پھر منسوخ ہو گیا' اور نسخ کے بعد ہماری شریعت میں اسے کسی حکم کے ساتھ خاص کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ اگر ہم اس کی تعظیم کریں گے تو اس سے یہود کی مشابہت لازم آئے گی جس کا بیان شنبہ کے دن اور عاشوراء کے دن کے سلسلہ میں گزر چکا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اسلام میں سب سے پہلے داخل ہونے والے تھے' انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد شام' عراق اور مصر وغیرہ ممالک فتح کئے اور وہاں سکونت اختیار کی۔ انہیں دین کا علم دوسروں سے زیادہ تھا اور ان کے اندر اتباع شریعت کا جذبہ بھی بدرجہ وافر تھا۔ لہٰذا ان کے طریقہ کی مخالفت کسی بھی طرح جائز نہ ہو گی۔

مفتوحہ ممالک کے آثار کے بارے میں صحابہ کا رویہ

صحابہ رضی اللہ عنہم نے کسی ایسے مقام کی تعظیم نہیں کی۔ نہ وہاں مخصوص طور پر نماز و دعا کا اہتمام کیا۔ لہٰذا ہم ان کی مخالفت نہیں کر سکتے' گو بعض اہل فضل و دین نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے برخلاف بعض مقامات کی تعظیم کی۔ لیکن ہمارے لئے صحابہ کے طریقہ کی پیروی زیادہ بہتر ہے۔

صحیح مسلم میں ثابت ہے کہ نبی ﷺ شب معراج میں بیت المقدس آئے تو دو رکعت نماز ادا کی' لیکن کسی اور جگہ نہ تو نماز پڑھی نہ اس کی زیارت کو گئے۔

اور جس روایت میں ذکر ہے کہ نبی ﷺ سے جبریل نے کہا کہ یہ ابراہیم علیہ السلام کی قبر ہے اور یہ عیسیٰ علیہ السلام کی قبر ہے اس جگہ نماز ادا کیجئے' وہ موضوع و من گھڑت ہے۔

رہا بیت الحم تو وہ نصرانیوں کا ایک گرجا ہے' مسلمانوں کے لئے وہاں جانے میں کوئی فضیلت نہیں خواہ اسے عیسیٰ علیہ السلام کی جائے پیدائش مانیں یا نہ مانیں۔ اسی طرح حضرت ابراہیمؑ کی قبر کے پاس صحابہ و تابعین میں سے کوئی نہیں آتا تھا' نہ وہاں نماز پڑھتے تھے نہ دعا کرتے تھے نہ زیارت کے لئے اس کا قصد کرتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ متعدد بار مسلمان شام آئے بہتوں نے شام کو وطن بنا لیا' لیکن ان میں سے کسی نے ایسا کوئی کام نہیں کیا نہ مسلمانوں نے ایسی کسی جگہ مسجد بنائی۔

چوتھی صدی کے اخیر میں جب مصر کے رافضی حکام کی مدد سے بیت المقدس پر نصاریٰ کا قبضہ ہوا تو انہوں نے حجرۂ خلیل اللہ میں نقب لگا کر دروازہ بنا دیا' اس کا نشان دروازہ پر موجود ہے۔ اس طرح ہم دیکھ سکتے ہیں کہ قبر خلیل کا معاملہ نصاریٰ کی ایجاد ہے' سلف کا عمل نہیں۔

فصل

اسلام کی بنیادی تعلیم

مسلمانوں کے دین کی اصل یہ ہے کہ عبادت کے لئے مساجد کے علاوہ کسی اور مقام کا قصد نہ کیا جائے اس کے برخلاف مشرکین اور اہل کتاب مساجد کے علاوہ بعض دیگر مقامات کی تعظیم کرتے ہیں' جیسے جاہلیت میں غار حراء کی تعظیم کرتے تھے۔ اسلام در حقیقت اس طرح کے عمل کو مٹانے اور لوگوں کو اس سے روکنے کے لئے آیا ہے۔

پھر مسجدیں عبادت کے معاملہ میں مشترک ہیں' عبادت کا جو کام ایک مسجد میں کیا جاتا ہے وہی دیگر تمام مساجد میں بھی کیا جا سکتا ہے لیکن مسجد حرام کو اللہ تعالیٰ نے طواف وغیرہ کی بعض ایسی خصوصیت دی ہے جو دوسری مسجدوں کو نہیں دی گئی ہے اور کوئی مسجد قبلہ

بھی نہیں بن سکتی۔

جہاں تک مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ کا سوال ہے تو ان دونوں میں جو عبادتیں مشروع ہیں وہ دیگر مساجد میں بھی مشروع ہیں مثلاً نماز' دعا' ذکر' تلاوت اور اعتکاف۔ البتہ ان کے کسی حصہ کا بوسہ لینا اسے چھونا یا اس کا طواف کرنا صحیح نہیں۔ اس کے باوجود ان دونوں مسجدوں کے لئے مساجد کے مقابلہ میں فضیلت ثابت ہے۔ چنانچہ ان میں پڑھی گئی نمازوں کا ثواب دیگر مساجد کی نمازوں سے زیادہ ہے۔

دور جاہلیت میں غار حراء وغیرہ میں مجاورت کا جو عمل جاری تھا اس کے بدلہ میں اسلام نے مساجد میں شرعی اعتکاف کا حکم دیا۔ چنانچہ نبیؐ تاحیات رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرماتے تھے۔

اعتکاف کا حکم

ائمہ دین کا اتفاق ہے کہ اعتکاف ایک مشروع عبادت ہے' چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

(اور جب تم مسجدوں میں اعتکاف بیٹھو تو عورتوں سے صحبت نہ کرو) (البقرۃ ۱۸۷)

یعنی مسجد میں اگر آدمی اعتکاف کئے ہوئے ہے تو اس دوران مسجد کے باہر بھی اس کے لئے مباشرت جائز نہیں۔

اعتکاف کی ممنوع صورتیں

کسی درخت' پتھر' مجسمہ' نبی یا غیر نبی کی قبر' نبی یا غیر نبی کے مقام کے پاس اعتکاف یا مجاورت مسلمانوں کا دین نہیں' بلکہ یہ مشرکوں کا دین ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے:

(اور ہم نے ابراہیم کو اس سے پہلے اس کے حصہ کی دانائی عطا کی' اور ہم اس کا حال جانتے تھے' جب اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ یہ مورتیں جن کے پوجنے پر تم جمے بیٹھے ہو کیا چیز ہیں' انہوں نے کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو انہی کی پوجا کرتے ہوئے پایا) الانبیاء ۵۱-۵۳

اور فرمایا:

(اے پیغمبر ان لوگوں کو ابراہیم کا قصہ سنا جب اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ تم کس کو پوجتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم بت پوجتے ہیں' ان کے سامنے پڑے رہتے ہیں الشعراء ۶۹۔ ۷۱

ان آیتوں میں مشرکین کے اعتکاف کی تصویر مختلف ہے' اہل ایمان مساجد میں تنہا اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں جس کا کوئی شریک نہیں' جبکہ مشرکین غیر اللہ سے امیدیں وابستہ کرتے اور ڈرتے ہیں اور اللہ کا شریک و سفارشی گردانتے ہیں۔

یہاں پر یہ بات ملحوظ رکھنی ضروری ہے کہ عرب کے مشرکین میں سے کوئی بھی اس بات کا قائل نہ تھا کہ دنیا کے دو خالق ہیں' یا صفات میں اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک ہے' بلکہ ان کو اقرار تھا کہ آسمان و زمین کے خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے' قرآن میں ارشاد ہے:

(اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر کے پار اتارا تو وہ کچھ لوگوں پر سے ہو کر گزرے جو اپنے بتوں پر جمے بیٹھے تھے' بنی اسرائیل نے کہا موسیٰ جیسے ان لوگوں کے پاس بت ہیں ایسا ہی ایک بت ہمارے لئے بنا دے) الاعراف ۱۳۸

مشرکین و مومنین کے اعتکاف میں یہ فرق ہے کہ مومنین مسجد میں تنہا اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے اعتکاف کرتے ہیں' اور مشرکین اللہ کے سوا جن چیزوں سے ڈرتے اور امید باندھتے ہیں اور جنہیں شریک و سفارشی بناتے ہیں ان کے لئے اعتکاف کرتے ہیں۔

اس طرح مشرکین لبیک بولتے ہوئے کہتے تھے: **لبیک لا شریک لک' الاشریکا هو لک تملکه و ملک۔** یعنی تیرا کوئی شریک نہیں سوائے اس شریک کے جو تیرا ہے' تو اس کا اور اس کی مملوکہ چیزوں کے مالک ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس کے سلسلہ میں ارشاد فرمایا:

(اللہ تمہارے لئے خود تمہاری ایک مثال بیان فرماتا ہے' تمہارے جو غلام لونڈی ہیں کیا وہ اس چیز میں تمہارے شریک ہیں جسے ہم نے تم کو دیا ہے' تم اور وہ اس میں برابر ہوں' تم ان سے اپنے لوگوں کی طرح ڈرتے ہو۔) الروم ۲۸

مشرکین اپنے معبودوں کو تقرب الی اللہ کے لئے واسطہ مانتے تھے' اور یہ سمجھتے تھے وہ ان کے لئے سفارش کریں گے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(کیا ان کافروں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو سفارشی بنا رکھا ہے' اے پیغمبر کہہ دے اگر یہ سفارشی ذرہ بھی اختیار نہ رکھتے ہوں اور نہ ان کو عقل ہو' اے پیغمبر کہدے سفارش تو ساری اللہ کے اختیار میں ہے' آسمان اور زمین میں اس کا راج ہے۔) الزمر ۴۳ - ۴۴

(اور یہ مشرک اللہ تعالیٰ کے سوا ان کو پوجتے ہیں جو نہ ان کا نقصان کر سکتے ہیں نہ فائدہ' اور کہتے ہیں کہ اللہ کے پاس یہ ہمارے سفارشی ہوں گے' اے پیغمبر کہدے کیا تم اللہ کو وہ بات بتلاتے ہو جس کو نہ وہ آسمانوں میں پہچانتا ہے نہ زمین میں) یونس ۱۸

(اور تم اکیلے اکیلے ہمارے پاس آئے جیسے پہلے ہم نے تم کو پیدا کیا تھا' اور جو سامان ہم نے تم کو دیا تھا وہ اپنی پیٹھ پیچھے چھوڑ آئے' اور تمہارے سفارشی تو ہم کو تمہارے ساتھ نظر نہیں آتے جن کو تم اپنے کاموں میں ہمارا شریک سمجھتے تھے' اب تمہارے آپس کے رشتے اور تعلق کٹ گئے اور جو تم سمجھتے تھے وہ سب گیا گزرا ہو گیا یعنی کوئی تمہارے کچھ بھی کام نہ آیا۔) الانعام ۹۴

شفاعت سے متعلق لوگوں کے مذاہب

شفاعت کے بارے میں لوگ تین فرقوں میں منقسم ہیں۔

۱۔ مشرکین' اہل کتاب اور مسلمانوں میں سے اہل بدعت اس شفاعت کے قائل ہیں جس کی قرآن نے نفی کی ہے۔

۲۔ خوارج معتزلہ کا قول ہے کہ امت کے وہ لوگ جو کبیرہ گناہ کے مرتکب ہیں ان کے لئے نبیؐ کی شفاعت نہیں۔ اہل بدعت کی ایک جماعت انسان کے کسی دوسرے کی شفاعت و دعا سے نفع اندوز ہونے کی منکر ہے' اسی طرح یہ لوگ کسی دوسرے کی طرف سے کئے جانے والے صدقہ اور روزہ سے انسان کے مستفید ہونے کے بھی قائل نہیں۔

اس قول کے ماننے والے قرآن کریم کی ان آیتوں سے استدلال کرتے ہیں:

(اس دن کے آنے سے پہلے جس دن کہ نہ خرید و فروخت ہو گی نہ دوستی نہ سفارش)

(اس دن نافرمانوں کا کوئی دل سوز دوست نہ ہو گا نہ کوئی سفارشی جس کی سفارش مانی جائے۔) غافر ۱۸

۳۔ امت کے اسلاف و ائمہ اور اہل سنت و جماعت سے تعلق رکھنے والے ان کے

متبعین کبیرہ گناہ کے مرتکب مسلمانوں کے لئے نبیؐ کی اس شفاعت کے قائل ہیں جس کا ذکر حدیث میں آیا ہے' اس طرح یہ لوگ نبیؐ و دیگر انبیاء اور فرشتوں کی شفاعت کے بھی قائل ہیں۔

ان کا قول ہے کہ موحدین میں کوئی دائمی طور پر جہنم میں نہیں رہے گا۔ حدیث میں دعا' شفاعت' صدقہ اور روزہ سے دوسرے انسان کے مستفید ہونے کا جو ذکر حدیث میں ہے اسے بھی یہ لوگ تسلیم کرتے ہیں۔ ان کا استدلال قرآن کی ان آیتوں سے ہے :

(بے اس کے حکم کے کون اس کا پاس سفارش کر سکتا ہے) البقرۃ ۲۵۵

(اور وہ فرشتے کسی کی سفارش نہیں کر سکتے مگر جس کے لئے اللہ کی مرضی ہو۔) (الانبیاء ۲۸)

آسمان کے فرشتے تو کتنے ایسے ہیں کہ ان کی سفارش کچھ کام نہیں آ سکتی مگر ہاں اللہ جس کے لئے چاہے حکم دے اور اس کی مرضی ہو۔ (النجم ۲۶)۔

صحیح حدیث میں وارد ہے کہ قیامت کے دن اولوالعزم پیغمبروں سے شفاعت کی درخواست کی جائے گی سب انکار کریں گے' لیکن آخر میں محمد ﷺ سب پیغمبروں کی درخواست قبول کر کے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد شفاعت کریں گے' اور امت کے حق میں اللہ تعالیٰ آپؐ کی شفاعت کو قبول کر کے جماعت کو جنت میں داخل فرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

(اے پیغمبر کہدے بلاؤ ان لوگوں کو جنہیں تم اللہ کا شریک سمجھتے ہو' وہ تو اتنا بھی اختیار نہیں رکھتے کہ کوئی تکلیف تمہاری دور کر دیں یا اس کو سرکا دیں' جن لوگوں کو یہ مشرک پکارتے ہیں وہ خود اپنے رب کی طرف ذریعہ تلاش کرتے ہیں کہ کون اللہ کے زیادہ قریب ہوتا ہے' اور اس کی مہربانی کی امید رکھتے ہیں' اور اس کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں' اس لئے کہ تیرے مالک کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے) (الاسراء ۵۶۔ ۵۷)

سلف کی ایک جماعت کا قول ہے کہ کچھ لوگ حضرت عزیر اور حضرت مسیح علیہما السلام اور فرشتوں کو پکارتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اس میں اللہ تعالیٰ کا تقرب چاہتے ہیں' اس کی رحمت کی امیدیں رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔

صحیح حدیث میں وارد ہے کہ ابو ہریرہ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ قیامت کے دن

آپؐ کی شفاعت سے بہرہ ور کون ہو گا؟ آپؐ نے فرمایا کہ قیامت کے دن میری شفاعت سے بہرور وہ شخص ہو گا جو اللہ کی رضا طلب کرتے ہوئے لا الہ الا اللہ کہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے لئے آدمی کا اخلاص جس قدر زیادہ ہو گا اسی قدر وہ شفاعت کا مستحق ہو گا' لیکن جس شخص کا دل کسی مخلوق سے وابستہ ہو اور وہ اس سے امید و خوف رکھے تو ایسا شخص آپؐ کی شفاعت سے زیادہ دور ہو گا۔

ایک مخلوق کی دوسری مخلوق کے پاس سفارشی سفارش کرنے والے کی مدد سے ہوتی ہے ' جس سے سفارش کی جاتی ہے اس کی اجازت نہیں ہوتی' بلکہ جس سے سفارش کی گئی ہے وہ سفارش کرنے والے کا کسی طرح محتاج ہے' یا اس سے ڈرتا ہے اس لئے شفاعت قبول کرنے کا محتاج ہوتا ہے' لیکن اللہ تعالیٰ پورے عالم سے بے نیاز ہے' وہ تنہا پوری دنیا کا نظام چلاتا ہے' اس کے پاس کوئی کسی کی شفاعت اس کی اجازت کے بغیر نہیں کر سکتا' شفاعت کی اجازت وہی دیتا ہے' اور وہی شفاعت قبول کرتا ہے' جس طرح وہ دعا کرنے والے کے دل میں دعا کے لئے الہام کرتا ہے پھر اس کی دعا کو قبول کرتا ہے' اس طرح پورا معاملہ اسی کے ہاتھ میں ہے۔

لہٰذا جب بندہ مخلوق میں سے کسی سفارشی سے امید باندھتا ہے تو ممکن ہے کہ وہ سفارش پر تیار نہ ہو' اور اگر تیار ہو جائے تو ممکن ہے اللہ تعالیٰ اس کو سفارش کی اجازت نہ دے اور اس کی سفارش قبول نہ کرے۔

شفاعت میں اذن الٰہی کی اہمیت

مخلوقات میں سب سے افضل محمدؐ ہیں' پھر ابراہیم علیہ السلام۔ لیکن نبیؐ اپنے چچا ابو طالب کے لئے وعدہ کے باوجود استغفار سے باز رہے کیونکہ آپؐ کو اللہ تعالیٰ نے اس کی اجازت نہیں دی۔ اسی طرح آپؐ نے منافقین کے جنازہ کی نماز پڑھی اور ان کے لئے دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اس سے منع فرمایا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپؐ اگر ستر بار بھی ان کے لئے استغفار کریں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں معاف نہیں فرمائے گا تو آپؐ نے فرمایا کہ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ ستر بار سے زیادہ استغفار کے بعد ان کو اللہ تعالیٰ بخش دے گا تو میں ستر بار سے زیادہ استغفار کروں گا' اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپؐ ان کے

لئے استغفار کریں یا نہ کریں اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت نہیں فرمائے گا۔ (المنافقون ٦)

اور ابراہیم علیہ السلام نے وعدہ کے بعد اپنے باپ کے لئے استغفار کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(مسلمانو تم کو ابراہیم اور اس کے ساتھ والوں کی اچھی خصلت کی پیروی کرنا تھی جب انہوں نے اپنی قوم والوں سے کہدیا ہم کو تم سے اور جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو ان سے کوئی علاقہ نہیں ہے' ہم تمہارے دین کو نہیں مانتے' اور ہم میں اور تم میں کھلم کھلا ہمیشہ عداوت اور دشمنی رہے گی جب تک تم اکیلے اللہ پر ایمان نہ لاؤ گے' مگرہاں ابراہیم نے اپنے باپ سے یہ کہا تھا کہ میں تیرے لئے بخشش مانگوں گا) الممتحنہ ۴

اور دوسرے مقام پر فرمایا:

(پیغمبر کو نہیں چاہئے نہ ایمان والوں کو کہ مشرکوں کے لئے بخشش کی دعا مانگیں گو وہ ان کے رشتہ دار ہوں جب ان کو یہ معلوم ہو گیا کہ وہ دوزخی ہیں' اور ابراہیم نے جو اپنے باپ کے لئے مغفرت کی دعا مانگی تھی تو اس وعدہ کی وجہ سے جسے اس نے اپنے باپ سے کیا تھا' پھر جب ابراہیم کو یہ کھل گیا کہ اس کا باپ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اسلام سے الگ ہو گیا) التوبہ ۱۱۳' ۱۱۴

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ حقوق ہیں جن میں دوسرا کوئی اس کا شریک نہیں' اور رسولوں کے کچھ حقوق ہیں جن میں دوسرا ان کا شریک نہیں' اور مومنوں میں سے بعض کے بعض پر مشترکہ حقوق ہیں۔

چنانچہ صحیحین میں معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ میں نبیؐ کا ہم سفر تھا' آپؐ نے مجھ سے فرمایا کہ معاذ تمہیں معلوم ہے کہ بندوں پر اللہ کا کیا حق ہے؟ میں نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسولؐ زیادہ جانتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا کہ اس کا بندوں پر یہ حق ہے کہ بندے اس کی عبادت کریں' اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ اللہ پر بندوں کا کیا حق ہے جبکہ وہ ایسا کریں؟ میں نے کہا کہ اللہ اور رسول زیادہ جانتے ہیں' آپؐ نے فرمایا کہ ان کا حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہ دے۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ کا یہ حق ہے کہ ہم اس کی عبادت بغیر کسی شرک کے کریں' یہی توحید کی اصل ہے جسے لے کر تمام پیغمبر آئے اور اسی کے لئے کتابیں اتاری گئیں' اللہ تعالیٰ کا ارشاد

ہے:

(اور ہم نے تجھ سے پہلے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر اس پر یہی وحی بھیجتے رہے کہ دیکھو میرے سوا کوئی سچا الہ نہیں تو مجھی کو پوجتے رہنا"۔ الانبیاء ۲۵

تنہا اللہ سے ڈرنا بھی اسی میں داخل ہے' ارشاد ہے:

(اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا حکم مان لے اور اللہ سے ڈرتا رہے اور اس کی نافرمانی سے بچتا رہے تو ایسے ہی لوگ مراد کو پہنچیں گے) النور ۵۲

اس آیت میں طاقت کو اللہ اور رسول دونوں کے لئے جتایا ہے' لیکن تقویٰ اور خشیت کو صرف اللہ کے لئے ٹھہرایا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(اور اگر وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے دیئے پر خوش رہتے اور کہتے اللہ تعالیٰ ہم کو بس کرتا ہے' آگے چل کر ہم کو اپنے فضل سے اللہ دے گا اور اس کا رسول دے گا' ہم تو اللہ تعالیٰ ہی سے لو لگائے بیٹھے ہیں) التوبہ ۵۹۔

اس آیت میں فضل کو اللہ تعالیٰ کے لئے قرار دیا ہے' اور دینے کی نسبت رسولؐ کی طرف بھی کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے وہی چیزیں مباح ہوں گی جنہیں رسولؐ نے مباح قرار دیا ہے' لہٰذا کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ شریعت میں غیر مباح چیز کو حاصل کرے۔ آیت کے اختتام پر رغبت کو صرف اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا ہے۔

ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

(پھر جب تجھ کو فراغت ہو تو محنت کر اور اپنے مالک کی طرف دل لگا) انشراح ۷۔۸

اس آیت میں صرف اللہ تعالیٰ کی طرف راغب ہونے کا حکم ہے' اور اللہ تعالیٰ نے کبھی کسی مخلوق کو حکم نہیں دیا کہ وہ دوسری مخلوق سے سوال کرے' البتہ بعض مقامات پر اس کو مباح قرار دیا ہے' اس لئے بندہ کے لئے افضل ہے اللہ کے سوا کسی سے سوال نہ کرے۔

صحیح حدیث میں جنت میں بغیر حساب و کتاب داخل ہونے والوں کے وصف میں مذکور ہے کہ وہ جھاڑ پھونک نہیں کرتے' داغ نہیں لگواتے' بدفالی نہیں لیتے اور اپنے رب پر توکل و بھروسہ کرتے ہیں۔ اس حدیث میں کسی سے جھاڑ پھونک کرانے کی نفی ہے' لیکن اگر

اپنے یا غیر کے لئے آدمی جھاڑ پھونک کرے تو یہ صحیح ہے کیونکہ اس کی حیثیت اپنے دعا کرنے والے کی ہے۔

نبیؐ نے ابن عباس سے فرمایا تھا کہ مانگو تو اللہ سے مانگو' اور مدد چاہو تو اللہ سے مدد چاہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ ہی پر بھروسہ کیا جائے گا' اسی سے مدد مانگی جائے گی' فریاد کی جائے گی' ڈرا جائے گا' امید باندھی جائے گی' عبادت کی جائے گی' دل اس کی طرف رجوع کریں گے' قوت و طاقت اس کی طرف سے ملتی ہے' پناہ اسی سے طلب کی جائے گی' پورے قرآن میں اسی قاعدہ کو واضح کیا گیا ہے۔

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر نبیؐ کی اطاعت' آپؐ سے محبت' آپؐ کے اتباع' آپؐ پر ایمان اور آپؐ کی عزت و توقیر کا حکم ہے۔

ایک آیت میں ارشاد ہے :

(اے پیغمبر کہدے اگر تمہارے باپ دادا بیٹے پوتے بھائی بی بیاں کنبے والے اور جو مال تم نے کمائے ہیں اور جس سوداگری کے خراب ہونے سے ڈرتے ہو اور جن مکانوں کو تم پسند کرتے ہو تم کو اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہیں تو پڑے رہو جب تک اللہ تعالیٰ اپنا حکم بھیجے' اور اللہ تعالیٰ گناہگاروں کو راہ پر نہیں لگاتا۔) التوبہ ۲۴

نبیؐ کا ارشاد ہے کہ : قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اسے اس کی اولاد' باپ اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

حضرت عمرؓ نے نبیؐ سے کہا کہ میں اپنی ذات کے علاوہ ہر چیز سے زیادہ آپؐ سے محبت کرتا ہوں' نبیؐ نے فرمایا کہ عمر نہیں' ایمان کی بات یہ ہے کہ میں تمہیں تمہاری جان سے بھی زیادہ محبوب ہو جاؤں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

(اے پیغمبر کہدے اگر تم کو اللہ کی محبت ہے تو میری راہ پر چلو اللہ بھی تم سے محبت رکھے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔) آل عمران ۳۱

دوسری جگہ فرمایا:

(اے پیغمبر ہم نے تجھ کو گواہ اور خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا کہ تم اللہ اور رسول پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کا ادب اور اس کی تعظیم کرو) الفتح ۸' ۹

یعنی ایمان کا تعلق اللہ تعالیٰ اور رسول دونوں سے ہے' اور عزت و توقیر کا تعلق صرف رسول سے ہے' اور تسبیح کا تعلق صرف اللہ تعالیٰ سے۔

اللہ تعالیٰ نے نبیؐ کو توحید کے اثبات اور شرک کی مکمل تردید کے لئے مبعوث فرمایا تھا' جن الفاظ میں شرک کا شائبہ تھا ان سے منع فرمایا گیا' چنانچہ نبیؐ نے فرمایا کہ "ماشاء اللہ و شاء محمد" نہیں کہنا چاہئے' بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ ماشاء اللہ ثم شاء محمد۔

عبادات میں اخلاص کا حکم

جن عبادات کو اللہ تعالیٰ نے مشروع قرار دیا ہے ان سب میں دین کو اللہ کے لئے خالص کرنے کا ذکر ہے' قرآن کریم میں عبادت کا حکم اخلاص کے ساتھ ہے' یعنی نماز' روزہ' صدقہ اور حج تمام عبادتیں تنہا اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد:

(اور جو شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین چاہے تو ہرگز قبول نہ ہو گا) آل عمران ۸۵

اگلے اور پچھلے تمام لوگوں کے لئے عام ہے' کیونکہ دین اسلام ہی اللہ کا وہ دین ہے جس پر اس کے انبیاء اور مومن بندے تھے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اہل زمین کی طرف بھیجے جانے والے پہلے رسول حضرت نوح علیہ السلام اور دیگر انبیاء مثلاً ابراہیم' اسرائیل' موسیٰ' سلیمان وغیرہ کے اور اپنے مومن بندوں کے متعلق فرمایا ہے' حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہے:

(اے پیغمبر ان کو نوح کا قصہ سنا جب اس نے اپنی قوم سے کہا بھائیو اگر میرا رہنا اور اللہ کی آیتیں پڑھ کر سنانا تم کو بھاری لگتا ہے تو میں نے تو اللہ پر بھروسا کیا تھا تم اپنے شریکوں کے ساتھ مل کر ایک بات ٹھہرا لو پھر اس بات کو چھپاؤ نہیں پھر جو کچھ کرنا ہے وہ کر ڈالو اور مجھ کو ذرا بھی مہلت نہ دو پھر اگر تم منہ پھیر لو تو میں تم سے کچھ مزدوری تو مانگتا نہ تھا' میری مزدوری تو اللہ ہی پر ہے اور مجھ کو حکم ہوا ہے کہ فرماں برداری میں شریک رہوں)

یونس ۷۱، ۷۲

اور حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسرائیلؑ کے متعلق فرمایا:

(اور ابراہیم کے طریق سے وہی نفرت کرے گا جو احمق ہو گا اور ہم نے اس کو دنیا میں چن لیا اور آخرت میں وہ نیک ہے، جب پروردگار نے اس سے فرمایا کہ اسلام پر مضبوط ہو جا تو کہنے لگا میں اللہ کا تابعدار بن گیا، جو سارے جہان کا مالک ہے، اور ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اور یعقوب نے بھی اسی دین کی وصیت کی بیٹا اللہ نے تمہارے لئے یہ دین پسند کیا ہے، تو مسلمان ہی رہ کر مرنا) البقرہ ۱۳۰، ۱۳۲

حضرت یوسفؑ کے متعلق فرمایا:

(اور اس نے کہا بھائیو اگر تم کو اللہ پر یقین ہے تو اس پر بھروسہ رکھو جب تم اس کے تابعدار ہو) یونس ۸۴

انبیاء بنی اسرائیل کے متعلق فرمایا:

بے شک ہم نے آیت اتاری، اس میں ہدایت ہے اور روشنی، اللہ کے تابعدار پیغمبر یہودیوں کو اسی کے موافق حکم دیتے رہے اور درویش اور مولوی اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے وہ حافظ بنائے گئے تھے) المائدۃ ۴۴

ملکہ سبا بلقیس کے متعلق فرمایا:

(بلقیس نے کہا اے میرے اللہ میں نے اپنی جان پر ستم کیا اور اب میں سلیمان کے ساتھ ہو کر اللہ رب العالمین کی تابعدار بنی) النمل ۴۴

حضرت عیسیٰؑ کی امت کے متعلق فرمایا:

(اور جب میں نے حواریوں کے دل میں ڈالا کہ مجھ پر اور میرے پیغمبر پر ایمان لاؤ، وہ کہنے لگے ہم ایمان لائے اور گواہ رہ کہ ہم حکم بردار ہیں) المائدہ ۱۱۱

دوسری جگہ فرمایا:

(اے پروردگار جو تو نے اتارا اس پر ہم ایمان لائے اور تیرے رسول (حضرت عیسیٰؑ کے ہم تابع ہیں، تو ہم کو ان لوگوں میں لکھ لے جو گواہ ہیں) آل عمران ۵۳

اسلام کی تفسیر

اللہ کے لئے "اسلام وجہ" یعنی "چہرے کے جھکانے" کی تفسیر جس چیز سے کی گئی ہے وہ اللہ کے لئے قصد و ارادہ کے اخلاص پر مشتمل ہے' اور اس میں عمل صالح کی بجا آوری بھی داخل ہے۔ اور یہی دونوں چیزیں دین کا خلاصہ ہیں' یعنی ہم صرف اللہ کی عبادت کریں' اور مشروع طریقہ پر عبادت کریں نہ کہ بدعتوں کے ذریعہ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اب جس کو اپنے مالک سے ملنے کی امید ہو اس کو چاہئے کہ اچھا کام کرے اور اپنے مالک کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے) الکھف ۱۱۰

حضرت عمرؓ دعا میں کہا کرتے تھے : اے اللہ میرے تمام اعمال کو نیک بنا' انہیں اپنی ذات کے لئے خالص بنا اور ان میں کسی کے لئے کوئی حصہ نہ رکھ۔

فضیل بن عیاض نے آیت کریمہ (**لیبلوکم ایکم احسن عملا**) کی تفسیر "خالص اور درست" سے کی ہے' ان سے لوگوں نے سوال کیا کہ عمل کے خالص اور درست ہونے کا کیا مفہوم ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اگر عمل خالص ہو اور درست نہ ہو تو مقبول نہ ہو گا' اور اگر درست ہو اور خالص نہ ہو تو بھی مقبول نہ ہو گا' عمل میں اخلاص اور درستی دونوں اوصاف کا وجود ضروری ہے۔ اور خالص کا معنی یہ ہے کہ عمل صرف اللہ کے لئے ہو' اور درستی کا معنی یہ ہے کہ سنت نبوی کے مطابق ہو۔

شہادت الوہیت کا مفہوم

لا الہ الا اللہ کی گواہی الہیت اللہ کے لئے خالص کرنے پر مشتمل ہے' لہٰذا جائز نہیں کہ بندہ کا دل کسی اور کو الہ سمجھے یا اس سے محبت' خوف' امید' عزت' جلال اور رغبت اور بہت کا تعلق رکھے' بلکہ ضروری ہے کہ دین پورے طور پر اللہ کے لئے ہو' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : (مسلمانو! کافروں سے لڑو اس غرض سے کہ شرک نہ رہے اور سارا حکم اللہ ہی کا چلنے لگے) الانفال ۳۹

اگر دین کا بعض حصہ اللہ کے لئے ہو اور بعض غیر اللہ کے لئے تو یہ شرک ہو گا۔

ترمذی کی ایک حدیث کے مطابق دین کا کمال یہ ہے کہ بندہ اللہ کے لئے محبت کرے' اللہ کے لئے عداوت رکھے' اللہ کے لئے دے' اللہ کے لئے روکے' ایسا کرنے والے کا ایمان مکمل ہے۔

مومن کی محبت صرف اللہ کے لئے ہوتی ہے' اور مشرک اللہ کے ساتھ دوسروں سے بھی محبت کرتے ہیں' چنانچہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ہے :

(اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کا شریک دوسروں کو بھی بناتے ہیں اور اللہ کے برابر ان سے محبت رکھتے ہیں' اور جو لوگ ایمان والے ہیں وہ اللہ کی محبت سب سے زیادہ رکھتے ہیں) البقرۃ ۱۶۵

شہادت رسالت کا مفہوم

شہادت رسالت کا مفہوم یہ ہے کہ بندہ رسولؐ اللہ کی خبروں کی تصدیق کرے اور آپؐ کے حکم کی اطاعت کرے۔ جو کچھ آپؐ نے ثابت کیا ہے اس کا ثابت کرنا اور جس چیز کی نفی کی ہے اس کی نفی کرنا ضروری ہے۔ جیسے مخلوق کے لئے ضروری ہے کہ آپؐ نے اللہ تعالیٰ کے لئے جن اسماء وصفات کا اثبات کیا ہے اس کو ثابت کریں' اور مخلوقات کی مماثلت سے متعلق جن صفات کی نفی کی ہے ان کی نفی کریں۔ اس طرح وہ تعطیل (صفات کا انکار) اور تمثیل (انسانوں جیسی صفات ماننا) سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔ رسول اللہ نے جن چیزوں کو حلال قرار دیا ہے ان کو حلال اور جن کو حرام قرار دیا ہے ان کو حرام ماننا بھی ضروری ہے' کیونکہ دین اصل میں وہی ہے جس کو اللہ اور اس کے رسول نے مشروع قرار دیا ہو۔ سورۂ انعام و اعراف وغیرہ میں مشرکوں کی مذمت اسی لئے کی گئی ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی حرام ٹھہرائی ہوئی چیزوں کو حرام نہیں مانتے تھے' اور ایک ایسا دین ایجاد کر لیا تھا جس کی اجازت اللہ تعالیٰ نے نہیں دی تھی' ارشاد ہے :

(اور اللہ تعالیٰ نے جو کھیت اور جانور پیدا کئے ہیں ان میں یہ کافر اللہ تعالیٰ کا ایک حصہ لگاتے ہیں اور اپنے خیال پر یوں کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا ہے اور یہ ہمارے معبودوں کا ہے' پھر جو ان کے معبودوں کا حصہ ہے تو وہ اللہ کے کام میں نہیں آ سکتا' اور جو اللہ کا حصہ ہے وہ ان کے معبودوں کو مل سکتا ہے' کیا برا فیصلہ کرتے ہیں) انعام ۱۳۶ سے اخیر تک۔

سورہ اعراف کے شروع میں بھی اس بات کو بیان کیا ہے۔ ایک مقام پر ارشاد ہے:

(کیا ان لوگوں نے شریک بنا رکھے ہیں جو ان کو دین کا وہ رستہ بتلاتے ہیں جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا۔) الشوریٰ ۲۱

نبیؐ سے متعلق فرمایا : (اے پیغمبر ہم نے تجھ کو گواہ بنا کر بھیجا اور خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا اور اللہ کے حکم سے اللہ کی طرف بلانے والا اور روشن کرنے والے چراغ) الاحزاب ۴۵، ۴۶

اس آیت میں وضاحت ہے کہ نبیؐ اللہ کے حکم سے اس کی طرف دعوت دیتے ہیں، لہٰذا جو غیر اللہ کی طرف بلائے وہ مشرک ہوا، اور جو بغیر اس کے حکم کے بلائے اس نے بدعت کا ارتکاب کیا۔ شرک بھی بدعت ہی ہے، بدعتی انجام کار مشرک ہو جاتا ہے، اور ہر بدعتی میں کسی نہ کسی نوعیت کا شرک پایا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

(ان لوگوں نے اپنے مولویوں اور درویشوں کو اور مریمؑ کے بیٹے مسیح کو اللہ کے سوا الٰہ بنا لیا حالانکہ ان کو صرف یہ حکم ملا تھا کہ ایک اللہ کی پرستش کریں، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ ان لوگوں کے شرک سے پاک ہے) التوبۃ ۳۱

ان کے شرک کی صورت یہی تھی کہ حلال و حرام سے متعلق علماء دین کی باتوں کو بغیر دلیل مانتے تھے۔

اسلام کا لفظ انقیاد و اخلاص پر مشتمل ہے، یعنی صرف اللہ کے لئے بندہ عاجزی اختیار کرے، اور دوسروں کے لئے عاجزی کا اظہار نہ کرے، اگر کسی نے اللہ اور غیر اللہ دونوں کے لئے عاجزی و اطاعت کا اظہار کیا تو یہ شرک ہے۔

یہود و نصاریٰ کے اوصاف

اللہ تعالیٰ نے یہود کو تکبر سے نصاریٰ کو شرک سے متصف قرار دیا ہے، یہود کے بارے میں فرمایا :

(کیا پھر ہر بار جب کوئی رسول ایسا حکم لے کر آیا جس کو تمہارا جی نہ چاہتا تھا تو تم نے تکبر کیا، پھر بعضوں کو جھٹلایا، بعضوں کو قتل کیا) البقرۃ ۸۷

نصاریٰ کے متعلق فرمایا :

(ان لوگوں نے اپنے مولویوں اور درویشوں کو اور مریم کے بیٹے مسیح کو اللہ کے سوا اللہ بنا لیا حالانکہ ان کو صرف یہ حکم ملا تھا کہ ایک اللہ کی پرستش کریں، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ ان لوگوں کے شرک سے پاک ہے) التوبۃ ۳۱

اللہ کا دین جس کا نام اسلام ہے ایک ہی ہے' اختلاف شریعتوں میں ہوا ہے۔ اور دین کے ایک ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ ہر دور میں انبیاء نے صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم دیا' البتہ وقت کے لحاظ سے عبادت کی صورتیں بدلتی رہی ہیں۔

مثلاً قبلہ پہلے بیت المقدس تھا' پھر کعبہ ہوا۔ بنی اسرائیل کے لئے شنبہ کا دن اجتماع کے لئے تھا' اور مسلمانوں کے لئے جمعہ کے دن کو مقرر کیا گیا۔ نسخ سے پہلے حضرت موسیٰ کی شریعت کی مخالفت اسلام کے منافی تھی' اور نسخ کے بعد محمدؐ کی شریعت کی مخالفت اسلام کی خلاف ورزی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کے لئے یہ جائز نہیں قرار دیا کہ وہ غیر اللہ کی عبادت کرے' ارشاد ہے:

(اللہ نے تمہارے لئے وہ دین ٹھہرایا جس دین پر نوح کو چلنے کا حکم دیا اور جس دین کا حکم ہم نے تجھ کو دیا اور جس دین کا ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو حکم دیا' یہ کہ دین قائم کرو اور اس میں پھوٹ نہ ڈالو' اے پیغمبر جس دین کی طرف تو مشرکوں کو بلاتا ہے وہ ان پر بھاری ہے) الشوریٰ ۱۳

ایک مقام پر ارشاد ہے:

(اے پیغمبر ایک طرف کا ہو کر اپنا منہ دین پر قائم رکھ' اس دین پر جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے' اللہ تعالیٰ کی بناوٹ بدل نہیں سکتی' یہی سچا ٹھیک دین ہے مگر اکثر لوگ نہیں سمجھتے' اس اللہ کی طرف رجوع رہو اور اس سے ڈرتے رہو اور نماز کو درستی سے ادا کرتے رہو اور شرک کرنے والوں میں شریک نہ ہو' ان لوگوں میں جنہوں نے اپنے دین میں پھوٹ ڈالی اور کئی گروہ ہو گئے' ہر گروہ اپنے اعتقاد پر پھولا ہوا ہے) الروم ۳۰' ۳۲

مشرکین کی صفت اختلاف ہے' اور اہل اخلاص کی صفت اتفاق' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(لیکن وہ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے مگر جن میں تیرا مالک فضل کرے' اور اسی کے لئے ان کو پیدا کیا) ھود ۱۱۸' ۱۱۹

اہل شرک اور اہل توحید کا باہمی فرق

اہل شرک و بدعت میں افتراق ہوتا ہے' چنانچہ عرب کے مشرکین کی مختلف ٹولیوں کے

مختلف طاغوت تھے' جنہیں وہ اللہ کا شریک گردانتے تھے' ان کے لئے چڑھاوے پیش کرتے تھے' اور ان سے شفاعت طلب کرتے تھے' ایک فرقہ دوسرے فرقہ کے طاغوت سے نفرت کرتا تھا' ایک طاغوت کے ماننے والوں کی شریعت بھی دوسرے طاغوت والوں سے مختلف ہوتی تھی' چنانچہ مدینہ والے جو منات **ثالثہ** کا نعرہ لگاتے تھے' صفا و مروہ کے مابین طواف کو گناہ سمجھتے تھے' اسی کے متعلق آیت نازل ہوئی :

(بے شک صفا اور مروہ اللہ کے نشان ہیں۔) البقرۃ ۱۵۸

آج ہم قبروں اور انبیاء و صلحاء کے آثار کو مسجد بنانے والے اہل شرک کو دیکھتے ہیں کہ ان میں سے ایک طبقہ جس شخص کی دعا' استعانت اور توجہ سے قصد کرتا ہے اسے دوسرے طبقہ والے تسلیم نہیں کرتے۔

لیکن اہل توحید کا حال اس سے مختلف ہے' وہ مسجدوں میں شرک کے بغیر صرف اللہ کی عبادت کرتے ہیں' اور اجتہادی امور میں اگر کوئی تنازع ہوتا ہے تو اس کے سبب ان میں افتراق و اختلاف نہیں پیدا ہوتا' بلکہ ان کے سامنے اسلام کا یہ اصول ہوتا ہے کہ اجتہاد میں درستی کو پہنچنے والا دوہرے اجر کا اور خطا کرنے والا اکہرے اجر کا مستحق ہوتا ہے' اور اس کی غلطی بخش دی جاتی ہے۔

اہل ایمان صرف اللہ کو معبود تسلیم کرتے ہیں' اسی پر بھروسہ کرتے ہیں' اسی سے ڈرتے اور امید باندھتے ہیں' اسی کو پکارتے اور اسی سے مدد چاہتے ہیں' جب مسجدوں میں نماز کے لئے جاتے ہیں تو اسی کے فضل و رضا کے متلاشی رہتے ہیں' ارشاد ہے :

(تو ان کو دیکھتا ہے رکوع کرنے والے سجدہ کرنے والے' اللہ کے فضل اور اس کی رضا مندی کی فکر میں رہتے ہیں۔) الفتح ۲۹

مسجد حرام' مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ کا سفر کرتے ہیں تو اس وقت بھی صرف اللہ کی رضا کا قصد رکھتے ہیں' اور اسی سے امید لگاتے ہیں۔

لیکن انسانوں میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کے برے اعمال کو شیطان نے آراستہ کیا ہے' جس سے وہ اخلاص کے بجائے شرک میں گرفتار ہو گئے ہیں' غیر اللہ سے امید لگاتے ہیں' کسی نبی' ولی یا نیک شخص کی قبر کے لئے سفر کرتے ہیں' اس سے امید رکھتے ہیں اور اسی سے ڈرتے ہیں۔

ان میں سے کچھ لوگ اس عمل کو حج سے زیادہ مفید تصور کرتے ہیں' اور کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ حج کو مقصود قبر کی زیارت ہوتی ہے۔

کیا قبر کی زیارت واجب ہے؟ بعض جاہلوں کو یہ وہم ہے کہ قبر کی زیارت واجب ہے۔

بعض جاہل مردہ سے اسی طرح مانگتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ سے مانگا جاتا ہے' مثلاً کہتے ہیں کہ: فلاں سید بابا مجھے بخش دیجئے' مجھ پر رحم کیجئے' مجھ پر توجہ کیجئے' میرا قرض ادا کرا دیجئے' فلاں شخص کے مقابلہ میں میری مدد کیجئے' میں نے آپ کی پناہ پکڑی ہے۔

کبھی مردہ کے لئے اپنی اولاد کی نذر مانتے ہیں' اس کے لئے گائے وغیرہ جانور چھوڑتے ہیں' جیسا کہ مشرکین اپنے بتوں کے لئے چھوڑا کرتے تھے' سورہ مائدہ کی آیت ۱۰۳ اور سورۃ انعام کی آیت ۱۳۶ میں اس کا ذکر ہے۔

بعض مجاور جاہلوں کو گمراہ کرنے کے لئے کہتے ہیں کہ میں تمہاری ضرورت کا تذکرہ صاحب قبر سے کروں گا' پھر وہ اسے نبیؐ سے ذکر کریں گے' اور نبیؐ اللہ تعالیٰ سے بیان کریں گے۔

قبروں سے متعلق دوسرے ممنوع افعال

بعض لوگ جھوٹی سچی قبروں پر چادر اور پردے لگاتے ہیں' سونے چاندی کے زیور رکھتے ہیں۔ یہ سب کام شریعت کے خلاف ہیں' اللہ کے لئے بنائی جانے والی مسجدیں ویران و متروک ہیں' اور ناواقف لوگ قبروں کی آرائش میں لگے ہوئے ہیں۔

کچھ لوگ قبروں کے پاس نماز کو مساجد کی نماز سے افضل تصور کرتے ہیں' حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قبروں کو مسجد بنانے سے منع فرما دیا ہے' اور مساجد کی یہ علامت بتائی ہے کہ ان میں اللہ کا ذکر ہوتا ہے' ارشاد ہے:

(اللہ کی مسجدوں کی آبادی انہی لوگوں سے ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ پر اور پچھلے دن پر یقین رکھتے ہیں' اور نماز کو درستی سے ادا کرتے ہیں' اور زکوٰۃ دیتے ہیں' اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے' ایسے ہی لوگوں کے راہ پانے کی امید ہو سکتی ہے) التوبۃ ۱۸

بعض لوگ کہتے ہیں کہ کعبہ نماز کے لئے عوام کا قبلہ ہے' اور کعبہ کی طرف پشت کر کے فلاں شیخ کی قبر کی طرف نماز پڑھنا خواص کا قبلہ ہے۔ اس طرح کے اقوال باتفاق مسلمین

کفر ہیں۔ یہ مسائل مزید تفصیل کے محتاج ہیں' لیکن ہم صرف انہیں اشاروں پر اکتفاء کرتے ہیں۔

توحید کی بابت غلط نظریوں کی تردید

متکلمین و صوفیاء کے مختلف طبقات کا توحید کے مفہوم سے متعلق غلط تصور قائم ہے' ان لوگوں نے اس کی حقیقت کو پلٹ دیا ہے۔

۱۔ چنانچہ ایک جماعت کا تصور ہے کہ توحید سے صفات اور اسماء حسنیٰ کی نفی مراد ہے' یہ جماعت خود کو اہل توحید کا نام دیتی ہے' انہوں نے اللہ کی ایسی ذات کو ثابت کیا ہے جو صفات سے مجرد ہے' یا ایسے مطلق وجود کو ثابت کیا ہے جس میں طلاق کی شرط لگی ہے۔

حالانکہ صریح عقلی دلائل سے جو منقول کے مطابق ہیں' یہ معلوم ہے کہ صفات سے مجرد کسی ذات کا وجود خارج میں نہیں ہو سکتا۔ ان کا خیال ہے کہ صفات کے اثبات سے اللہ تعالیٰ کا مرکب ہونا لازم آئے گا جسے عقل مسترد کر چکی ہے۔ ان کے مذہب کی حقیقت اور اس کی خامیاں ہم کسی دوسرے مقام پر واضح کر چکے ہیں۔

۲۔ ایک جماعت کا تصور ہے کہ توحید صرف توحید الوہیت کے اقرار کا نام ہے' اور یہ کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے' اسے یہ لوگ توحید افعال کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

اس توحید کے اثبات میں بعض متکلمین نے طول سے کام لیا ہے' ان کی ایک دلیل یہ ہے کہ شرکت سے قدرت و کمال کا نقص لازم آتا ہے' اور اگر کسی کام میں شرکت نہ مانی جائے تو یہ صورت بھی محال ہے۔ ان لوگوں نے بعض دوسرے دلائل بھی ذکر کئے ہیں' ان کا گمان ہے کہ الوہیت کا معنی کسی چیز کی ایجاد پر قدرت ہے' لہٰذا جب یہ مان لیا جائے گا ایجادو اختراع پر قادر صرف اللہ تعالیٰ ہے تو لا الہ الا اللہ کا مفہوم ثابت ہو جائے گا۔ قرآن میں عرب کے مشرکوں کا جو حال بیان ہوا وہ ان کو معلوم نہیں' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

(اگر تو کافروں سے پوچھے کہ آسمان و زمین کس نے بنائے ہیں تو ضرور کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے) لقمان ۲۵

(اے پیغمبر پوچھ کہ جانتے ہو زمین اور جو کچھ اس میں ہے کس کی ہے' وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ کی ہے' کہہ دے پھر تم نصیحت کیوں نہیں پکڑتے) المومنون ۸۴' ۸۵

ابن عباس وغیرہ کا قول ہے کہ مشرکین سے سوال کیا جاتا ہے کہ آسمان و زمین کا خالق کون ہے تو جواب دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ' پھر بھی وہ لوگ غیر اللہ کی پرستش کرتے ہیں۔

توحید کی یہ قسم (توحید ربوبیت) بلاشبہ واجب ہے' لیکن اس کے ذریعہ شرک سے جو سب سے بڑا کبیرہ گناہ ہے' چھٹکارا ممکن نہیں' بلکہ نجات کے لئے ضروری ہے کہ دین و عبادت کو اللہ کے لئے خالص کیا جائے اور صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے۔

الٰہ (معبود) ایسی ذات کو کہتے ہیں جس کی لوگ دل سے عبادت کریں' اور اللہ تعالیٰ کے مستحق الوہیت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں تمام صفات کمالیہ موجود ہیں' اس لئے صرف وہی معبود و محبوب ہونے کا مستحق ہے' اور جس عمل سے اس کی ذات نہ مراد ہو وہ عمل باطل ہے' اس کے علاوہ کسی دوسرے کی عبادت اور محبت فساد کا موجب ہے' چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(اگر زمین و آسمان میں اللہ کے سوا معبود ہوتے تو دونوں بگڑ جاتے) الانبیاء ۲۲

توحید کے معاملہ میں صوفیاء کی غلطی

اہل تصوف کے طریقہ پر توحید کی تحقیق سے متعلق گفتگو کرنے والوں کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ توحید ربوبیت ہی غایت ہے' اور اس میں فنا ہونا انتہاء ہے۔ بندہ جب اس کی گواہی دے گا تو اچھی چیز کو استحسان اور بری چیز کا استقباح اس سے ساقط ہو جائے گا۔ لیکن اس قول کا حاصل امرونہی اور وعدو وعید کا ابطال ہے' ان لوگوں نے تمام مخلوقات کے لئے شامل مشیت' طاقتوں کے ساتھ خاص محبت و رضا تکوینی کلمات جن سے نیک و بد تجاوز نہیں کر سکتے اور ان دینی کلمات کے مابین جن کی موافقت کے ساتھ انبیاء و اولیاء مختص ہیں فرق نہیں کیا۔

بندہ کو جس طرح مومن و کافر اور نیک و بد ہر ایک کو شامل ربوبیت کی گواہی دینی ہے' اسی طرح اللہ کی اس ربوبیت کی بھی گواہی دینی ہے جو ان مومن بندوں کے ساتھ مخصوص ہے جو اللہ کی عبادت و اطاعت اور اس کے رسولوں کے اتباع کی صفت سے متصف ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(کیا جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے ان کو ہم ان لوگوں کی طرح کر دیں گے جو

زمین میں فساد کرتے ہیں' کیا ہم پرہیز گاروں کو بدکاروں کی طرح کر دیں گے؟) صف ۲۷
اللہ تعالیٰ کے دوستوں اور دشمنوں کے مابین اور اسی طرح ایمان و اعمال صالحہ اور کفر و بدکاری کے مابین جو شخص فرق نہ کرے گا وہ مشرکین کے مذہب میں داخل ہو جائے گا جو کہا کرتے تھے کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم اور ہمارے باپ اشتراک نہ کرتے اور نہ کسی چیز کو حرام کرتے۔

تقدیر سے حجت پکڑنا

تقدیر پر ایمان ضروری ہے' لیکن اس کے ذریعہ حجت پکڑنا جائز نہیں' بلکہ بندہ کو حکم ہے کہ مصائب میں تقدیر کی طرف رجوع کرے اور گناہوں پر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرے۔

جنت میں ممنوعہ درخت سے کچھ کھا لینے پر جو مصیبت پیش آئی اس پر موسیٰ علیہ السلام نے آدم علیہ السلام کو ملامت کی تھی' آدم علیہ السلام نے جواب دیا کہ میری پیدائش سے قبل یہ چیز لکھی جا چکی تھی' اس جواب سے آدم کو غلبہ ہو گیا۔ قرآن میں ہے کہ :
(جو مصیبت آتی ہے وہ اللہ کے حکم ہی سے آتی ہے' اور جو اللہ پر ایمان رکھتا ہو اللہ اس کا دل ٹھکانے رکھے گا) التغابن ۱۱۔

بعض سلف کا قول ہے کہ اس سے ایسا آدمی مراد ہے جسے مصیبت پہنچے تو یہ جان کر یہ اللہ کی طرف سے ہے تسلیم و رضا کا اظہار کرے۔ اور یہی پہلو تھا جس سے موسیٰ پر آدم کو غلبہ حاصل ہوا تھا' معاصی پر تقدیر سے حجت پکڑنے کی صورت نہ تھی' اگر ایسا ہوتا تو ابلیس اور اس کے پیرو بھی وہی کہہ سکتے تھے۔

اگر تقدیر سے حجت پکڑنا صحیح ہوتا تو لوگوں کی زندگی مشکل ہو جاتی' کیونکہ ان پر دست درازی کرنے والا ہر شخص تقدیر سے حجت پکڑ لیتا اور اس کا عذر ماننا پڑتا۔

ایسے بدعتی جنھوں نے توحید میں صفات کی نفی کو داخل کیا ہے' اور وہ لوگ جنھوں نے توحید سے امر کی متابعت کو خارج کیا ہے' دونوں اگر غور کریں تو معلوم ہو گا کہ انھوں نے خالق و مخلوق میں فرق نہیں کیا ہے' بلکہ وحدۃ الوجود کے قائل ہو گئے ہیں' جس طرح ملحدین وحدت' حلول اور اتحاد کے قائل ہیں' اور بتوں کی تعظیم کرتے ہیں' خالق ارض و سماوات

کے وجود کو دیگر موجودات کا وجود بتاتے ہیں' پھر دعویٰ توحید و تحقیق اور معرفت کا کرتے ہیں لیکن حقیقت میں ان کی صفت شرک و تلبیس ہے۔

ان کے عارف کا قول ہے کہ : سالک شروع میں اطاعت و معصیت کے مابین فرق کرتا ہے' یعنی امر کو دیکھتے ہوئے' پھر بغیر معصیت طاعت دیکھتا ہے' یعنی تقدیر کو دیکھتے ہوئے' پھر نہ طاعت رہتی ہے نہ معصیت' یعنی یہ دیکھتے ہوئے کہ وجود ایک ہے۔ ان کے نزدیک واحد بالعین اور واحد بالنوع کے مابین بھی فرق نہیں' کیونکہ تمام موجودات وجود کے مسمی میں مشترک ہیں۔

وجود کی تقسیم

وجود درجہ ذیل قسموں میں تقسیم ہوتا ہے : قائم بنفسہ' قائم بغیرہ' واجب بنفسہ' ممکن بنفسہ۔

حیوانیت کے مفہوم میں تمام حیوان مشترک ہیں' جس طرح انسانیت کے مفہوم میں تمام انسان شریک ہیں' پھر بھی بدیہی طور پر معلوم ہے کہ ایک انسان کا وجود بعینہ ایک گھوڑے کا وجود نہیں' لیکن پھر بھی دونوں میں ایک قدر مشترک ہے جس میں دونوں باہم مشابہ ہیں' اسی قدر مشترک کو وجود کلی اور وجود مطلق کہتے ہیں۔ اس طرح ہر موجود کی ایک ایسی حقیقت ہے کہ جو اس کے ساتھ خاص ہے کوئی دوسرا اس میں اس کا شریک نہیں' بلکہ خارج میں موجود دو چیزوں کے مابین بعینہ کوئی ایسی چیز نہیں جس میں دونوں شریک ہوں' البتہ اس میں دونوں کی مشابہت ہوتی ہے' ایک شئی میں جو چیز ہوتی ہے اسی کی نظیر دوسری شئی میں بھی ہوتی ہے لیکن ہر ایک ذات و صفات کے لحاظ سے دوسری سے ممتاز ہوتی ہے۔ اور جب مخلوقات کا یہ حال ہے تو خالق کے سلسلہ میں اتحاد کی بات کیسے کہی جا سکتی ہے؟

یہ ایک مشکل مسئلہ ہے' ہم نے تفصیل سے اسے دوسرے مقام پر بیان کیا ہے۔

صفات' خلق اور امر کے بارے میں دونوں سابقہ قاعدوں کی تطبیق دینے والے ان دو چیزوں کے مابین تمیز کر سکتے ہیں جن میں سے ایک مامور و محبوب و مرضی ہے' اور دوسری ایسی نہیں' حالانکہ تقدیر دونوں کو شامل ہے' یہیں سے اللہ تعالیٰ کے لئے ایسی صفات ثابت ہو سکیں گی جو مخلوقات سے بالکل مختلف ہیں' اور یہ معلوم ہو گا کہ مخلوقات میں اس کی ذات

کی کوئی شئی نہیں' نہ اس کی ذات میں مخلوقات کی کوئی چیز ہے' ان امور کو سمجھنے کے بعد وہ توحید ثابت ہو سکے گی جسے دیکر اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو بھیجا ہے اور کتابیں اتاری ہیں' اس کی تنبیہہ اخلاص کی دونوں سورتوں (**قل یا ایھا الکافرون** اور **قل ھواللّٰہ احد**) میں کی گئی ہے۔

قل ہو اللہ احد ایک تہائی قرآن کے برابر ہے' کیونکہ معنی کے اعتبار سے اس میں ایک تہائی مضمون موجود ہے' اس کی توضیح یہ ہے کہ قرآن کے مضامین بنیادی طور پر تین قسموں میں منقسم ہیں' ایک توحید' دوسری واقعات و قصص اور تیسری امر و نہی۔ سورۂ اخلاص میں توحید کا مضمون پوری طرح مذکور ہے۔ لیکن اس برابری کا تعلق ثوابت سے ہے' یہ نہیں کہا جا سکتا کہ بندہ بقیہ قرآن کا یا دوسرے مقامات پر توحید کے مضامین کا محتاج نہیں۔

سورۂ قل ہو اللہ قولی و علمی توحید پر مشتمل ہے جس پر اسماء و صفات دلالت کرتی ہیں' اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ (قل ہو اللہ احد' اللہ الصمد)

سورۂ قل یا ایھا الکافرون میں قصد و عمل کی توحید ہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

(اے کافرو! جن چیزوں کو تم پوجتے ہو انہیں میں نہیں پوجوں گا)

اس اعلان سے اللہ کی عبادت کرنے والا غیر اللہ کی عبادت کرنے والے سے ممتاز ہو جاتا ہے' اگرچہ دونوں اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا رب ہے۔

سورۂ قل ہو اللہ احد میں ذات اور اسماء و صفات کا اثبات ہے جس کے ذریعہ خالق' احد اور صمد رب کا اثبات کرنے والے ایسے رب کو نہ ماننے والوں سے ممتاز ہو جاتے ہیں جو اسماء و صفات کی نفی کرتے ہیں' ان کا حال فرعون جیسا ہے جو معبود الٰہ کا بہ ظاہر انکار کرتا تھا لیکن اس کا دل اس کا قائل تھا' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(ان کے دلوں میں ان نشانیوں کا یقین آگیا اور زبان سے انکار کرتے رہے) النمل ۱۴

اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو مفصل اثبات اور مجمل نفی کے ساتھ بھیجا تھا' چنانچہ انہوں نے اسماء وصفات کا اثبات کیا اور مخلوقات کے ساتھ مشابہت کی نفی کی۔ لیکن فلاسفہ میں معطلہ فرقہ کے لوگوں نے مسئلہ کو الٹ دیا' ان کے یہاں نفی کی تفصیل ہے' اور اثبات میں اجمال ہے' وہ اللہ تعالیٰ کی توصیف میں کہتے ہیں کہ: ایسا نہیں' ایسا نہیں' ایسا نہیں۔ اور جب اسے

ثابت کرنا چاہتے ہیں تو نفی اطلاق مشروط سے مطلق وجود کی بات کرتے ہیں' یہ لوگ خود یونانی منطق کی رو سے اعتراف کرتے ہیں کہ اطلاق کی شرط سے مشروط مطلق کا وجود نہیں' چنانچہ خارج میں کوئی ایسا حیوان جس میں مطلق کی شرط لگی ہو پایا نہیں جا سکتا۔

اللہ تعالیٰ کی توصیف میں مذکورہ معطلین کا ایک قول یہ ہے کہ وہ ایسا وجود ہے جس میں ہر ثبوت کی نفی کی شرط لگی ہے۔ ایسی صورت میں مفہوم وجود میں وہ تمام موجودات کا شریک ہو گا لیکن عدم کے ذریعہ ان سے ممتاز ہو گا۔ اور یہ سب جانتے ہیں کہ وجود کو عدم پر بہتری حاصل ہے' اس طرح کم تر سے کم تر موجود بھی اس ذات سے بہتر ٹھہرے گا جسے یہ فلاسفہ واجب الوجود مانتے ہیں' یہ اس وقت جبکہ اس کا وجود خارجہ میں ہو' اور اگر نہ ہو تو وہ بھی نہیں ہو سکتا۔

مشائی متاخرین فلاسفہ میں یہ لوگ خود کو افضل مانتے ہیں' ان کے نزدیک واجب الوجود کا جو تصور ہے اصل میں وہ وجود کے محال ہونے کا اقرار ہے' اس طرح یہ لوگ متضاد امور کے اجتماع کے قائل ہیں جو بہت بڑی جہالت و گمراہی ہے۔

رسولوں کا طریقہ

فلاسفہ کے بالمقابل اللہ کے رسولوں نے قرآنی طریقہ کے مطابق اللہ تعالیٰ کو ثابت کیا ہے۔

اللہ فرماتا ہے کہ وہ (اللہ) حی' قیوم' علیم' حکیم' غفور' سمیع' بصیر' علی اور عظیم ہے' اس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا' موسیٰ سے کلام کیا' نیک بندوں سے راضی ہوتا ہے' کافروں پر اس کا غضب ہے۔

اسی طرح قرآن نے یہ بھی بتایا ہے کہ اس کی صفات مخلوق کی صفات جیسی نہیں ہیں' کوئی مخلوق کسی بھی چیز میں اس کے مشابہ نہیں' وہ پاک ہے' زمین و آسمان اور ان کی ہر چیز اس کی پاکی بیان کرتی ہے' لیکن انسان ان مخلوقات کی تسبیح کو سمجھ نہیں پاتا'

ایک سچا مومن اللہ پر اور اس کے اسماء حسنیٰ پر ایمان رکھتا ہے' الحاد سے بچتا ہے' تنہا اللہ کی عبادت کرتا ہے' اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں کرتا اور مشرکین کی راہ سے بچتا ہے جن کے بارے میں اللہ کا ارشاد ہے:

(اے پیغمبر کہہ دے تم جن کو اللہ کے سوا معبود سمجھتے ہو بھلا ان کو پکارو تو سہی' ان کو تو ایک ذرہ برابر اختیار نہیں نہ آسمان میں نہ زمین میں' اور نہ آسمان و زمین میں ان کا کوئی حصہ ہے' اور نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے۔ اور اللہ کے پاس سفارش کام نہیں آتی' مگر جس کو وہ حکم دے' جب ان کے دل سے گھبراہٹ جاتی رہتی ہے تو آپس میں کہتے ہیں تمہارے مالک نے کیا حکم دیا' وہ کہتے ہیں جو حق ہے وہ حکم دیا' اور وہ بلند ہے بڑا) السبا ۲۲' ۲۳

لہٰذا مومن کو علم و ایمان کے سمجھنے کے لئے کوشش کرنا چاہئے' اللہ کو ہادی' مددگار' حاکم اور ولی بنانا چاہئے' وہی اچھا کارساز و مددگار ہے۔

وہ اگر چاہے تو مسلم' ابوداؤد وغیرہ میں مذکور دعا بھی کرے عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبیﷺ جب رات میں نماز کے لئے اٹھتے تو یہ دعا فرماتے :

اللہم رب جبرآئیل و میکائیل و اسرافیل فاطر السمٰوات والارض عالم الغیب و الشہادۃ انت تحکم بین عبادک فیما کانوا فیہ یختلفون' اھدنی لما اختلف فیہ من الحق باذنک' انک تھدی من تشاء الی صراط مستقیم۔

اس دعا کا خلاصہ یہ ہے :

اے جبرئیل' میکائیل اور اسرافیل کے پروردگار' آسمان و زمیں کے پیدا کرنے والے' سب کچھ جاننے والے' تو ان معاملات میں فیصلہ فرمائے گا جن میں بندے مختلف ہیں' حق کی طرف میری رہنمائی فرما' تو جسے چاہے سیدھی راہ دکھاتا ہے۔